الجامع الصحیح البخاری

کتاب التوحید

امیر المؤمنین فی الحدیث
محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہ اللہ

ترجمہ و فوائد
ابو محمد عبد الستار الحماد حفظہ اللہ

مقدمۂ توحید
ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر حفظہ اللہ

مکتبہ اسلامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

الجامع الصحيح البخاري

كتاب التوحيد

الجامع الصحیح البخاری

کتاب التوحید

أمیر المؤمنین فی الحدیث
محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہ اللہ

ترجمہ وفوائد
ابو محمد عبد الستار الحماد حفظہ اللہ

مقدمہ توحید
ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر حفظہ اللہ

مکتبہ اسلامیہ

ناشر ---------------- محمد سرور عاصم

اشاعت -------- اگست 2008ء

قیمت ----------------

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ، لاہور - پاکستان فون :042-7244973

بیسمنٹ اٹلس بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد - پاکستان فون:041-2631204

فہرست

سخن ہائے گفتنی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمدٍ وآله و اصحابه و اتباعه اجمعين.

توحید باری تعالیٰ دین اسلام کی بنیاد ہے، باقی تمام اشیاء توحید کے وسائل ہیں، توحید نے ہی انسان کو شعور بخشا ہے جس کی وجہ سے یہ باقی مخلوقات سے ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، دنیا میں کوئی مخلوق ایسی نہیں جو توحید پرست نہ ہو، صرف انسان توحید اور شرک کے درمیان رہتا ہے، ان میں صرف حضرات انبیاء علیہم السلام ایسے ہیں جو توحید کے علمبردار اور اس کی طرف دعوت دینے والے ہوتے ہیں، توحید کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں صرف توحید سمجھانے کے لیے تیرہ برس صرف کیے اور مدنی زندگی میں باقی شریعت کے لیے دس سال لگائے، قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں آنے والے ہر نبی نے اپنی دعوت کا آغاز توحید سے کیا بلکہ انسانی تخلیق کا مقصد ہی توحید باری تعالیٰ ہے اور انسانی ترقی کا راز بھی اللہ کی معرفت اور پہچان میں ہے، لیکن افسوس کہ آج کے انسان نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ تو اٹھایا ہے لیکن ابھی تک اپنے مالک حقیقی کو نہیں پہچانا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس ناسپاسی کو بایں الفاظ بیان کیا ہے:

"اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر شناسی اس طرح نہیں کی جس طرح کرنی چاہیے تھی۔" (الزمر:٦٧)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

"تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے ہو حالانکہ اس نے تمہیں کئی اطوار میں پیدا کیا ہے۔" (نوح:١٣، ١٤)

برصغیر کے مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ کی ناقدری اور احسان فراموشی کو دیکھا جا سکتا ہے، ان کے ہاں رائج عقائد و اعمال اور زندگی گزارنے کا جو منہج و طریقہ ہے اسے اللہ تعالیٰ کی

ناقدری کا شاہکار ہی کہا جا سکتا ہے، شرعی طور پر اس بات کا اقرار و اعتراف اور یقین کرنا توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات، الوہیت و ربوبیت، عبودیت و حاکمیت اور جملہ اختیارات میں یکتا و یگانہ ہے لیکن اللہ کی ذات کے متعلق اس وقت مسلمانوں میں پانچ نظریے موجود ہیں:

① تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور وہ خود اس کائنات سے الگ ذات ہے جو بنفسہ عرش عظیم پر مستوی اور وراء الوراء ہے۔

② اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے اندر تھا، اسی لیے فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا، اس نظریے کو مولانا رومی نے اپنی مثنوی میں بیان کیا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کی شکل و وجود میں ظاہر ہوا، اس نظریہ کی ترجمانی خواجہ غلام فرید نے اپنے دیوان میں کی ہے۔

④ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر انسان کے روپ میں ہے، اس عقیدہ کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے خوب خوب بیان کیا ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ ہر نوع مخلوق میں موجود ہے، اس عقیدہ کی تشریح وحدت الوجود کا نظریہ رکھنے والے تمام صوفیا نے کی ہے۔

ہمارے نزدیک اللہ کی ذات کے متعلق پہلا نظریہ صحیح اور قرآن وحدیث کے مطابق ہے کہ وہ تمام کائنات کا خالق ہے اور خود اس سے الگ ذات ہے جو مستوی علی العرش اور وراء الوراء ہے البتہ علم کے اعتبار سے وہ ہر جگہ اور اس سے کائنات کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

مذکورہ پیش کردہ نظریات کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے ہے، جسے اصطلاحی طور پر توحید اسماء وصفات کہا جاتا ہے، امام بخاری نے اس کی وضاحت کے لیے اپنی صحیح کے آخر میں کتاب التوحید کا عنوان قائم کیا ہے جس کا ترجمہ اور تشریح ہدیہ قارئین ہے، امام بخاری کے اسلوب کو ہم آئندہ بیان کریں گے البتہ انہوں نے اپنے اختیار کردہ انداز بیان میں ہمیں یہ پیغام دیا ہے:

"یہ ہمارے رب کی کتاب ہے جسے اس نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور ہمیں اس کی پیروی کا حکم دیا ہے، اس کے تدبر پر ابھارا ہے اور اس کے

معانی میں غور وفکر کرنے کی ترغیب دی ہے، جسے اس نے راہِ ہدایت، ذریعہ روشنی اور باعث شفا بنایا ہے اور یہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی احادیث ہیں جو ہمارے لیے مشعل راہ، مینارۂ رشد و ہدایت ہیں۔ قرآن وحدیث میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں، دونوں وضاحت کے ساتھ حق بیان کرتے ہیں، اس حق سے وہی لوگ دور ہوئے جنہوں نے اپنے لیے اسلاف کا راستہ چھوڑ کر ایک نئی راہ کا انتخاب کیا جو ان کے لیے سراسر گمراہی کا باعث ہے، مسلمان کو چاہیے کہ وہ صرف قرآن وحدیث کو مضبوطی سے تھام لے اور اس کے خلاف ہر چیز کو چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو ہماری طرف اپنا نمایندہ بنا کر بھیجا ہے جنہوں نے دین کی ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا ہے، ہم اس کے بعد کسی چیز کے محتاج نہیں ہیں، اگر ہم نے اس سے روگردانی کی تو شیاطین ہمیں گہری گھاٹیوں میں پھینک دیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جو شخص رحمٰن کے ذکر سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے اور ایسے شیاطین انہیں سیدھی راہ سے دور کر دیتے ہیں جبکہ وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔"

(الزخرف:۳٦)

اس لیے ہمیں دینی معاملات میں قرآن وسنت کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے۔"

امام بخاری کے اس پیغام کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے متعلق قرآن وحدیث کو محور قرار دیا جائے انہیں بلا تکییف وتمثیل اور بلا تعطیل وتحریف اللہ رب العزت کے شایان شان مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جائے نیز یہ اقرار وتسلیم کسی قسم کی دور از کار تاویل کے بغیر ہو، یہی وہ توحید ہے جس کے ماننے والوں کو رسول اللہ ﷺ نے فرقہ ناجیہ، طائفہ منصورہ اور اہل السنۃ والجماعۃ قرار دیا ہے، انہیں عرف عام میں سلف صالحین اور جماعت محدثین کہا جاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو عملی، فکری، نظری اور اعتقادی گمراہیوں سے محفوظ رہے ہیں کیونکہ انہیں کتاب وسنت کا وہ محفوظ قلعہ نصیب ہوا، جس کے حصار میں رہ کر انہوں نے اپنی دینی اور ایمانی عصمت

کو محفوظ کیا، اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن اس گروہ کی رفاقت نصیب فرمائے (آمین)

قارئین کرام! کتاب التوحید کے ترجمہ اور اس کی شرح کے دوران مجھے اس امر کا شدت سے احساس ہوا کہ مقدمہ کے طور پر حضرات انبیا علیہم السلام کی بیان کردہ توحید اور ان کے مخالفین، ملحدین فلاسفہ اور اہل بدعت کی توحید کا فرق واضح ہونا چاہیے کیونکہ کسی چیز کی ضد کے بیان سے اس چیز کی اہمیت مزید اجاگر ہو جاتی ہے چنانچہ میں نے اس عظیم کام کی تکمیل کے لیے رفیق محترم، برادر مکرم جناب ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ کا انتخاب کیا، موصوف کی علمی سرگرمیوں اور دعوتی مصروفیات سے میں بخوبی واقف تھا، اس کے باوجود انہوں نے میری استدعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور سو سے زائد صفحات پر مشتمل ایک مبسوط ''مقدمہ توحید'' سپرد قلم فرمایا، مقدمہ توحید کیا ہے؟ علم وحکمت کا ایک بہتا ہوا دریا ہے جس میں انہوں نے نہ صرف توحید کے مفہوم کو نکھارا ہے بلکہ اس کے متعلق سلف صالحین کے منہج کی وضاحت کرتے ہوئے مخالفین کے شکوک وشبہات کو بھی سبوتاژ کیا ہے، آپ نے بڑی شرح وسط کے ساتھ توحید انبیا اور توحید فلاسفہ کا تقابل کرتے ہوئے نہ صرف اہل سنت کا دفاع کیا ہے بلکہ مخالفین اہل بدعت کی علمی درماندگی اور فکری لاچارگی کو بھی طشت ازبام کیا ہے، آپ نے ثابت کیا ہے کہ توحید کے متعلق کجروی اختیار کرنے والے بدعتی فرقوں میں فلاسفہ اسلام، متکلمین اور صوفیائے کرام برسرفہرست ہیں، یہ سب یونان سے درآمد شدہ الحادی فکر کا تسلسل ہیں، انہوں نے امت مسلمہ میں اپنے فکری انحراف کے بیج بوئے اور کتاب اللہ کی نصوص کو اپنے پسندیدہ معانی پہنانے کی سرتوڑ کوشش کی، اس کے لیے سرکاروں اور درباروں کا بھی سہارا لیا، قدریہ، جبریہ، روافض، جہمیہ اور معتزلہ کے عقائد یہود ونصاریٰ کی تعلیمات کا سرقہ اور صوفیانہ نظریات ہندو مذہب کا چربہ ہیں، فلاسفہ اور متکلمین نے عقل پرستی میں غلو سے کام لیا جبکہ صوفیائے کرام نے عقل دشمنی کا ریکارڈ قائم کیا، معتزلہ کا ظہور تو خاص طور پر یونانی فلسفہ وفکر سے مرعوبیت کی وجہ سے ہوا، قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ کتاب کے مطالعہ سے قبل اس مقدمہ توحید کو بغور پڑھیں امید ہے کہ امام بخاری کے فکر واسلوب کو سمجھنے کے لیے یہ انتہائی کارآمد اور ثمر آور ثابت ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ صاحب کے علم وعمل میں برکت فرمائے اور قیامت کے دن کتاب وسنت

کے حاملین کا یہ دفاع ہم سب کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

کتاب التوحید کی اشاعت کے متعلق اس امر کی وضاحت ضروری خیال کرتا ہوں کہ مختصر صحیح بخاری کے ترجمہ وفوائد کی طباعت کے بعد مکتبہ دارالسلام لاہور کی طرف سے مکمل صحیح بخاری کے ترجمہ وفوائد کی ذمہ داری بھی مجھے سونپ دی گئی اگرچہ یہ سفر خاصا طویل، کٹھن، دشوار گزار اور اعصاب شکن تھا تاہم اللہ کی توفیق سے میں اس ذمہ داری کو پورا کر رہا ہوں، اب یہ کشتی ساحل سے ہمکنار ہونے کے قریب ہے، موضوع کی نزاکت اور اہمیت وافادیت کے پیش نظر صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام اور کتاب التوحید کے ترجمہ وتشریح کو پہلے مکمل کر دیا ہے۔

"اے میرے پروردگار! میں نے تیری طرف آنے میں جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے۔" (طہ:۸۴)

میری عرصہ سے خواہش تھی کہ صحیح بخاری کا کوئی حصہ زیور طبع سے آراستہ ہو جائے تاکہ قارئین اور اہل علم کے ملاحظات کی روشنی میں اگر ضرورت ہو تو اپنے کام پر نظر ثانی کر سکوں، اس کے متعلق پہلے کتاب الصیام کا انتخاب کیا گیا لیکن بعض فنی مجبوریوں کی وجہ سے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، میں نے عزیز القدر حافظ عبدالعظیم اسد سلمہ اللہ سے کتاب التوحید کے متعلق الگ سے اشاعت کی اجازت طلب کی تو انہوں نے میری خواہش کے احترام میں اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا جزاہ اللہ خیراً فی الدنیا والآخرۃ۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ کتاب التوحید کے ترجمہ وفوائد میں اگر کوئی کام کی چیز نظر آئے تو اسے محض اللہ کے فضل کا نتیجہ قرار دیں اور اگر کسی کوتاہی پر مطلع ہوں تو اسے میری بے بضاعتی اور کم علمی پر محمول کرتے ہوئے اس کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری کی اس خدمت کو ہم سب کے لیے توشئہ آخرت بنائے۔ آمین

مرکز الدراسات الاسلامیہ، میاں چنوں — طالب الدعوات

۲۰ جولائی ۲۰۰۸ بروز اتوار — ابو محمد عبدالستار الحماد

0300-4178626

مقدمہ توحید

تقرب الی اللہ کی اہمیت:

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم ...... وبعد

اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا اور اس کا قرب حاصل کرنا، ہر صاحبِ ایمان کا سب سے اہم مسئلہ ہے، دنیا و آخرت میں کامرانی و کامیابی کا دارو مدار اسی تعلق و تقرب پر ہے، جس قدر کسی کا تعلق گہرا اور مضبوط ہوگا اسی قدر وہ مقرب ہوگا اور مقربین ہی بارگاہِ ربُّ العزت میں باریاب ہونگے، فرمایا:

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۝ ﴾ (١٠/ يونس: ٦٢-٦٤)

”خبردار! جو اللہ کے ولی ہیں ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غم ناک ہونگے، وہ لوگ جو ایمان لائے اور تقوی اختیار کیے ہوئے ہیں انکے لیے دنیا کی زندگی میں خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی، اللہ کے فرامین میں تبدیلی نہیں ہوتی، یہی بڑی کامیابی ہے۔“

مقربین کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلسَّٰبِقُونَ ۝ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلْمُقَرَّبُونَ ۝ فِى جَنَّٰتِ ٱلنَّعِيمِ ۝ ﴾

(٥٦/ الواقعة: ١٠-١٢)

”اور آگے بڑھنے والے وہی آگے بڑھنے والے ہیں، وہی مقرب ہیں، وہ نعمتوں کے باغات میں ہونگے۔“

نیز فرمایا:

﴿ فَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ۝ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ۝ ﴾

(٥٦/ الواقعة: ٨٨۔ ٨٩)

''پھر اگر وہ مقربین میں سے ہوا تو (ہر طرف اس کیلئے) راحت اور خوشبودار پھول اور نعمتوں کی جنت ہوگی۔''

قربِ الٰہی کا مقام بایں الفاظ ذکر فرمایا:

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ ﴾

(٥٤/ القمر: ٥٤۔٥٥)

''یقیناً پرہیز گار لوگ باغات اور نہروں میں ہونگے، سچے ٹھکانے میں ہمہ مقتدر بادشاہ کے پاس۔''

تعلق باللہ اور قربِ الٰہی کی اسی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے حصول کیلئے محنت کرنے کا حکم دیا اور اسے باعثِ فلاح قرار دیا، فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (٥/ المائدة: ٣٥)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف قربت کا ذریعہ تلاش کرو اور اسکی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

دنیا بھر کے عظیم لوگ اسی عظیم مقصد کے لئے محنت کرتے رہے کہ کسی طرح قربِ الٰہی میسر آجائے، فرمایا:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ ﴾

(١٧/ الإسراء: ٥٧)

''وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں، وہ بھی اپنے رب کی طرف قربت کا ذریعہ تلاش کرتے ہیں، کہ کون ان میں سے (اللہ کے) زیادہ قریب ہوتا ہے، اور وہ اسکی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، یقیناً تیرے رب کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے ڈرا جائے۔''

دوسرا مفہوم اس آیت کا یہ بھی بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جو بارگاہِ الٰہی کے مقربوں میں سے زیادہ قریب ہے وہی اس کے مزید تقرب کی کوشش کرتا ہے ۔

اس آیت مبارکہ کے شان نزول کے بارے میں صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کچھ عرب لوگ بعض جنات کی عبادت کیا کرتے تھے، بعثتِ نبوی کے بعد وہ جن مسلمان ہو گئے مگر ان کی عبادت کرنے والے انسان اسی طرح انکی عبادت کرتے رہے، تو انہیں انکے معبودوں کی حقیقت سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، واضح ہے کہ اگر وہ اپنے معبودوں کی حقیقت جان لیتے تو انکی عبادت سے باز رہتے بلکہ صرف اس معبودِ برحق کی عبادت کرتے جس کے قرب کی راہیں، انکے معبود تلاش کرتے تھے۔

معرفتِ الٰہی

تعلق اور حصول تقرب کیلئے معرفت الٰہی ضروری ہے، جب تک کوئی جانے اور پہچانے گا نہیں اس وقت تک اس کی طرف راہ کیسے پائے گا؟

مشرکین کا یہی مسئلہ ہے کہ ایک طرف وہ معرفتِ الٰہی سے محروم ہیں، تو دوسری طرف اپنے معبودانِ باطلہ کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اسکی عظمت وجلال کو پہچان لیں تو اسے چھوڑ کر کبھی کسی کی عبادت نہ کریں اور اگر اپنے باطل خداؤں کو سمجھ لیں اور انکی حقیقت کو جان لیں تو کبھی شرک کی ذلت اختیار نہ کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴾ (۲/ البقرة ۱۶۵)

”اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اوروں کو شریک بنا لیتے ہیں ان سے ایسے محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت ہونی چاہیے اور وہ لوگ جو ایمان لائے وہ سب سے بڑھ کر اللہ کی محبت میں پختہ ہیں اور کاش کہ وہ لوگ جنہوں نے یہ ظلم کیا

اس حالت کو جان لیں جب وہ عذاب کو دیکھیں گے کہ یقیناً طاقت تو تمام تر اللہ ہی کے لیے ہے، اور بے شک اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔''

گویا اہلِ شرک کی گمراہی کی بڑی وجہ انکی معرفت الٰہی سے محرومی اور غفلت ہے، اور اہلِ ایمان کی ہدایت کا سب سے اہم سبب معرفتِ الٰہی ہے، معرفت ایمان کی بنیاد ہے اور ایمان ہدایت کی اساس۔ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ﴾ (٦٤/ التغابن:١١)

''اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے وہ اس کے دل کو سیدھے راستے پر چلا دیتا ہے۔''

انسانیت پر اللہ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کیلئے اپنی آیتیں اتاریں، انبیاء ورسل مبعوث فرمائے، انہیں معجزات سے نوازا، انسان کی ہدایت کیلئے انفس وآفاق میں بے شمار نشانیاں پھیلا دیں، اپنی معرفت کی آسان ترین اور روشن راہیں بتائیں، جنکی بدولت انہیں حق وحقیقت تک رسائی حاصل ہوئی، اور انسان کفر وشرک اور جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکل کر ایمان، توحید اور علم کے روشن راستے پر چلنے کے قابل ہوا۔

﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

(١٠/ یونس:٢٥)

''اور اللہ سلامتی والے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔''

وجود باری تعالیٰ اور اس کی الوہیت ووحدانیت کے دلائل ایک طرف اس جہانِ رنگ وبو میں پھیلے ہوئے ہیں، جنکا ہم مشاہدہ کررہے ہیں حتی کہ انسان کا اپنا وجود اور اس وجود میں بے شمار نشانیاں ایسی ہیں جو خالقِ کائنات کے وجود اور اسکی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہیں، دوسری طرف اللہ نے اپنی وحی کے ذریعے انسان کی راہنمائی فرمائی، اسے اپنے وجود اور اپنی توحید کے علمی وفکری اور عقلی ومنطقی دلائل دیئے جو اسکی ہدایت کیلئے کافی ووافی ہیں اور اپنی کتابِ مبارک قرآن کریم میں ان دونوں قسم کے دلائل کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾
(۱۷/ الاسراء:٤١)

’’اور البتہ تحقیق ہم نے قرآن پھیر پھیر کر بیان کیا تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔‘‘

حق قبول کرنے میں انسان مختار ہے

حق واضح ہے انسان اسے قبول کرنے میں بااختیار ہے۔فرمایا:

﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ﴾ (۲/ البقرة: ۲٥٦)

’’دین میں زبردستی نہیں ہے، یقیناً ہدایت گمراہی سے (الگ ہوکر) واضح ہو چکی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار فرمایا، جو اس کے بندوں کیلئے مفید ثابت ہوسکتا تھا۔اللہ کی حکمت کاملہ اور اس کے کرمِ فراواں اور رحمتِ واسعہ کے شایانِ شان یہی تھا اور انسان کے امتحان کا بھی یہی تقاضا تھا کہ اسے نہ تو شر کی داخلی وخارجی قوتوں کے سامنے بغیر راہنمائی اور ہدایت کے بے یارومددگار چھوڑا جائے کہ یہ قوتیں اسے نیم جان زخمی شکار کی طرح بھنبھوڑتی پھریں، علم وہدایت سے عاری فضا میں اسکی ہڈیاں نوچ لی جائیں یا وہ تیز ہواؤں کے تھپیڑے کھا کر کسی جنگل یا بے نشان وادی میں راہ پائے بغیر سسک سسک کر ہلاک ہوجائے اور اسے راہِ حق وہدایت سجھائی ہی نہ دے، اور نہ ہی اس صورت میں اس کا مقصدِ تخلیق حاصل ہوتا نظر آتا ہے کہ اسے زبردستی صالح زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے اور صراطِ مستقیم پر چلایا جائے۔فرمایا:

﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾

(٦/ الانعام:١٤٩)

’’کہہ دیجئے! سو کامل دلیل تو صرف اللہ ہی کی ہے اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور انسان کے امتحان کے تقاضے کے عین مطابق اسکے لیے

درمیان کی راہ اختیار فرمائی، انسان کی ہدایت وراہنمائی کیلئے کافی ووافی دلائل مہیا فرمائے، قبولِ حق کیلئے اسے فطرتِ سلیمہ سے نوازا اورواضح طور پر اسے خیر وشر کے دونوں راستے دکھائے۔فرمایا:

﴿ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۝ ﴾

(۷۶/ الدھر :۲۔۳)

''پھر ہم نے انسان کو خوب سننے دیکھنے والا بنایا، بے شک ہم نے اسے راستہ بھی دکھایا، خواہ وہ شکر گزار ہو اور خواہ ناشکرا۔''

﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۝ ﴾ (۹۰/ البلد:۱۰)

''اور ہم نے اسے دو نمایاں راستے دکھائے۔'' نیز فرمایا:

﴿ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۝ ﴾

(۱۷/ الاسراء : ۱۵)

''جس شخص نے ہدایت اختیار کی تو اس نے اپنے لیے ہی اختیار کی اور جو گمراہ ہوا تو اپنے ہی خلاف راستے پر چلا اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگی، ہم اس وقت تک عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انہی فیصلوں کے مطابق انسان کی ہدایت کیلئے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے، ان پر اپنی وحی نازل فرمائی اور انہیں کتابوں اور صحیفوں سے نوازا اور وحی کے ذریعے کائنات میں پھیلی ہوئی اپنے وجود اور اپنی وحدانیت کی نشانیاں ان پر واضح فرمائیں تاکہ انہیں حق وحقیقت کا علم ہوجائے اور وہ اپنے خالق ومالک کی ذات کو جان لیں اور اپنے معبود حقیقی اور اسکی صفات کاملہ کو پہچان لیں اور کما حقہ اسکے حضور سجدہ ریز ہوسکیں، اور اللہ کے حضور پیش کرنے کیلئے ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے۔

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۝ ﴾ (۴/ النسآء: ۱۶۵)

"(اللہ نے) رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے (بنا کر) بھیجا تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ ہو اور اللہ ہمیشہ کیلئے غالب حکمت والا ہے۔"

اللہ پر ایمان انسانی فطرت میں داخل ہے

اہلِ ایمان کو ایک طرف یہ سہولت حاصل رہی ہے کہ وحی الٰہی کے دعوے کے مطابق، ایک قادرِ مطلق، خالق کائنات اور مدبر الامور، ذات کا عقیدہ واعتراف انسانی فطرت میں داخل ہے۔ وجود باری تعالیٰ کا اقرار اور اس کی توحید پر ایمان، انسان کی فطرت اور جبلت میں شامل ہے، انسانی فطرت اگر اپنی اصل حالت پر قائم ہو، خارجی اثرات اور ماحول سے متاثر نہ ہو تو وہ اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتی کہ کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے راہنمائی کی ہے اور اسی انسانی فطرت کی نشاندہی فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

(۳۰/ الروم: ۳۰)

"سو آپ ایک طرف کے ہو کر اپنا رخ دین کیلئے سیدھا رکھیں، فطرت الٰہی پر قائم رہیں، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت کو تبدیل کرنا ممکن نہیں، یہی حق پر قائم دین ہے، لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔"

انسانی تاریخ کا کوئی عہد اور کرۂ ارضی کا کوئی گوشہ وجود باری تعالیٰ اور قدرتِ الٰہی کے اعتراف سے خالی نہیں ملتا جس سے اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا فرمان کی حقانیت وصداقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اعتراف انسان کے فطری تصور کا حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حقیقت کی نشاندہی درج ذیل الفاظ میں فرمائی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْيُنَصِّرَانِهِ أَوْيُمَجِّسَانِهِ)) (متفق عليه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر پیدا ہونے والا بچہ اصل فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' (بخاری و مسلم)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا۟ بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَآ ۛ أَن تَقُولُوا۟ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَٰفِلِينَ ﴾ (۷/ الاعراف: ۱۷۲)

''اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے انکی اولاد کو نکالا اور انکو ان پر گواہ بنایا (اور پوچھا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا ہاں کیوں نہیں، ہم نے اس کی گواہی دی، (ایسا اس لیے کیا) کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔''

قرآن کریم میں مذکور اس عہدِ الست سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے ہی اپنی ذات کا اعتراف انسان کی طبیعت میں ودیعت فرما دیا تھا، اور اسے اپنی ربوبیت کی تعلیم دے دی تھی۔ یہی وہ فطری عقیدہ اور ایمان ہے جس کا اقرار بتکرار رسول اللہ ﷺ ہر صبح و شام کیا کرتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((أَصْبَحْنَا (أَمْسَيْنَا) عَلَى فِطْرَةِ الإِسْلَامِ وَعَلَى كَلِمَةِ الإِخْلَاصِ وَعَلَى دِينِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى مِلَّةِ أَبِينَا إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ))

(رواه احمد ۳/ ٤۰٦، رقم الحديث: ۱٥۷٦۰) وصحيح الجامع الصغير ٤/ ۲۰۹ وعمل اليوم والليلة ابن السنی برقم ۳٤)

''ہم نے صبح کی (شام کو کہتے ہم نے شام کی) فطرتِ اسلام پر اور کلمۂ اخلاص پر اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے دین پر اور اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر جو (اللہ کی طرف) رخ کرنے والے اور فرماں بردار تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔''

البتہ انسان خارجی اثرات کی وجہ سے اس اعتراف سے غفلت کا شکار ہوتا رہا ہے، اور اسکی اس غفلت اور نسیان کے ازالہ کیلئے اللہ نے سلسلۂ نبوت ورسالت جاری فرمایا اور اپنی مقدس وحی کے ذریعے انسان کی راہنمائی فرمائی، اور اسے اس کی فطرت اصلیہ کی طرف لوٹایا اور انبیاء ورسل حیرت واستعجاب کے ساتھ منکرین حق سے پوچھتے رہے۔

﴿ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ (١٤/ ابراهيم: ١٠)

''کیا اللہ کے بارے میں کوئی شک ہے؟ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔''

اور اللہ کی طرف سے انبیاء اور وحی کے ذریعے انسان کی ہدایت وراہنمائی کا سلسلہ تخلیق آدم سے لیکر محمد ﷺ کی بعثت تک ہمیشہ جاری وساری رہا اور کبھی کسی قوم کو اللہ نے شرکی قوتوں کے مقابل بے یار ومددگار نہیں چھوڑا فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴾ (١٦/ النحل: ٣٦)

''اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا اس حکم کے ساتھ کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو پھر ان میں سے کچھ کو اللہ نے ہدایت دے دی اور کچھ پر گمراہی ثابت ہوگئی تو زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔'' نیز فرمایا:

﴿ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴾ (٣٥/ فاطر: ٢٤)

''کوئی امت نہیں مگر اس میں کوئی ڈرانے والا گزر چکا ہے۔''

انبیا کا فکری اتحاد اور نظامِ کائنات کی وحدت بھی توحید باری تعالیٰ کی دلیل ہے

تاریخ انسانی کے اس قدر طویل عرصہ میں اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی اتنی بڑی تعداد دنیا میں آئی اور ان میں بُعد زمانی و مکانی بھی تھا اور لسانی و خاندانی فاصلے بھی تھے، اس کے باوجود تخلیق کائنات اور خالقِ کائنات کے بارے میں ان کے عقائد و افکار میں مکمل اتحاد پایا جاتا ہے، انکی اخبار و معلومات میں مکمل اتفاق ہے، انکے مابین کلی یا جزئی کوئی اختلاف نہیں پایا گیا، اس کے برعکس منکرین، ملحدین اور فلاسفہ کے نظریات ہمیشہ تغیر پذیر، باہم متصادم اور مختلف رہے ہیں، ان میں سطحیت اور کج روی اور بے کار بحثیں بھی پائی جاتی ہیں۔ کیا یہ اس بات کی بین دلیل نہیں کہ انبیاء کرام کی معلومات کا منبع و مصدر اللہ تعالیٰ کی ذات واحد اور ان کے عقائد و افکار کا ذریعہ انسانی علم و فکر سے ماورا، اور بہت اعلیٰ و بالا وحی الٰہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کی توجہ اسی طرف مبذول کرائی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ يَٰٓأَبَتِ إِنِّي قَدْ جَآءَنِي مِنَ ٱلْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَٱتَّبِعْنِيٓ أَهْدِكَ صِرَٰطًا سَوِيًّا ﴾ (١٩/ مريم: ٤٣)

”اے میرے باپ! یقیناً میرے پاس ایسا علم آچکا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا سو میری پیروی کر لیجئے میں تجھے راہ راست دکھاؤں گا۔“

انبیاء کرام کے درمیان یہ علمی و عملی، فکری و نظری ہر طرح کا مکمل اتفاق و اتحاد اور ان کے ایمان و عقیدے میں یکجہتی بجائے خود قبول حق کیلئے ایک معجزانہ دلیل ہے، جو اہلِ ایمان کو یقین کرنے میں سہولت اور اطمینان فراہم کرتی ہے۔

قرآن کریم کی صداقت و حقانیت کی داخلی دلیل کے طور پر اسکی صحتِ معلومات کو اللہ نے بطور حجت پیش فرمایا ہے۔

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا ﴾ (٤/ النساء: ٨٢)

''کیا یہ لوگ قرآن پر غور وفکر نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ یقیناً اس میں بڑا اختلاف پاتے۔''

جیسے نظامِ عالم میں یکجہتی اور وحدت (Singularity) اس کے کسی خالق، موجد اور مدبر نیز اس کے ایک اور صرف ایک ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ ویسے ہی وحیٔ الٰہی قرآن کریم اور حدیث وسنت نبوی میں اتحاد واتفاق اور معنوی یکجہتی اور تطابق ان کے منبع ومصدر کے ایک ہونے کا یقین دلاتی ہے اور ہمارا پختہ یقین ہے کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔

توحید کامل

یعنی ذاتِ باری تعالیٰ پر یقین، اسکی ربوبیت، الوہیت اور اس کے اسماء وصفات پر کامل ایمان اس کے متعلقات یعنی تمام اصول ایمان کا اقرار انسانی تاریخ کے جملہ اہلِ ایمان کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ﴾ (۲/ البقرۃ: ۲۵۸)

''رسول ﷺ ایمان لائے اس (وحی) پر جو اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے نازل کی گئی اور تمام مؤمن بھی، سب لوگ اللہ پر ایمان لائے، اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔''

نیز فرمایا:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ﴾

(۲/ البقرۃ: ۱۷۷)

''نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرلو، بلکہ اصل نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لایا اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر۔''

فرمایا:

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ﴾ (۲۵/ الفرقان: ۲)

"اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی تقدیر مقرر کی۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۳۸)

"اور اللہ کا حکم مقرر تقدیر ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾ (۵۴/ القمر: ۴۹)

"اور ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے ساتھ پیدا کیا۔"

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾ (۶۵/ الطلاق: ۳)

"یقیناً اللہ اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے۔ تحقیق اللہ نے ہر چیز کیلئے تقدیر مقرر کی ہوئی ہے۔"

اصولِ ایمان

درج ذیل اصولِ ایمان تمام انبیاء ورسل اور اُن کی شریعتوں میں متفقہ علیہ رہے ہیں۔

1. اللہ پر ایمان
2. روز آخرت پر ایمان
3. فرشتوں پر ایمان
4. اللہ کی کتابوں پر ایمان
5. اللہ کے رسولوں پر ایمان
6. اور اللہ کی مقرر کردہ تقدیر پر ایمان

یہ چھ اصول ہیں جن پر ایمان لانے والوں کو اللہ نے مؤمنین قرار دیا ہے۔ ان جملہ اصول پر ایمان کے بغیر عقیدہ توحید اور اللہ پر ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اور جو لوگ ان اصول

پر ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ نے انہیں کافر قرار دیا ہے۔فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴾ (٤/ النساء: ١٣٦)

''اور جو شخص اللہ کا انکار کرے، اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا تو ایسا شخص یقیناً دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ''ایمان'' کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ وَلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ كُلِّهِ)) (رواه البخاري ، مسلم واللفظ لمسلم)

''یہ کہ تو اللہ پر اسکے فرشتوں پر اور اس کی کتاب پر اور اس کی ملاقات پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ، اور مرنے کے بعد اٹھنے پر اور مکمل تقدیر پر ایمان لائے۔''

ان اصولِ ایمان پر تمام انبیاء رضی اللہ عنہم اور ان کی امتوں کے اہلِ ایمان کا اتفاق تھا۔

مگر ان اصول پر حقیقی اور کامل ایمان صرف انبیاء کرام کے پیروکاروں کو ہی نصیب ہوا ہے۔ فرقۂ ناجیہ اور طائفۂ منصورہ اہل السنۃ والجماعۃ سلف صالحین، ان کے تابعین، تبع تابعین، ائمہ ہدایت اور جماعت محدثین ہی ان اصولوں پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے عین مطابق ایمان سے سرفراز ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ کسی گروہ یا فرقے کو وحی الٰہی کو کما حقہ قبول کرنے کی توفیق میسر نہیں آسکی۔ اس لیے ہر نوع کے فتنوں اور ہر طرح کی گمراہی سے صرف یہی مقدس گروہ محفوظ رہ سکا ہے۔

اعتصام بحبل اللہ اور تمسک بالکتاب والسنۃ کے بغیر بحفاظت صراط مستقیم پر چلنے کا اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے۔ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

(۳/ آل عمران: ۱۰۱)

"اور جس نے اللہ کی ہدایت کو مضبوطی سے تھام لیا تو یقیناً اس کی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کر دی گئی۔

"الاعتصام" کا معنی جہاں کسی چیز کو مضبوطی سے تھامنا ہے وہاں "اپنی عصمت بچانے کیلئے کسی محفوظ جگہ پناہ لینا بھی ہے۔"

گویا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ یعنی وحی الٰہی وہ محفوظ قلعہ ہے جس میں رہ کر انسان اپنی دینی و ایمانی عصمت بچا سکتا ہے۔

الحمد لله الذی هدانا لهذا و ما كنا لنتهدی لو لا ان هدانا الله۔

فلاسفہ اور اہلِ بدعت کی توحید

جہاں تک انبیاء ورسل کے مخالفین اور ان کے راستے پر چلنے والے ملحدین فلاسفہ اور اہلِ بدعت کا تعلق ہے تو وہ سب کے سب ان اصولوں کے کلی یا جزوی انکار کے مرتکب ہوئے ہیں اور سب سے بدترین انکار فلاسفہ نے کیا ہے جنہیں ان کے پیروکار حکماء کہتے ہیں۔ ان کے فلسفیانہ افکار وخیالات پر گہری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ، رسول، کتب ساویہ، ملائکہ، روز آخرت اور تقدیر کسی چیز پر بھی حکمِ الٰہی کے مطابق ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ کتاب وسنت میں مذکور ان تمام اصول کے وہ منکر ہیں وہ انہیں اپنی ہی تحریف وتوجیہ کے مطابق مانتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (شرح الطحاویہ ج۲ ص ۴۰۲)

فلاسفہ نے اپنی عقلی توجیہات کی روشنی میں اللہ کی توحید یہ قرار دی ہے کہ ان کے نزدیک علۃ العلل یا علتِ غائیہ کا نام اللہ ہے۔ اور وہ ذات تمام صفات مثلاً علم، قدرت، سمع وبصر اور ارادہ وغیرہ سے عاری ہے، اس کی دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ ہر ثبوتی صفت موصوف سے الگ اور اس کے سوا ہوتی ہے، جس سے موصوف کی ذات کی تکمیل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا کسی خارجی اور غیر چیز سے کامل ہونا محال ہے۔ اس لیے اللہ کی تقدیس وتنزیہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی ذات پاک کے علاوہ اس کی ذات میں کسی صفت کا ثبوت ناممکن ہو۔ ارسطو (۳۸۴۔۳۲۲ ق م) جسے فلاسفہ معلم اول مانتے ہیں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی

ذات میں اگر صفات کو تسلیم کیا جائے تو اس سے ذات میں کثرت لازم آتی ہے، جس سے ارسطو کی قرار دی ہوئی مذکورہ فرضی توحید میں فرق آتا ہے یعنی تعدد صفات سے تعدد آلہہ لازم آتا ہے۔ اس کے جواب میں:

اولاً: الشیخ الرئیس ابن سینا نے اپنی کتاب "الإرشارات والتنبیهات" میں ارسطو کے اس مفروضے کو تسلیم ہی نہیں کیا کہ کثرت صفات سے موصوف کی ذات میں کثرت لازم آتی ہے، ان کے بقول اگر کوئی شخص خوبصورت، عالم، حکیم، خلیق وغیرہ صفات کا حامل ہو تو اس ایک شخص کے ان صفات کی وجہ سے کئی اشخاص نہیں بن جاتے۔ ارسطو کے اس عقلی مفروضے کا یہ عقلی جواب عقلاء کے نزدیک عقل کے عین مطابق ہے۔

ثانیاً: اہلِ ایمان وتوحید نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ کی تمام ثبوتی صفاتِ کمال اس کی ذات کی طرح ازلی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کو الگ کر کے اس کی مجرد ذات کا اقرار کرنا کمالِ الٰہی کو ناقص قرار دینا ہے۔ جو کمالِ بے ادبی ہے۔ کسی بھی ذات کی صفات کو لفظوں کی حد تک تو اس سے الگ تصور کیا جا سکتا ہے مگر فعلاً خارج میں کسی ذات کا صفات کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو تو عالم، حکیم وغیرہ سب کچھ باور کرائیں اور اپنے خالق کو صفاتِ کمال سے عاری کہیں اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہو سکتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ جیسے مخلوق صفاتِ کمال حاصل کرنے کے بعد کامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی شان ہے۔ یہ سراسر غلط ہے، خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا خلاف عقل وقیاس ہے۔ اور تشبیہ کے زمرے میں آتا ہے، اور اللہ کی تشبیہ اس کی مخلوق کے ساتھ قطعاً محال اور ناممکن ہے۔ فرمایا:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (٤٢/ الشورى: ١١)

"اس کی مثل کوئی شی نہیں اور وہ خوب سننے، دیکھنے والا ہے۔"

قرآن کریم میں اللہ کے بے شمار نام اور صفات مذکور ہیں، ایسے ہی صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صرف ایک حدیث کے مطابق اللہ کے ایک کم سو نام ہیں اور تمام کے تمام اللہ کے صفاتی نام ہیں۔ جو اس کی صفاتِ کمال پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے کتاب وسنت کی واضح نصوص کے مطابق تعدد اسماء وصفات سے تعدد آلہہ لازم نہیں آتا اور

ذات واحد میں کثرت ثابت نہیں ہوتی جو فلاسفہ کے مفروضوں پر مبنی توحید کی اساس ہے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتب شیخ الاسلام، خصوصاً حمویہ اور تدمریہ)

کتاب وسنت میں وارد اللہ کے نام اور اس کی صفات معرفتِ الٰہی کا خلاصہ ہیں۔ان کا علم حاصل کرنا، ان پر ان کے ظاہری معانی کے مطابق ایمان لانا معرفتِ الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ جو شخص ان اسماء وصفات کو نہیں مانتا، یا ان کی تاویل کرتا ہے، وہ کبھی معرفتِ الٰہی سے سرفراز نہیں ہوسکتا۔

معرفتِ الٰہی کیلئے عقل کافی نہیں

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ارسطو کے افکار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''الٰہیات کے بارے میں جب معلم اول (ارسطو) کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے اور ایک عالم آدمی اسے غور سے دیکھتا ہے تو وہ مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان فلاسفۂ یونان سے بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے بے بہرہ اور ناآشنا کوئی نہیں تھا۔'' (الرد علی المنطقیین، ص:۳۹۵)

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ اپنے مکتوبات میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''عقل اگر اس مسئلہ میں کافی ہوتی تو فلاسفۂ یونان جنہوں نے عقل کو اپنا مقتدیٰ بنایا تھا گمراہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے اور حق تعالیٰ کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پہچانتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے حق سبحانہ کو بیکار اور معطل سمجھ لیا ہے۔'' (مکتوب ۳/۲۳)

امام غزالی (م ۵۰۵ھ) جو بیک وقت فلسفہ وکلام اور تصوف کے گلی کوچوں سے بخوبی آگاہ تھے فرماتے ہیں:

''(فلاسفہ کے ہاں) تہ بہ تہ تاریکیاں ہی تاریکیاں ہیں، اگر کوئی انسان اپنا اس طرح کا خواب بیان کرے تو اس کو بھی اسکی بدمزاجی کا نتیجہ قرار دیا جائیگا۔''

(تہافۃ الفلاسفہ، ص:۳۰)

حریفِ نکتۂ توحید ہو سکا نہ حکیم
نگاہ چاہیے اسرار لا الہ کیلئے

معتزلہ کے اصولِ خمسہ

امتِ مسلمہ کے بدعتی اور عقل پرست فرقوں نے توحید الٰہی کے بارے میں یہی عقیدہ فلاسفۂ یونان سے حاصل کر کے صفاتِ الٰہیہ کا انکار کیا ہے۔ اسلام میں جس گروہ نے سب سے پہلے فلاسفۂ یونان سے مدد لی وہ معتزلہ ہیں۔ انہوں نے اپنے مذہب کی تاسیس اور اس کی تائید وحمایت کیلئے یونانی علوم سے استفادہ کیا۔ نظام معتزلی (م ۲۳۰ھ)، ابو الہذیل (م ۲۰۳ھ) اور جاحظ (م ۲۵۵ھ) نے بعینہ ان کے اقوال بھی نقل کیے ہیں، اور فلاسفہ کے خیالات ان کے عمومی افکار میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ عموماً ان کے اصول و آراء انہی فلاسفہ سے مستفاد ہیں۔ فلاسفہ سے تاثر ہی کا نتیجہ ہے کہ ان اہلِ بدعت معتزلہ نے تمام شرائع سماویہ میں متفق علیہ اور اہل السنۃ میں متداول اصول ایمان کے بالمقابل اپنے اصول خمسہ وضع کیے، جن پر ان کے دین کی بنیاد ہے۔

1. عدل
2. توحید
3. انفاذ الوعید
4. المنزلۃ بین المنزلتین
5. الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

یہ اصول حق و باطل میں تلبیس ہیں

ان کے یہ اصول اور اصطلاحات تلبیس ابلیس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ انکا حق و باطل میں تلبیس کا طریقہ ہے۔ ان کے الفاظ بہترین اور معانی بدترین ہیں۔

''عدل'' سے ان کی مراد تقدیر الٰہی کا انکار ہے۔

''توحید'' کے پردے میں صفات الٰہیہ بالخصوص کلام ربانی قرآن کریم کے وحی الٰہی

ہونے کا انکار ہے۔

''وعید'' کے عنوان سے وہ اللہ کے اختیار مغفرت کا انکار کرتے ہیں۔

''المنزلة بین المنزلتین'' سے ان کی مراد یہ ہے، کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب مؤمن ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور کفر میں داخل نہیں ہوتا یعنی اہلِ ایمان کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کا طریقہ۔

''امر بالمعروف، نہی عن المنکر'' سے وہ مسلمان حکام کے خلاف بغاوت کا درس دیتے اور امت اسلامیہ میں فساد برپا کرنے کی راہ ہموار کرتے ہیں اور اتحاد امت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں۔

ان اصول بدعت کی تفصیل اور ان کے جواب کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ تفصیل کتب عقائد بالخصوص فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شرح الطحاویہ ابن ابی العز وغیرہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

بدعتی فرقے فلاسفۂ یونان کی الحادی فکر کا تسلسل ہیں

بعثتِ نبوی، ظہورِ اسلام اور نزولِ قرآن کے بعد علومِ نبوت کے مقابلے میں فلاسفہ وملحدین نے اپنی اور اپنے افکار ونظریات کی بقاء کیلئے بڑی جنگ لڑی مگر وہ اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، انہوں نے امت اسلامیہ میں اپنے فکری انحراف کے بیج بوئے، جس نے بدعتی فرقوں کو جنم دیا، انکی علمی وفکری پشت پناہی کی، ان کے ذریعے مسلمانوں کی صفوں میں اپنے فلسفیانہ اور ملحدانہ خیالات نشر کیے۔ انہیں منوانے، اور وحیِ الٰہی کتاب اللہ کی نصوص کو اپنے پسندیدہ معانی میں ڈھالنے کی سرتوڑ کوششیں کیں، اسکے لیے سرکاروں اور درباروں کا سہارا بھی لیا، قدریہ، جبریہ، روافض، جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ فرقوں کے عقائد انہی غیر مسلم فلاسفہ کے نظریات کی صدائے بازگشت تھی جو شعوری یا لاشعوری طور پر انہوں نے اپنا رکھے تھے، معتزلہ نے ان میں سے بالخصوص مسلمانوں کے علمی ودینی حلقوں میں خاصی شہرت حاصل کی، معتزلہ کا ظہور ہی اصلاً یونانی فکر وفلسفہ سے مرعوبیت کی وجہ سے ہوا۔ انہوں نے وحیِ الٰہی کو بعینہ

تسلیم کرنے کی بجائے یونانی افکار کے زیر اثر اسے عقلی زاویے سے جانچنا شروع کر دیا، رفتہ رفتہ وہ اس حد تک عقل پرستی کا شکار ہوئے کہ فلسفیانہ اصول ان کے ہاں مسلمہ حقائق شمار ہونے لگے اور کتاب وسنت کی قطعی نصوص تاویل وتوجیہ کی نذر ہونے لگیں۔اور انہیں اپنے پسندیدہ معانی پہنائے جانے لگے، جس سے شریعت بالخصوص ایمانیات، اور اسماء وصفاتِ الٰہیہ کی من مانی تاویلات بلکہ تحریفات نے مسلمانوں کو ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا، انکے دلوں میں وحیِ الٰہی کی عظمت کم ہو گئی، اور اللہ سے ان کا تعلق کمزور ہوا، اور مسئلہ توحید ایمانیات کی بجائے علم الکلام کا موضوع ٹھہرا۔معتزلہ کو کتاب وسنت میں ہر طرف عقل ونقل کا تعارض نظر آتا تھا، وہ عقل کو نقل پر ترجیح دیتے تھے، اور عقل کی روشنی میں نقل کی تاویل کیے ہی انکی بنتی تھی، ان عقل پرست فرقوں کے علما جو اپنے بارے میں خوش فہمی اور عجب کا شکار تھے، اسلام کے ترجمان اور اس کے دفاع کا اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتے تھے، انہیں اپنے علوم ومعارف اور قوت استدلال پر بے جا اعتماد تھا، انکی خود پسندی کا یہ عالم تھا کہ وہ اہلِ یقین، اصحابِ علم وعرفان اساطین علم محدثین ومفسرین کا مذاق اڑاتے اور ان پر حشویہ وغیرہ کی پھبتیاں کستے تھے، سلف صالحین، صحابہ وتابعین کے ماثور اصول وقواعد کو اسلم اور اپنے درآمدی علوم ومعارف پر مبنی قواعد کو احکم سمجھتے تھے۔جو سلف امت کی گستاخی کا ایک ''خوبصورت طریقہ'' تھا۔

بے ثمر کاوش

یہ لوگ مخالفین کے علمی معرکہ میں انہیں تو قائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے مگر خود ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور وحیِ الٰہی نصوص کتاب وسنت کو اسی انداز میں دیکھنے لگے جیسے دشمنانِ اسلام دیکھتے تھے، مسلمانوں میں صفاتِ الٰہیہ کی تاویل، اور نصوص کتاب وسنت کی من مانی توجیہ بلکہ تحریف اور حدیث وسنت میں کچھ سمجھ نہ آئے تو اس کی صحت پر بلا دلیل حرف گیری اور بلا وجہ انکار، انہی معتزلہ وجہمیہ وغیرہ بدعتی فرقوں کے علما کی باقیات سیئات ہیں جو دراصل یہود ونصاریٰ اور یونانی فلاسفہ وملحدین کے وحیِ الٰہی کے بارے میں طرز فکر کا تسلسل ہے جس کی قرآن کریم نے شدت سے مذمت کی ہے اور انکے دجل وفریب کا پردہ چاک کیا

ہے۔مگر ہمارے جدت پسند اہلِ علم اور مفکرین کے نہاں خانۂ خیال میں ابھی تک انکا سودا سمایا ہوا ہے اور وہ انکی علمی برتری کے قائل اور انکے درآمدی افکار کو مسلمات سمجھتے ہیں اور ان کے خلاف وحیِ الٰہی کے اصل معانی ومفاہیم پر توجہ دینے کو بھی تیار نہیں۔کتاب وسنت کے ماہرین اپنے ائمہ وعلما کو شاید ''دیسی'' سمجھ کر درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے، بلکہ اپنے فکری انحراف کو وہ اپنا سرمایہ افتخار جانتے ہیں، اور اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ جدید ذہن کے شبہات کا ازالہ کر رہے ہیں اور عقلی دلائل سے انہیں اسلام کی صداقت وحقانیت سے آگاہ کر رہے ہیں، اس قسم کی ہر تحریک کی عمر چند سال سے زیادہ نہیں ہوتی، پھر یا تو وہ اپنی طبعی عمر کے بعد صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاتی ہے یا کسی فتنے کو جنم دیکر نیا رنگ اختیار کر لیتی ہے، اور انکی فکری کشمکش ہمیشہ بے نتیجہ ہی رہی ہے۔

کامیابی اہل ایمان کا مقدر ہے

جمہور اہلِ اسلام نے ان فلاسفہ اور انکے خوشہ چین بدعتی فرقوں کی آواز پر کان دھرا اور نہ غیر مسلم حلقوں میں اسلام کے خلاف انکی ریشہ دوانیاں کامیاب ہوسکیں بلکہ دنیا فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئی، وجود باری تعالیٰ کا اقرار توحید باری تعالیٰ کا سچا اور صاف شفاف عقیدہ پورے کرۂ ارض میں دعوتِ تامہ بن کر اذان کی شکل میں گونجنے لگا اور علومِ کتاب وسنت کی مشک بار لہریں اور ایمان ویقین کی بادِ صبا کے جھونکے تا حال اہلِ علم وایمان کے قلوب واذہان کو تازگی بخش رہے ہیں اور ان میں قرب ورضائے الٰہی کے حصول کیلئے روحِ عمل بیدار کر رہے ہیں۔مبنی برحق اسلامی عقائد کے حامل علمائے اسلام، فقہائے دین اور ائمہ کتاب وسنت محدثین کرام کے بالمقابل یونانی فلسفہ دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ گیا۔

﴿كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾﴾

(١٣/ الرعد: ١٧)

''اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے سو جھاگ تو خشک ہو کر زائل

ہو جاتی ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ دیتا ہے، وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔
اللہ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔"

یہ دنیا میں ہمارے سامنے کا معرکہ ہے اور اس میں باطل کی ناکامی اور حق کی کامیابی واضح طور پر نظر آتی ہے اور اہلِ ایمان کا اصل سرمایہ تو اخروی نجات کی مسرت افزا نوید اور جنت خلد اور فردوس بریں کی خوش خبری ہے اور اس پر مستزاد عرش بریں پر مستوی رفیع الدرجات رب کریم و رحیم کا جانفزا نظارہ ہے۔ جو اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ پر ایمان لانے والوں کو نصیب ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

جھٹلانے والے اور انکار کرنے والے اس سے محرومی پر کف افسوس ملیں گے۔ اعاذنا الله منه۔

﴿فَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩٠﴾ فَسَلَٰمٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩١﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُكَذِّبِينَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٩٣﴾ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ ٱلْيَقِينِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾﴾

(٥٦/ الواقعة: ٨٨-٩٦)

"پھر اگر وہ (انسان) قرب الٰہی سے سرفراز ہونے والوں میں سے ہوا، تو (اس کا نصیب) آرام اور خوشبودار پھول اور نعمتوں کے باغ ہونگے، اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں ہوا، تو (اس سے کہا جائیگا) تیرے لیے سلام کہ تو دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے۔ اور اگر وہ جھٹلانے والوں، گمراہوں میں سے ہوا تو (اس کیلئے) کھولتے ہوئے گرم پانی کی ضیافت ہوگی اور جہنم میں داخلہ ہوگا، یقیناً یہ سب حق الیقین ہے سو تم اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح بیان کرتے رہو۔"

اللہ کے وجود کو تسلیم کرنے، اس پر ایمان لانے اور اسکی توحیدِ کامل ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات پر کماحقہ یقین کرنے کا بہترین مآل ہے اور اسی طرح اس کے نازل کردہ دین

پر کاربند رہنے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کا بڑا شاندار انجام ہے۔ مذکورہ آیات میں انہی لوگوں کی اخروی کامیابی کا ذکر ہے۔

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾

(۳/ آل عمران: ۱۰۲)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تمہیں موت صرف اسی حالت میں آئے کہ تم فرماں بردار ہو۔“

﴿ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ (۷/ الأعراف: ۱۲۸)

”اور انجام کار پرہیزگاروں کیلئے ہے۔“

اللّٰهم إنا نسألك الهدى و التقىٰ والعفاف والغنىٰ

توحید خالص اور اس کے دلائل

توحید پر ایمانِ کامل اسی صورت میں ممکن ہے کہ کتاب وسنت میں مذکور اللہ کی الوہیت اور اسماء وصفات پر اسی طرح ایمان لایا جائے جیسے انبیاء کرام اور ان کے متبعین سے ماثور و منقول ہے۔ وہ اللہ کے چیدہ وبرگزیدہ اور ہدایت یافتہ لوگ تھے۔ اللہ نے انہیں دنیا میں اسی مقصد کیلئے مبعوث فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کی ایمان وعمل میں راہنمائی فرمائیں اور ان کو صراطِ مستقیم کی تفصیلات سے آگاہ کریں۔ فرمایا:

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ (٦/ الانعام:٩٠)

''یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت سے نوازا سو تم بھی انہی کے طریقہ کی اقتدا کرو۔''

رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ (٤٢/ الشورى: ٥٢)

''اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کو وحی کیا، (اس سے قبل) آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اسے نور بنایا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، اور آپ ﷺ بھی یقیناً صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔''

اس متفق علیہ عقیدہ توحید اور ایمان باللہ کا بیان بالاختصار درج ذیل ہے۔

① توحید ربوبیت:

اللہ پر ایمان لانا کہ وہی اکیلا رب کائنات ہے، اپنے افعال میں وحدہ لاشریک لہ ہے، یہ اقرار کرنا کہ وہ اکیلا ہی بلاشرکت غیرے ہر چیز کا خالق ومالک ہے، اسی کی تدبیر وتصرف

سے کائنات کا نظام جاری وساری اور قائم ہے، زندگی اور موت وہی دیتا ہے، روزی دینا اور اس میں کمی وبیشی کرنا اسی کے اختیار میں ہے، رسول بھیجنا، ان پر وحی نازل کرنا اور شریعت مقرر کرنا اسی کے ساتھ خاص ہے۔ فرمایا:

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (۷/ الاعراف: ۵۴)

''خبردار پیدا کرنا اسی کیلئے ہے اور حکم دینا بھی، جہانوں کا رب اللہ بابرکت ہے۔''

﴿ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴾ (۲۰/ طٰهٰ: ۵۰)

''(موسیٰ نے) کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکی تخلیق عطا کی پھر اسے ہدایت دی۔''

عقل ونقل اور فطری دلیل

☆ ربوبیت میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار انسانی فطرت کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جس کے انکار کی کبھی کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔ کفار اور ملحدین بھی اس کے اقرار پر مجبور ہوئے ہیں، جن لوگوں نے اللہ کی اس توحید کا انکار کیا ہے ان کے دل بھی اس کا اقرار کرتے تھے، صرف ضد وعناد کی وجہ سے زبانی انکار کرتے تھے۔ فرمایا:

﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴾ (۴۳// الزخرف:۹)

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے کہ انہیں غالب، علم والے (اللہ) نے پیدا کیا ہے۔''

توحیدِ ربوبیت کے دلائل اتنے واضح اور روشن ہیں کہ ان کے انکار کی کسی سلیم الفطرت انسان کے پاس گنجائش ہی نہیں ہے۔

غفلت اور مدہوشی کی وجہ سے انسان اپنی فطرت سے ہی بیگانہ ہو جائے تو وقتی طور پر اس کا ضمیر مردہ اور شعور لاشعور میں تبدیل ہو سکتا ہے

ورنہ انفس وآفاق میں پھیلی ہوئی نشانیاں اسے ایک خالق ومدبر اور مالک وحاکم مطلق کے اقرار پر مجبور کر دیتی ہیں۔

☆ مخلوق کا ہر فرد اپنے خالق کے وجود کی دلیل ہے اور مخلوق کے نظام میں وحدت ویکجہتی اس کے خالق کی وحدانیت کی دلیل ہے، لہٰذا اللہ کی مخلوق کے جتنے افراد ہیں توحید ربوبیت کے اتنے ہی دلائل ہیں، نہ کوئی چیز خود بخود پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ہی کسی نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا ہے، باقی ایک ہی صورت ہے کہ یہ کائنات کسی غالب، حکیم، علیم، قدیر اور مدبر کی تخلیق کا نتیجہ ہے۔

﴿ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَٰلِقُونَ ﴾ (۵۲/ الطور: ۳۵)

"کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں۔"

﴿ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ﴾ (۸۷/ الأعلى: ۲-۳)

"جس نے اسے پیدا کیا پھر اسے برابر کیا، اور جس نے اس کی تقدیر مقرر کی پھر اسے ہدایت دی۔"

☆ یہی وجہ ہے کہ تمام اقوام عالم اللہ کی ربوبیت پر متفق ہیں۔ خالق کائنات کا کلی انکار تو بڑی دور کی بات ہے، دنیا میں کوئی ایسا معقول فرقہ یا مذہب بھی موجود نہیں ہے جو دو برابر معبود اور خالق مانتا ہو، اگرچہ کچھ لوگ انکار کرنے والے ہیں تو دنیا کی اقوام وملل اور ان کے اہل فکر ونظر کے ہاں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ عقیدہ انسان کے عمومی مزاج اور اس کی اصل طبیعت کے منافی ہے۔ مشرکین بھی اپنے باطل معبودوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ ان کے اور معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ اور ذریعۂ تقرب ہیں۔ فرمایا:

﴿ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ﴾ (۳۹/ الزمر: ۳)

"خبردار دین خالص اللہ ہی کیلئے خاص ہے، اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست پکڑے ہیں، (وہ کہتے ہیں) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔"

مذاہب اور تاریخ مذاہب کے علما نے کبھی کسی ایسے فرقے یا مذہب کی نشاندہی نہیں کی جو اللہ کے کسی ایسے شریک کا قائل ہو جو تخلیقِ کائنات میں اس کے برابر ہے یا اس جیسی تمام صفات میں اس کا مثیل ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں اس مسلّمہ حقیقت کی وجہ سے ہی انبیائے کرام نے اپنی امتوں کو یہ کہہ کر مخاطب کیا۔

﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾

(١٤/ ابراهيم: ١٠)

''ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے بارے میں بھی شک ہے جو آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والا ہے۔''

گویا یہ حقیقت شک وشبہ سے بالا اور فریقین کے ہاں متفق علیہ تھی، اگر کسی کو اللہ کے بارے میں شک ہے تو اس کے پاس اس کی معنوی یا حسی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ محض شک کا مرض ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس میں اس کی وحدانیت کے عقلی، فکری، حسی اور واقعاتی بے شمار دلائل ہیں جنکا کبھی کسی سے جواب نہیں بن پڑا اور جس کسی نے اس کی مخالفت کی ہے اس نے بے جا ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے۔ اپنی نالائقی کا ثبوت دیا اور اپنی ہلاکت کا سامان کیا ہے۔ قرآن کریم نے اس کے اتنے دلائل ذکر کیے ہیں جن کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ فرمایا:

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وَلَا نُشُورًا﴾

(٢٥/ الفرقان:٣)

''اور انہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں، جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں اور وہ اپنے لیے نفع ونقصان کے مالک بھی نہیں ہیں اور نہ ہی وہ مرنے اور جینے اور مر کر دوبارہ اٹھنے کے مالک ہیں۔''

فرمایا:

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾

(۳۵/ فاطر : ٤٠)

’’کہہ دیجئے! کیا تم نے اپنے شریکوں کو دیکھا، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کی کونسی چیز پیدا کی ہے، یا آسمانوں میں ان کی شراکت ہے، یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے، تو وہ اس کی دلیل پر بات کرتے ہیں، بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو فریب کا وعدہ دیتے ہیں۔‘‘

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ ﴾

(۳۹/ الزمر : ۳۸)

’’اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے۔‘‘

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ (٤٣/ الزخرف: ۹)

’’اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے انہیں غالب ودانا نے ہی پیدا کیا ہے۔‘‘

اللہ کی بلاشرکت غیرے بادشاہت، اختیارِ کامل اور تدبیر وتصرف کا اعتراف واقرار اور اس کے اسماء وصفات پر غیر مشروط ایمان توحیدِ ربوبیت کا خلاصہ ہے، اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اس کا حکم دیا۔ فرمایا:

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (۳/ آل عمران: ۲٦)

’’کہہ دیجئے! اے اللہ بادشاہت کے مالک، تو جس کو چاہتا ہے، بادشاہی بخشتا

ہے، اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ یقیناً تو ہی ہر چیز پر قدرتِ کامل رکھتا ہے۔"

اللہ کے حضور ہماری التجا ہے کہ اس کی ربوبیت کا اقرار ہمارا وردِ زبان ہو۔

(اللّٰه اللّٰه ربی لا اشرك به شيئاً)

(ابو داود ، برقم ١٥٢٥ ، صحیح الترمذی ٢/ ١٦٨)

"اللہ اللہ ہی میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا۔"

توحید الوہیت

نظامِ کائنات کا خالق و مالک اللہ ہے، اس میں تدبیر وتصرف بھی اسی کا حق ہے، اسی نے اسے پیدا کیا ہے اور وہی اسے قائم رکھے ہوئے ہے، اور بلا شرکتِ غیرے اسے چلا رہا ہے، ان امور کا اقرار اور ان پر ایمان توحیدِ ربوبیت ہے، جو انسان کی فطرت میں داخل ہے، توحیدِ ربوبیت اس امر کی دلیل ہے کہ مخلوق کو حکم دینا، اس سے اطاعت وفرماں برداری کا تقاضا کرنا، اسے اپنی منشا ومراد اور مرضی کے مطابق نظام کا حصہ بن کر رہنے کیلئے کہنا بھی اسی کا حق ہے، مخلوق کا فرض ہے کہ جس نے اس کی تخلیق کی وہ اسی کا حکم بجالائے، فرمایا:

﴿ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾ (۷/ الأعراف: ٥٤)

”خبردار! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) اللہ تمام جہانوں کا رب بڑی برکت والا ہے۔“

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ ﴾ (الفاتحه)

”تمام تعریف اللہ رب العالمین کیلئے ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، روز جزا کا مالک ہے۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔“

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ (۱۲/ یوسف: ٤٠)

”حکم صرف اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی دینِ قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

نبی مکرم ﷺ نے اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ عُفَيْرٌ قَالَ فَقَالَ: ((يَا مُعَاذُ تَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ وَمَا

حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ)) ـ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ ـ قَالَ : ((فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا)). قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ : ((لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا)). (صحيح مسلم، باب من لقی الله بالإيمان ، رقم الحديث: ١٥٣)

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اے معاذ! جانتے ہو اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے۔'' میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایسے شخص کو عذاب نہ کرے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔'' میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دیدوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کو یہ بشارت نہ دو وہ (عمل کی بجائے اسی بشارت پر) بھروسہ کرلیں گے۔''

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ اس سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ ''عبادت ہی اصل توحید ہے۔ کیوں کہ اصل اختلاف عبادت میں ہی ہے۔ دوسرا یہ معلوم ہوا کہ جس نے توحید کا اقرار نہیں کیا اس نے گویا اللہ کی عبادت ہی نہیں کی۔'' (کتاب التوحید، باب اول)

کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کی ان واضح اور صریح نصوص کی روشنی میں عقیدۂ توحید کی تکمیل کیلئے ''الوہیتِ باری تعالیٰ'' کا اقرار اور اپنی کامل عبودیت کا اعتراف ضروری ہے۔ یعنی یہ ایمان لانا کہ

ہر قسم کی عبادت صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کیلئے ہے۔ اس کے علاوہ یا اس کے آگے پیچھے جس کسی کی بھی عبادت کی جاتی ہے اس سے مکمل بیزاری کا اظہار اور کامل لاتعلقی کا اعلان اور یہ ''عبادت'' ایسے تمام ظاہری اور باطنی اقوال وافعال کا ایک جامع نام ہے، جنہیں اللہ

بندوں کی طرف سے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(العبادة اسم جامع لكل ما يحبه الله ويرضاه من الأقوال و الأفعال الظاهرة و الباطنة)

(العبودية وتيسير العزيز الحميد، ص ۳۰۰)

اور یہ کہ عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرنا نواقض توحید میں سے ہے اور ایمان کے بعد کفر ہے۔

توحید الوہیت کے اس صاف شفاف عقیدے کا اظہار ملت ابراہیمی اور دین حنیف ہے۔ فرمایا:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ ﴾

(۶۰/ الممتحنه: ۴)

”یقیناً تمہارے لیے ابراہیم اور ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور ان سے جنکی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہیں۔ ہم نے تمہارا انکار کر دیا ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان اس وقت تک ظاہر و باطن دشمنی رہے گی جب تک تم لوگ اکیلے اللہ پر ایمان نہیں لے آتے۔“

﴿ إِنِّى وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِى فَطَرَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴾ (۶/ الأنعام: ۷۹)

”بے شک میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اسی ذات کیطرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی ”الوہیت“ کے اقرار اور غیر اللہ سے بیزاری کے اظہار کا حکم اپنے حبیب اور خلیل پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو دیا۔ فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۝﴾ (٦/ الانعام:١٦٢۔١٦٣)

''کہہ دیجئے ! بے شک میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں خود سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔''

نیز فرمایا:

﴿قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ۝ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ﴾

(٣٩/ الزمر: ١٤۔١٥)

''کہہ دیجئے ! میں تو صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں۔ اپنے دین کو اس کیلئے خالص کرتے ہوئے، تو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو۔''

توحید الوہیت ہی خواص کی توحید ہے

اس وضوح وبیان کے بعد یہ بات بخوبی سمجھ آجانی چاہیے کہ بعض صوفیا کا توحیدِ ربوبیت کو منتہائے توحید اور توحید خاصۂ خاصاں قرار دینا ان کی کم علمی اور معرفت الٰہی میں کم مائیگی اور علم توحید میں بے بضاعتی کی دلیل ہے اور وہ لوگ منازل سلوک طے کرتے ہوئے عجز ودرماندگی کا شکار ہوئے ہیں اور انہوں نے راستے کو ہی منزل قرار دے لیا ہے، اور منزل تک پہنچنے سے قبل ہی سرراہ پڑاؤ ڈال دیا ہے۔توحید کا کمال اور منتہی یہی توحید الوہیت ہے جس سے بندہ اللہ کی الوہیت ووحدانیت اور اپنی کامل عبودیت وبندگی کا اقرار کرتا ہے اور اس کے مطابق نظامِ الٰہی کا حصہ بن کر زندگی گزارتا ہے اور اگر کسی توحید کو خاصۂ خاصاں کی توحید کہا جاسکتا ہے تو وہ یہی توحیدِ الوہیت ہے توحیدِ ربوبیت اس کی تمہید اور دلیل ہے اور توحیدِ اسماء وصفات کمال الوہیت کا بیان ہے۔اس میں ذرہ بھر خلل ہو اور اس حالت میں موت آجائے تو یہ جرم عند اللہ نا قابل معافی ہے۔العیاذ باللہ۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

مگر المیہ یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم اتنا واضح ہونے کے باوجود جاہل مذہبی پیشواؤں نے ہمیشہ عامۃ الناس کو غلط راستے پر چلانے کیلئے حق وباطل میں التباس سے کام لیا وہ مفہوم جسے ابو جہل، عتبہ وشیبہ جیسے اہلِ جاہلیت نے بسہولت سمجھ لیا تھا اور پھر اسی کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اختلاف کیا اور متعدد جنگیں لڑیں۔وہ چودہ صدیوں میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اور ان کے خود غرض اور مفاد پرست پیشواؤں کی سمجھ میں نہیں آسکا یا سمجھ میں آگیا تو اپنے مفادات ومصالح کی وجہ سے حق گوئی کے فریضے سے انہوں نے غفلت برتی اور دنیائے دُون کے مفاد کی خاطر اخروی زندگی کو داؤ پر لگا دیا۔

توحید الوہیت میں غلطی کے مظان

توحید الوہیت میں غلطی کے تین بڑے مقامات ہیں۔

(ا) لا الہ میں نفی سے منفی عنہ یعنی جس کی نفی کی جارہی ہے وہ کون ہے۔؟ معبودان باطلہ ہیں یا صرف اصلی اور بڑا معبود ہی مراد ہے؟ یعنی بڑا اور اصل معبود اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے، اس تک رسائی کیلئے چھوٹے معبود اس نفی میں داخل نہیں ہیں۔ اس بارے میں کبھی اہل اللہ کا بہانہ بنا کر اور کبھی من دون اللہ کا سہارا لیکر غیر اللہ کی عبادت کا راستہ ہموار کرنے کی سعی نا مشکور کی گئی۔ جسے مسلمانوں میں رواج دینے کی بدترین کوشش کی گئی۔ وہ بھی یہی کہتے تھے۔

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ (۳۹/ الزمر:۳)

”انکی عبادت تو ہم صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔“

(ب) عبادت کی متعدد صورتیں اور انواع ہیں، جس کی جامع تعریف اوپر گزر چکی ہے۔ ان میں سے اکثر انواع واقسام کو عبادت کے دائرے سے نکال کر غیر اللہ کیطرف پھیر دیا گیا۔ جن میں استعانت، استغاثہ، نذر و ذبح، خوف، امید اور دعا وغیرہ متعدد عبادات شامل ہیں۔ حتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کیلئے فرشتوں کے سجدے کو دلیل بنا کر غیر اللہ کیلئے سجدہ کرنے والوں کیلئے بھی نرم گوشہ تلاش کرنے کی بڑی کوشش کی گئی اور کی جارہی ہے۔ اور بلاوجہ اور بلا دلیل اسے متنازعہ فیہ مسئلہ بنایا گیا ہے حالانکہ یہ قصہ نبوت ورسالت کے نظام کے آغاز سے قبل کا ہے۔ بندوں کیلئے ہدایت ربانی کا نزول ہی اس کے بعد ہوا جب آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر تشریف لائے اس وقت اللہ نے فرمایا تھا:

﴿ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ ﴾

(۲۰/ طٰہٰ: ۱۲۳)

”پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے، تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔“

(ج) کلمہ گو مشرکین یعنی ایسے لوگ جنہوں نے ایک بار کلمہ اخلاص ”لا الہ الا اللہ“ پڑھا مگر

پھر اس کے منافی امور میں مبتلا ہوئے اور شرک صریح کا ارتکاب کیا، انہیں مشرکین کی فہرست سے نکالنے اور انکا جرم معمولی قرار دینے کی کوشش کی گئی، حتی کہ بعض جاہل مذہبی پیشواؤں کی طرف سے یہ اظہار بھی کیا گیا کہ امتِ محمدیہ شرک میں مبتلا ہی نہیں ہوسکتی۔ اور کچھ حلقوں سے مخصوص مفادات کے تحت یہ اشاعت بھی کی گئی کہ یہود و نصاریٰ کو بھی مشرکین نہیں کہا جاسکتا۔

فلا حول ولا قوة إلا باللہ

ان حالات میں توحیدِ الوہیت کے واضح اور صاف شفاف عقیدے کی حفاظت اور اس کے ساتھ تمسک اور اس کی بعینہ وحیِ الٰہی کے مطابق نشر و اشاعت اور انبیائے کرام اور سلف امت کے طریقے پر خود اس پر قائم رہنا اور امت کو قائم رکھنے کیلئے مسلسل محنت کرنا فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ اہل الحدیث کا کتنا بڑا کارنامہ ہے۔ معرفتِ الٰہی کی حقیقی منزلیں انہوں نے ہی طے کی ہیں اور خاصۂ خاصان کی توحید کو کما حقہ اختیار کرنے کا اعزاز بھی صرف انہیں کو حاصل ہوا ہے۔ اس لئے کہ معرفت حق خاصۂ خاصاں کا ہی نصیب ہے اور یہ سعادت کتاب وسنت کی تعلیم اور ہدی الانبیا کی پیروی کے بغیر میسر نہیں آسکتی۔ فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾

(۲/ البقرة:۲۵۷)

”اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾

(۱۴/ ابراھیم: ۱)

”یہ کتاب ہے ہم نے اس کو تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تو لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے۔“

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾

﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا

يُشْرِكُوْنَ﴾ (۲۷/ النمل: ۵۹)

توحید اسماء وصفات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں پر فضل واحسان کیا اور انہیں اپنے بہترین، کامل ترین اوصاف کا خوبصورت ترین الفاظ کے ساتھ تعارف کرایا اور اپنے ایسے اوصاف بیان فرمائے جیسے اس کی عظمت وجلال کے شایانِ شان اور لائق ہیں، اللہ نے اپنا یہ تعارف اپنی مقدس اور تا قیامت محفوظ کتاب قرآن کریم فرقان حمید اور پیغمبر آخر الزماں اپنے خلیل وحبیب حضرت محمد ﷺ کی زبان مبارک پر سنتِ مطہرہ کے ذریعے کرایا، تاکہ اس کی مخلوق اس کی معرفت سے سرفراز ہو کر اس کی الوہیت کا حق ادا کر سکے اور اس کے بدلے میں اپنا حقِ مغفرت حاصل کر سکے، اللہ کی صفات ان گنت اور بے شمار ہیں، اس نے جس قدر چاہا ان میں سے اس کا ذکر فرمایا مثلاً علم، حیات، قدرت، ارادہ، رأفت ورحمت، سمع وبصر، کلام، محبت، غضب، بغض، عظمت، علو، استواء علی العرش، اتیان، مجئی، آسمانِ دنیا کی طرف نزول، رضیٰ، سخط، کراہیت، قوت، قدرت، عزت ومغفرت، فرح، ضحک، عجب، معیت، صوت، اور وجہ، قدم، ساق، عین، قدم، رجل وغیرھا۔

ایسے ہی ان صفات عالیہ سے مشتق جن اسماءِ حسنیٰ کا ذکر اس نے چاہا اپنی کتاب قرآن مجید میں کیا اور اس کے نبی نے اپنی سنت وحدیث میں کیا۔

جیسے سورۃ الفاتحہ، آیۃ الکرسی، اور سورۃ الحشر کے آخر میں اللہ کے متعدد اسمائے حسنیٰ کا ذکر آیا ہے۔

سلف امت یعنی صحابہ وتابعین جو اس امت کے کتاب وسنت کے سب سے بڑے اور گہرے عالم تھے، اور رب العالمین کی معرفت میں رسوخ واتقان سے سرفراز تھے، اسماء وصفات الٰہیہ پر ایمان لانے میں ان کا عقیدہ یہ تھا، کہ ان اسماء وصفات میں سے جو مجمل ذکر ہوئے ہیں ان پر اجمالاً ایمان اور جو مفصل ذکر ہوئے ہیں ان پر بالتفصیل ایمان لانا فرض ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے اسماء وصفات پر ایمان کے درج ذیل بنیادی قواعد بیان

کیے ہیں۔

① جو کچھ اللہ نے اپنے بارے میں اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، یا اس کے رسول محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان کیا ہے، اس پر بغیر تحریف، بغیر تعطیل، بغیر تکییف اور بغیر تمثیل کے ایمان لانا۔

② اس طرح ایمان لانا کہ تمثیل کی نفی ہو جائے اور صفات کا اثبات ہو جائے۔ فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (٤٢/ الشوری:١١)

''اس کی مثل کوئی شے نہیں ہے اور وہ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔''

③ سلف ان اوصاف کی نفی نہیں کرتے جن سے اللہ نے اپنا وصف بیان کیا۔

④ نہ ہی ان کلمات میں تحریف کرتے ہیں، یعنی جن معانی پر وہ الفاظ دلالت کرتے ہیں ان کی بجائے ان سے کوئی دوسرے معانی مراد نہیں لیتے۔

⑤ ان اسماء وصفات میں الحاد بھی نہیں کرتے۔

⑥ اللہ کی صفات کو اس کی مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ بھی نہیں دیتے، چونکہ نہ اس کا کوئی ہم نام ہے اور نہ ہمسر نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اسے اس کی مخلوق پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اپنی ذات کو سب سے بہتر وہ خود جانتا ہے۔ سب سے سچی بات بھی اسی کی ہے، سب سے خوبصورت اسلوب بیان بھی اسی کا ہے، تو اس سے بہتر اس کا وصف کون بیان کر سکتا ہے؟

⑦ پھر اس کے رسول سب سے سچے ہیں، اللہ نے بھی ان کی تصدیق فرمائی ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جنکا انہیں علم ہی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا:

﴿ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ﴾ (٣٧/ الصافات: ١٨٠-١٨٢)

''تیرا رب، عزت کا مالک اس سے پاک ہے جو لوگ اسکا وصف بیان کرتے ہیں، اور رسولوں پر سلام ہو، اور تمام تعریف اللہ رب العالمین کیلئے خاص ہے۔''

اس میں اللہ نے اپنے آپ کو ان اوصاف سے پاک قرار دیا ہے جو رسولوں کے مخالفین بیان کرتے ہیں اور رسولوں کے طریقے کو سلامتی کا راستہ قرار دیا کیونکہ اس باب میں ان کے ارشادات ہر نقص وعیب سے مبرا تھے۔یعنی ان آیاتِ کریمہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے نقائص کی نفی کی ہے وہیں اپنے لیے اوصافِ کمال کا اثبات بھی فرمایا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کیلئے اس (وحیٔ الٰہی) پر ایمان کے بغیر کوئی راستہ نہیں جو اللہ کے رسول لے کر آئے۔

یہی صراطِ مستقیم ہے، یہی ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کا راستہ۔ (العقیدۃ الواسطیۃ ، فصل اول)

نفی واثبات میں سلف صالحین کا طریقہ

صحابہ وتابعین اور سلف صالحین ائمہ ھدیٰ اسی عقیدے پر کاربند رہے، اسماء وصفات سے متعلق ان کے مابین کسی مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ تھا، ان میں اس موضوع پر کامل اتفاق اور یکجہتی پائی جاتی تھی، ان میں کسی نے تاویل کی اور نہ تحریف۔ وہ اللہ کے اسماء وصفات کو توقیفی سمجھتے تھے، یعنی شریعت کی اجازت کے بغیر کسی لفظ کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق نہیں کرتے تھے۔

نفی اور اثبات دونوں میں شریعت کی مکمل پابندی کرتے تھے۔اللہ کے کسی نام اور اس کی کسی صفت میں اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اگر کسی لفظ کا اطلاق اللہ پر ہوا ہو اور اسی لفظ کا اطلاق اس کی مخلوق میں سے کسی پر ہوا ہو تو وہ لفظی اشتراک ہوگا مسمیٰ میں قطعاً کوئی اشتراک نہیں ہے۔ جیسے اس کی ذات عدیم المثال ہے ویسے ہی اس کی صفات بھی عدیم النظیر ہیں، اسکی مثال اس کی مخلوق کے ساتھ نہ اس کی ذات میں دی جاسکتی ہے اور نہ اس کی صفات میں۔سلف صالحین میں سے کبھی کسی نے یہ بھی نہیں کہا کہ ہمیں ان الفاظ کے معانی نہیں آتے، یا ان کے معانی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر یہ عقیدہ (یعنی تفویض) درست ہو تو اثبات صفات کا پھر کیا مطلب رہ جاتا ہے۔ وہ صرف ان صفات کی کنہ اور کیفیت بیان

کرنے کے بارے میں تفویض سے کام لیتے تھے، یعنی ان الفاظ کے ظاہری معانی سے تجاوز کر کے ان کی کیفیت کی بحث میں نہیں پڑتے تھے۔ادب وآدابِ دربارِالٰہی کا یہی تقاضا ہے۔

یہ بات سمجھ سے بالاتر اور عقل وفہم کے منافی ہے کہ اس کے ان مبارک ناموں کا کوئی مفہوم ومعنیٰ ہی نہ ہو۔ یا جو سمجھ میں آ رہا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنیٰ ہو جس کی تعیین ہم نے خود سے بغیر دلیل کے تحریف وتاویل سے کرنا ہو۔

یا ان کے کوئی معانی تو ہوں مگر ہم ان کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ان صورتوں میں ہم ان کے ذریعے اللہ کی عظمت وجلال اور کبریائی کے بارے میں کیا یقین رکھیں گے۔اور ان کے ساتھ اس کی کیا عبادت کریں گے جس پر اتنے اجر عظیم کی نوید سنائی گئی ہے۔

اگر قرآن کریم میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا معنیٰ ومفہوم سمجھا نہیں جا سکتا تو قرآن میں فکر وتدبر کے حکم کا کیا مطلب ہے؟ اور نبی ﷺ نے قرآن کریم کے بلاغ مبین کی ذمہ داری کیسے ادا کی؟ البتہ متشابہات جن کے درپے ہونا روا نہیں ان کا بیان کر دیا گیا ہے۔

صحابہ وتابعین کے اس علمی منہج اور طرز فکر وعمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ذہانت وفطانت اور علم ونظر کی پختگی میں فلاسفۂ یونان اور اہلِ بدعت کے اساطین علم سے بہت اعلیٰ وبالا تھے۔انہیں خوب سمجھ آ گئی تھی کہ صفات باری تعالیٰ کا تعلق غیبی امور سے ہے عقل یا عقلی علوم کے ذریعے ان کی کنہ کا ادراک ممکن نہیں ہے۔اور بلا دلیل ان کی تاویل یا ان کے واضح معانی کے انکار کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے۔اس کے فہم سے عجز کا اظہار بھی کفرانِ نعمت ہے۔

سلف صالحین سے ماثور ومنقول اس عقیدے کے چار بنیادی اصول

① ہر صفت الٰہی مجمل یا مفصل جس طرح نصوص کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہے اسی طرح اس کے مفصل یا مجمل ہونے پر ایمان لانا اور اسے ثابت ماننا۔اس سے قرآن کریم کی درج ذیل آیات پر عمل ہوتا ہے۔فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ (۷/ الأعراف:۱۸۰)

''اور اللہ کیلئے اسماء حسنٰی ہیں سوا سے ان کے ساتھ پکارو۔''

﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾

(۱۷/ الاسراء:۱۱۰)

''کہہ دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔''

﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ﴾ (۲۵/ الفرقان:۵۸)

''اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں آئیگی۔''

اور اسی معنی کی دیگر متعدد آیات۔

② اللہ کی تنزیہ و تقدیس اور تسبیح یعنی پاکی بیان کرنا، اس کی صفات کی کیفیت بیان کرنے اور کسی سے تشبیہ دینے سے مکمل احتراز کرنا۔ اس عقیدے سے اللہ کے ان فرامین پر عمل ہو جاتا ہے۔

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ (۴۲/ الشوری:۱۱)

''اس کی مثل کوئی شے نہیں ہے اور وہ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔''

﴿ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ (۳۷/ الصافات:۱۸۰)

''تیرا رب عزت کا مالک اس سے پاک ہے جو وہ اس کا وصف بیان کرتے ہیں۔''

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ (۱۷/ الاسراء:۳۶)

''جس کا تجھے علم نہیں اس کے درپے نہ ہو۔''

③ صفات باری تعالیٰ کی ایسی تاویل سے اجتناب جس کا نتیجہ تعطیل ہو۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے۔

﴿ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

(۷/ الأعراف:۱۸۰)

''اوران لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں۔''

④ اللہ کے اسماء وصفات کے ذریعے اس کی ذات کے بارے میں علم ومعرفت حاصل کرنا۔اس سے اللہ کے اس فرمان پر عمل ہوتا ہے۔

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴾

(۳۸/ ص:۲۹)

''یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غوروفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

(العقيده السلفيه فى كلام رب البريه ، ابن الجديع)

استواء علی العرش کی کیفیت کے بارے میں امام مالک سے سوال کیا گیا تو انہوں نے مشہور زمانہ جواب دیا۔

(الاستواء معلوم ، والكيف مجهول ، و السوال عنه بدعة)

(سير اعلام النبلاء ۸/ ۱۰۰)

''استواء کا معنی معلوم ہے،اور اس کی کیفیت نامعلوم ہے،اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔''

اس سے بھی اِنہیں امور کا ثبوت ملتا ہے:

① لغت عرب میں صفات کے معانی معلوم ہیں۔

② اللہ کی صفات کی کیفیت بندوں کیلئے مجہول ہے۔

③ کیفیت نہ معلوم ہونے کے باوجود صفات اوران کے معانی کے علم پر جیسے وہ وارد ہوئی ہیں ایمان لانا واجب ہے۔صفات پر ایمان ذات پر ایمان میں داخل ہے۔

④ صفاتِ باری تعالٰی کے بارے میں سوالات کے ذریعے کتاب وسنت میں وارد الفاظ میں کمی وبیشی اور بے جا غوروخوض بدعت ہے۔سلف سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔یہ اللہ کے بارے میں بغیر علم بات کرنے کے مترادف ہے،جو گستاخی ہے۔

امام مالک کا یہ قول ہمیشہ سے ائمہ اسلام کے ہاں تمام صفاتِ الٰہیہ کے متعلق عقیدے کے اصول کے طور پر ذکر ہوتا رہا ہے۔یعنی اللہ کی معرفت کے بارے میں یہی عقیدہ رکھا جائیگا کہ اس کا معنی معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے اور اس پر اپنے علم کے مطابق ایمان لانا واجب ہے۔ (المرجع السابق)

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

أن رسول الله ﷺ قال: **((إن لله تسعة و تسعين اسما مائة إلا واحدا، من احصاها دخل الجنة)).**

(بخاری برقم ۳۹۲، مسلم برقم ٦٢٧٧)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ کے ننانویں نام ہیں یعنی ایک کم سو، جس نے انہیں یاد کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

توحیدِ اسماء وصفات پر تفصیلی گفتگو یا اس کے دلائل ذکر کرنے کی ضرورت ہم نے اس لیے محسوس نہیں کی کہ زیرِ نظر کتاب کا یہی موضوع ہے۔اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ جمع کر دیا ہے اس پر اضافہ کی گنجائش ہی کہاں ہے۔امام صاحب نے تقریباً ایک سو کے قریب قرآنی آیات مع احادیث وآثار ذکر کی ہیں اور ان سے استدلال اور ان کی تفہیم کیلئے اٹھاون ابواب قائم فرمائے ہیں۔

اس کی تفصیل مترجم وشارح حفظہ اللہ نے اپنے مقدمہ میں بیان کر دی ہے۔

توحید الاسماء والصفات توحید ربوبیت کا حصہ ہے

سلف امت عموماً توحید کی دو قسمیں ہی ذکر کرتے تھے۔

(ا) توحید ربوبیت یا توحید علم ومعرفت

(ب) توحید الوہیت یا توحید طلب وقصد

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفات عالیہ جیسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں وارد ہوئے ہیں بعینہٖ اسی طرح ان پر ایمان لانا اور انہیں تسلیم کرنا، توحیدِ ربوبیت یا توحیدِ علم ومعرفت کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔پھر جب اہلِ کلام اور اہلِ بدعت نے ان اسماء وصفات میں

تاویل وتحریف کے ذریعے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور اس موضوع پر تفصیل سے بحثیں ہونے لگیں تو اس موضوع نے علم توحید میں ایک مستقل قسم کی حیثیت اختیار کر لی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مسئلہ صفات ان مسائل میں شمار ہوتا ہے جن کے بارے میں اصول اعتقاد میں سب سے زیادہ کلام کیا گیا ہے۔ اور تفصیلی بحثیں ہوئی ہیں، جیسے عامۃ الناس اور اقوام وملل کے مابین سب سے بڑھ کر تنازع اور اختلاف الوہیتِ باری تعالیٰ میں ہوا ہے، ویسے ہی اہلِ علم ومعرفت فلاسفہ ومتکلمین اور علمائے اہل السنۃ والحدیث کے مابین سب سے زیادہ بحثیں اور اختلافات مسئلہ صفات میں ہوئے ہیں۔ خصوصاً فلاسفہ ومتکلمین اور ان کے پیروکار اہلِ بدعت کے اقوال اس مسئلہ پر بڑے منتشر اور مضطرب اور پراگندہ ہیں، اور ایمانیات کے باب میں ان کے سطحی علم اور غیر واضح فکر وتصور اور فہم وبصیرت سے عاری ناپختہ ذہنیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگوں نے

(ا) اسماء وصفات دونوں کی نفی کی ہے۔ یعنی انکے نزدیک نہ اللہ کا کوئی بامعنی نام ہے اور نہ اس کی کوئی صفت ہے۔ اسماء وصفات کیلئے کتاب وسنت میں جو الفاظ پائے جاتے ہیں ان کے نزدیک ان کے معانی وہ نہیں ہیں جو بظاہر لغت عرب کی رو سے سمجھ آتے ہیں۔

(ب) اور کچھ لوگوں نے فی الجملہ اسمائے الٰہیہ کا اقرار کیا ہے۔ اور صفاتِ الٰہیہ کا انکار کیا ہے۔ ان کے مطابق اسماء چونکہ قدیم ہیں اس لیے قابل قبول ہیں اور صفات میں چونکہ حدوث وتجدّد ہے اور حدوث وتجدّد تغیر پر دلالت کرتے ہیں اس لیئے یہ ذات باری تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔

(ج) ایک گروہ نے اسماء وصفات دونوں کا اقرار تو کیا ہے۔ مگر ان کے ایک حصے کو رد کیا ہے یا اس کی من مانی تاویل کر کے اس کے ظاہری معنیٰ کا انکار کیا ہے۔

وحی الٰہی پر عدم اعتماد سے شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں

کتاب وسنت پر کلی اعتماد نہ کرنے کی وجہ سے ان میں سے کوئی گروہ بھی اس مسئلہ میں حقیقت تک رسائی حاصل نہ کر سکا اور معرفتِ الٰہی کی حقیقی لذت سے آشنا نہ ہو سکا اور نتیجتاً

عظمت وجلال باری تعالیٰ پر ایمان سے محروم رہا اور بارگاہِ الٰہی میں کما حقہ آداب بجا نہیں لا سکا، ایمان ویقین چونکہ علم ومعرفت کی فرع ہیں، جب علم ومعرفت میں خلل ہوگا تو یقین وایمان کی دولت کیونکر ہاتھ آئے گی۔ توحیدِ الوہیت جو انسان کا مقصد تخلیق ہے، اس کی بنیاد توحید ربوبیت اور توحید علم ومعرفت پر ہے۔ اس میں خلل ہوگا تو توحیدِ الوہیت میں خلل واقع ہوگا، سو ایسا ہی ہوا، وہ عظیم مقصد جس کیلئے اللہ نے مخلوق پیدا کی، جنت وجہنم بنائے، آدم علیہ السلام سے لیکر محمد ﷺ تک تمام انبیا کو جس کی دعوت کیلئے مبعوث فرمایا، قیامت کے دن میزان عدل قائم کرے گا، لوگوں کی سعادت وبدبختی کا معیار ٹھہرایا، اس پر یقین، اس کے اقرار اور اس پر عمل کے بغیر ایمان کو ناقابل قبول قرار دیا۔ تمام آسمانی کتابوں میں بالخصوص قرآن حکیم میں اس کیلئے عقلی ونقلی واضح دلائل وبراہین قائم کیے اس عظیم الشان مسئلے کی طرف ان متکلمین وفلاسفہ کی توجہ ہی مبذول نہ ہوسکی۔ وہ صرف مسئلہ صفات کے کلامی مباحث میں ہی الجھ کر رہ گئے، اور اپنی ساری صلاحیتیں اسی میں صرف کر دی، اور کسی حتمی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے اور عمر بھر شکوک وشبہات میں ہی سرگرداں رہے۔ اور ان کو ایمانیات اور توحید کے باب میں سکون و اطمینان کی لذت نصیب ہی نہ ہوسکی۔

اہلِ ایمان کو اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں حکم دیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِيٓ أَسْمَآئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ﴾

(۷/ الاعراف: ۱۸۰)

''اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں۔''

جن لوگوں نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور وہ ان ملحدین کے علوم ومعارف کے حصول میں مشغول ہوئے، اسلام کے ساتھ گہرے تعلق اور علوم اسلامیہ کے ساتھ وابستگی کے باوجود ان کے دھوکے میں آئے اور ایمانیات میں صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہ سکے۔ اور کتاب وسنت اور فہم سلف وصالحین کے سرچشمہ مصفیٰ سے سیراب ہونے کی بجائے یونانی علوم وفنون اور افکار واوہام کے صدیوں قدیم جوہڑ سے اپنی تشنہ کامی کا مداوا کرتے پائے گئے۔ جس سے انہوں نے اپنا علمی وعملی نقصان بھی کیا اور امت مسلمہ کو جادۂ حق سے ہٹانے کی غلطی کا ارتکاب

بھی۔ان میں سے کتنے ہی ایسے ہیں جو بدعتی فرقوں کو گمراہ سمجھنے اور قرار دینے کے باوجود ان کے بدعتی اور فلسفیانہ افکار وخیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔الا من رحم اللہ۔

حق اور باطل دونوں واضح ہیں

ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات ہر نوع کی توحید میں اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔

پورے قرآن کریم میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں ملتا جس میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی تشبیہ یا شرکت کا ادنی سا شبہ بھی پڑتا ہو۔اللہ نے اپنے نبیوں اور رسولوں پر وحی نازل ہی اس لیے فرمائی ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو کفر وضلالت اور شرک کے اندھیروں سے نکال کر نورِ توحید سے نوازنا چاہتا ہے۔اور اپنے نبیوں کے ذریعے ان پر جادۂ حق واضح کرنا چاہتا ہے، جو اس نے کر دیا ہے۔اس کے بعد حق وباطل میں التباس اور شکوک وشبہات پیدا ہونے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۲۵۶)

”دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔سو جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایسی مضبوط رسی کو تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں، اور اللہ (سب کچھ) سنتا، (سب کچھ) جانتا ہے۔“

لیکن یہ تو دین وتوحید کی ذاتی حیثیت، داخلی کیفیت اور مقام ومرتبہ ہے، مگر لوگوں کے پراگندہ ذہنوں میں جو خوامخواہ شبہات جنم لیتے ہیں اور فطرتِ سلیم کو ماحول کی کثافتوں اور دسیسہ کاریوں سے محفوظ نہ رکھنے کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں اس سے دین وشریعت اور وحیٔ الٰہی پر تو حرف نہیں آتا۔یہودیوں نے تو اس حقیقت کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۸۸)

”اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔“

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

یہی صورتحال یہاں ہے مسئلہ صفات میں جو بھی شکوک وشبہات پیدا ہوئے اور حق وباطل میں التباس ہوا اس کی وجہ طبائع سلیمہ پر خارجی اثرات ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اکثر لوگوں نے ان حضرات سے دھوکہ کھایا، جو اپنی نسبت معرفت الٰہی اور توحید کی طرف کرتے تھے۔ اسلام اور توحید کے دفاع کے حوالے سے ان کی شہرت تھی، طرق تصوف میں وہ سلف صالحین میں سے قابل احترام شخصیات کی اتباع کا دم بھرتے تھے، جیسے فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادہم، تستری، جنید بغدادی اور سہل بن عبداللہ وغیرہ صوفیا ہیں۔ امت کے عام اہلِ علم نے ان کے اس ظاہری حال وقال سے دھوکہ کھایا اور باطنی حقیقت کو جاننے میں ناکام رہے۔ حالانکہ یہ حضرات ان عظیم شخصیات کے بدترین مخالف ہیں بلکہ ان کے بھی جو سلف صالحین سے افضل واعلیٰ ہیں۔ ان کی مخالفت سے تو السابقون الاولون اور انبیا ورسل بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ زنادقہ وملحدین اور روافض وشیعہ چونکہ کھلے بندوں شریعت کے مخالف تھے اور اصحابِ رسول اور خلفائے ثلاثہ کی گستاخی کے مرتکب ہیں اس لیے وہ التباس کا باعث نہیں بنے بلکہ لوگ ان سے خود بخود متنفر ہو گئے'' (النبوات: ٦٨)

اس لیے ہم ذیل میں صرف ان گروہوں کا تعارف کرا رہے ہیں جنکی تلبیس کسی حد تک کامیاب ہوئی اور وہ حق وباطل میں عملاً التباس کا باعث بنے اور امت کے متعدد طبقات ان سے ان کی ظاہری حالت کی وجہ سے متاثر ہوئے۔

مسئلہ توحید اور تاویل صفات کے متعلق حق و باطل میں التباس کے اسباب

① ’’فلاسفہ اسلام‘‘ اور فلسفہ

فلسفہ کیا ہے؟ اور فلاسفہ کون ہیں؟

الفلسفة: الحكمة وهي كلمة أعجمية (لسان العرب ١١/ ١٨٠)

فلسفہ حکمت کو کہتے ہیں اور یہ عجمی لفظ ہے۔

’’فیلسوف‘‘ یونانی زبان کا لفظ ہے۔ فیلا اور سوفا دو کلموں سے مرکب ہے۔ ان کے ہاں فیلا کا معنی محبّ ہے۔ اور سوفا حکمت کو کہتے ہیں۔ فلسفہ حکمت کی محبت کا نام ہے۔

(الملل والنحل للشهرستاني ٣/ ٦٢)

فلاسفہ فیلسوف کی جمع ہے اس سے مراد علمائے فلسفہ ہیں۔

افلاطون اور ارسطاطالیس (ارسطو) یونانی فلسفے کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے افکار کو یونانیوں کے ہاں انبیا (علیہم السلام) کے علوم و معارف پر فوقیت حاصل تھی۔ اور فلسفی کو نبی سے افضل اور اعلیٰ سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے ان (فلاسفۂ یونان) کے افکار کو نقل اور نشر کیا وہ فلاسفۂ اسلام کہلاتے ہیں۔ ان حضرات کے ہاں بھی اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

انبیا (علیہم السلام) کے بارے میں بعض فلاسفہ کہتے ہیں۔

”(النبي) ما كان يعلم الحق كما يعلمه نظار الفلاسفة وامثالهم وهؤلآء يفضلون الفليسوف الكامل على النبي .... كما يفضل الفارابي ومبشر بن فاتك وغيرهما الفيلسوف على النبي (درء تعارض العقل والنقل ١/ ٩-١٠)

’’یعنی ... نقل کفر کفر نباشد ... نبی کو حق کا ویسا علم نہیں ہوتا جیسا دقیق النظر فلسفیوں اور ان جیسے افراد کو ہوتا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک کامل فلسفی نبی پر

فضیلت رکھتا ہے۔..... چنانچہ فارابی اور مبشر بن فاتک فلسفی کو نبی سے افضل قرار دیتے ہیں۔"

اور بعض کا خیال ہے کہ:

"ان النبی افضل من الفیلسوف لأنه علم ما علمه الفیلسوف وزیادة وامکنه ان یخاطب الجمهور بطریقة یعجز عن مثلها الفیلسوف وابن سینا وأمثاله من هو لاء" (أیضا)

"نبی فلسفی پر فوقیت رکھتا ہے اس لئے کہ اسے فلسفی کی جملہ معلومات کا علم ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر کچھ اور چیزوں کا بھی۔ مزید برآں وہ عام لوگوں کو ایسے طریقے سے مخاطب کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہوتا ہے جو فلسفی کے بس کی بات نہیں۔ ابن سینا اور اس جیسے لوگ اسی مکتب فکر کے حامل ہیں۔"

فلاسفۂ یونان کی اس پراگندہ ذہنیت اور فکری انتشار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وجود باری تعالیٰ اور توحیدِ الٰہی کے بارے میں التباس کی ایک بڑی وجہ ان حضرات کے یہ افکار و خیالات بھی ہیں جو عباسی عہد حکومت میں ایک علمی تحریک کی صورت میں عالمِ اسلام میں داخل ہوئے اور پھر اسلام کے نام پر نشر ہوئے۔ ایک مخصوص علمی حلقے میں انہیں پذیرائی بھی حاصل ہوئی، اسے بڑا علمی سرمایہ سمجھا گیا۔ اس کے دقیق اور مشکل اسلوب کو سمجھنا عام اہلِ علم کے بس میں نہ تھا۔ ان کی ذو معنی اصطلاحات اور یونانی فلسفے سے ماخوذ تعبیرات سے علمی حلقوں میں ان کے بارے میں مرعوبیّت بھی پیدا ہوئی۔

"الٰہیات" کے مسائل کو فلسفہ وحکمت کی روشنی میں ثابت کرنا بظاہر ایک ایسا خوبصورت مقصد تھا۔ جسے سادہ لوح مسلمانوں نے استحسان کی نظر سے اور ان فلاسفہ کو احترام کی نظر سے دیکھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ انہیں اس "روشن خیالی کی بدولت" سرکاری سرپرستی بھی میسر آ گئی۔ اس طرح یہ ایک بڑا فتنہ ثابت ہوا جس نے امت کو بڑے فکری انتشار میں مبتلا کیا، اور اسے کتاب وسنت کے خالص علوم سے دور کیا اور فلاسفہ اسلام کے عقلی علوم حق و باطل میں التباس کا باعث بن گئے۔

کندی فارابی، ابن سینا، ابوالبرکات بغدادی، ابن ماجہ، ابن طفیل اور ابن رشد وغیرہم اس علمی اور فلسفیانہ تحریک کے علمبردار تھے جن کو تا حال مسلمان اپنا سرمایہ افتخار سمجھتے اور ان کے علوم پر فخر کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقتاً یہ لوگ یونانی بت پرست فلاسفہ کے علوم کے وارث اور ناشر تھے۔ خود انہوں نے فلاسفہ یونان سے دھوکہ کھایا، اور مسلمانوں کو بھی فتنے میں مبتلا کیا۔ اور حکومتی طاقت کے بل بوتے پر اہلِ علم و ایمان اور علما کتاب و سنت کے لیے بڑی آزمائش کا باعث بنے۔

ان فلاسفہ و مفکرین کی محنت قابل قدر اور حالت قابل رحم ہے۔ نیتوں کا حال اللہ کو معلوم ہے مگر ان کی علمی مشق بڑی بے جا اور بے ضرورت تھی۔ عقلی دلائل کی روشنی میں وجود باری تعالیٰ اور توحیدِ الٰہی پر غور و فکر اور یقین، انسان کو سکون اور اطمینان فراہم کرتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی بتکرار دعوت دی ہے مگر وجود باری تعالیٰ کا عقلی دلائل سے اثبات؟ یہ اہلِ ایمان کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اس کیلئے جو کچھ بتا دیا ہے وہ حرف آخر ہے۔ اور اہلِ ایمان کی ذمہ داری صرف ابلاغ و تبلیغ اور بیان و توضیح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہی حکم ہے۔ فرمایا:

﴿ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَٰغُ ﴾ (٤٢/ الشورى : ٤٨)

''تمہارے ذمہ صرف پہنچانا ہے۔''

یہ فلاسفہ جو دین اور فلسفہ اور وحی و عقل میں تطبیق دینے اور موافقت پیدا کرنے چلے تھے ان کی اپنے مقصد میں ناکامی اور یونانی علوم و معارف کے مقابلے میں پسپائی کا اندازہ ان اصولوں سے لگایا جا سکتا ہے جن کی روشنی میں وہ وحی و فلسفہ کے درمیان تطبیق کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ فلسفہ یونان کے سامنے کس طرح سپر انداز تھے اور وحی الٰہی پر یقین سے محرومی اور عدم اعتماد کا شکار تھے۔

تطبیق کے فلاسفہ کے ہاں دو طریقے ہیں، اور دونوں محل نظر ہیں

یہ لوگ دین وفلسفہ کے مابین تقریب وتوفیق کیلئے عموماً دو طریقے اختیار کرتے ہیں اور دونوں ہی محل نظر اور قابل اعتراض ہیں۔

① دینی نصوص اور شرعی حقائق کی اس طریقے سے تاویل کہ وہ فلسفیانہ آرا کے مطابق نظر آئیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فلسفہ کو بالا دستی حاصل ہے اور نصوص کتاب وسنت کو توڑ مروڑ کر اس کے مطابق کر دیا جائے تاکہ وحی کے ''خلافِ عقل'' ہونے کی وجہ سے مسلم فلاسفہ کو یونانی فلاسفہ کے ہاں کسی خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ بدترین مرعوبیت اور معذرت خواہانہ طرز عمل ہے۔ یہ بالکل وہی طرز عمل ہے جو عصر حاضر میں ہمارے جدت پسند دانشوروں نے یہودی فکر کے حامل مستشرقین کے مقابلے میں اپنا رکھا ہے۔ اور اپنے دین پر عدم اعتماد اور ائمہ ہدیٰ کی مساعی جمیلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے مغربی علما کی بحث وتحقیق کو حرف آخر سمجھا ہوا ہے۔

② دینی نصوص اور شرعی حقائق کی شرح وتفسیر فلسفیانہ آرا ونظریات کے ساتھ کی جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فلسفہ، دین اور دینی نصوص کی تفسیر میں حَکم اور قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ طریقہ پہلے سے بھی بدترین ہے مگر یہ بہت عام اور متعارف ہے۔ تفسیر بالرائی کی اصل بنیاد یہی ہے۔ ابن سینا اور اخوان الصفا کے رسائل میں اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو التفسیر والمفسرون للذھبی ، ۲/ ٤٥٦)

حیرت کی بات یہ ہے کہ کئی سو سال قبل از مسیح کے ان فلاسفہ کے مضطرب افکار کو قدیم فلاسفۂ اسلام اور جدید مفکرین اور دانش ور جدت پسندی پر محمول کرتے ہیں۔ اور اس سے سینکڑوں سال بعد حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی واضح اور قطعی وحیِ الٰہی پر ایمان واستقامت کو رجعت پسندی اور قدامت پسندی سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ وہ علما وفلاسفہ ہیں جنہیں ''فلاسفہ اسلام'' کہا جاتا ہے۔ جنہیں اپنے عہد

میں مسلمانوں کے علمی حلقوں میں خاصی شہرت حاصل ہوئی۔ انہوں نے یونانی فلسفہ کو سمجھنے میں مغزماری کی، وہی ان کے علم کا منتہیٰ تھا۔ پھر یہ فلسفہ اور علم جیسے انہیں ملا بغیر نقد و تجزیہ کے انہوں نے آگے امت اسلامیہ میں اسے نشر کیا ان کی کتابوں میں کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ بلکہ مشائی، اشراقی اور افلاطونی فلسفہ کا ''اسلامی'' ایڈیشن ہی تھا۔ یہ سب لوگ ارسطو کے دربار میں دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس کے فلسفیانہ افکار ان کے نزدیک حرف آخر ہیں۔ وحی الٰہی اور علوم نبوت کی ان کے ہاں حیثیت ثانوی ہے۔ انہوں نے ہزار کوشش کی کہ اسلامی عقائد اور فلسفیانہ افکار میں تطبیق کی کوئی صورت پیدا کر سکیں مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ ان کی علمی تحریک سے مسلمانوں کو فائدہ کی بجائے نقصان ہی ہوا۔

واضح اور صریح آیاتِ مبارکہ کے باوجود تلاشِ حق کیلئے وحیِ الٰہی کے علاوہ کسی دوسری چیز پر توجہ دینا بد نصیبی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس معنی میں نبی کریم ﷺ کے واضح فرامین بھی ثابت ہیں جن میں آپ ﷺ نے اللہ کی طرف سے انسانوں کی مکمل ہدایت و راہنمائی کیلئے منصب نبوت کی وضاحت فرمائی ہے۔

الغرض اپنے علم و فضل پر اترانے والے، اپنی عقل و فہم کو مصدرِ علم اور حرفِ آخر سمجھنے والے، فلسفۂ یونان کے دلدادہ، عقلی بنیادوں پر صداقت اسلام ثابت کرنے کے دعویدار فلاسفہ کی اپنی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک اور معبود برحق اور کائنات کی سب سے بڑی حقیقت کے بارے میں کسی حتمی رائے، اور متفق علیہ صحیح عقیدے تک نہیں پہنچ سکے۔ جس کے نتیجے میں وہ ذات وصفات باری تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اپنے علمی و تحقیقی سفر کی منزل کو پا لیتے۔ جو خود ایمان کی لذت سے نا آشنا ہوں وہ دوسروں کی کیا چارہ گری کر سکیں گے۔ جو خود عقلِ سقیم اور فکرِ عقیم کے قیدی ہوں وہ دوسروں کی راہ روی کا کیا اہتمام کر پائیں گے، جو وحیِ الٰہی کے نور سے محروم عُجب اور خود پسندی کے بے نور صحرا میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہوں وہ متلاشیانِ حق کیلئے صراطِ مستقیم کی کیا نشاندہی کر پائیں گے۔ ان کی عقل کے حصار نے انہیں حواسِ خمسہ سے آگے ذرائع علم تک رسائی ہی حاصل نہیں کرنے دی، وہ حواسِ انبیا سے بیگانہ رہے اور نور وحی سے محروم

فلسفی کو منکر حنانہ است   از حواسِ انبیا بیگانہ است

بہر حال ان حضرات کا امت میں ایک مقام تھا، انہیں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک عہد میں ان کے علم وفضل کا شہرہ تھا جس کی وجہ سے امت کے بہت سارے لوگوں نے ان سے دھوکہ کھایا اور اس طرح حق وباطل میں التباس ہوا اور بڑے اساطین علم کتاب وسنت کے معانی سمجھنے میں لغزش کا شکار ہوئے۔ قبل ازیں بعثتِ نبوی کے وقت بھی اہلِ کتاب کے علما کا علم ہی حق وباطل میں التباس کا باعث بنا تھا۔ حتی کہ مشرکین مکہ نے بھی ان سے دھوکہ کھایا، جب انہوں نے کہا کہ محمد ﷺ کی بجائے آپ حق وہدایت پر ہیں۔ (النساء:۱۵) جبکہ اللہ نے انہیں حکم دیا تھا:

﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾

(۲/ البقرة: ۴۲)

’’حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور اس طرح حق کو نہ چھپاؤ حالانکہ تم جانتے بھی ہو۔‘‘

زمانہ قبل از تاریخ اور انسانی تہذیب وتمدن کے ارتقا سے پہلے کے یونانی فلاسفہ اور انبیائے کرام میں کیا مشترکہ اقدار تھیں جن سے ان کے درمیان تقابل اور تقریب کی ضرورت محسوس کی گئی۔؟

وحیِ الٰہی کی قطعی اور واضح نصوص اور فلاسفہ یونان کے اوہام ووساوس میں کس زاویے سے مساوات تھی کہ ان کے درمیان تطبیق وتوفیق کیلئے محنت کی گئی۔؟

ان ہدایات اور نبوی تعلیمات تک رسائی کے بعد الٰہیات کے بارے میں ذہنی انتشار اور عدم یقین سے تو عقل وفکر کی واماندگی اور ایمان وایقان کی کمزوری کی نشاندہی ہوتی ہے جس میں یہ حضرات مبتلا ہوئے۔

وحی تو انسان کو وہ کچھ سکھاتی ہے جو کوئی نہیں سکھا سکتا۔ فرمایا:

﴿ وَعُلِّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ﴾ (۶/ الانعام: ۹۱)

’’اور تمہیں وہ تعلیم دے دی گئی، جسے نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ

دادا۔"

﴿ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ (۲/ البقرة: ۱۵۱)

"اور وہ (نبی ﷺ) تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔"

﴿ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ﴾

(۳/ آل عمران: ۷)

"اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اُن پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔"

وباللہ التوفیق

② متکلمین اسلام

علمِ کلام سے مراد وہ علم ہے جس میں عقلی دلائل سے فلسفہ کے مقابلے میں اسلامی عقائد ثابت کیے جاتے ہیں۔

"العلم الذی یقوم علی اثبات العقائد الدینیة عن طریق الأدلة العقلیة "

(موقف المتکلمین عن الاستدلال بنصوص الکتاب والسنة ، سلیمان الغص، ج ۱ص ۲۱)

اس علم کا موجد علاف معتزلی کو سمجھا جاتا ہے۔اور اس کی تدوین ہارون الرشید عباسی کے زمانے میں شروع ہوئی۔

علم الکلام بھی فلسفہ ہی کی ایک شاخ ہے، اس کا بڑا حصہ فلاسفۂ یونان کے کلام سے ماخوذ ہے، یہ دونوں علوم باہم ایک حد تک خلط ملط ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا مشکل ہے۔

"ثم التبس مسائل الکلام بمسائل الفلسفة بحیث لایتمیز احد الفنین عن الآخر" (مقدمه ابن خلدون ، ص٤٦٧)

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ

''اشیاء کی طبائع اور موجودات کے حقائق پر بحث'' کو فلسفہ کہتے ہیں۔

جبکہ علم الکلام صرف دینی حقائق پر بحث اور ان کے دفاع تک محدود ہے۔

تاریخ اسلام پر دقیق نظر ڈالنے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کلام کی دو قسمیں ہیں۔

[1] منقول علم الکلام

یہ دینی حقائق کو کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت کرنے کا نام ہے۔

اسے محدثین کا علم الکلام کہا جاسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ''فقہ اکبر'' امام احمد کی کتاب ''الرد علی الزنادقہ والجہمیہ''

امام بخاری کی کتاب ''خلق افعال العباد والرد علی الجہمیہ'' ایسے ہی امام صاحب کی زیر نظر تالیف ''کتاب التوحید'' امام ابن خزیمہ کی ''کتاب التوحید'' امام بیہقی کی ''کتاب الاسماء والصفات'' شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی ''کتاب الایمان'' اور ''درء تعارض العقل والنقل'' اور ابن مندہ کی ''کتاب الایمان'' اس سلسلے کی عظیم الشان کتب ہیں۔

اس علم الکلام کی بنیاد تو عصر صحابہ میں ہی رکھی جا چکی تھی ۔ چونکہ اسلامی عقائد کے بارے میں انحراف واختلاف کا آغاز اسی زمانے میں ہو گیا تھا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں معبد الجہنی کے انکار تقدیر کا ذکر موجود ہے۔

مسئلہ امامت وخلافت میں اختلاف کے نتیجے میں روافض اور خوارج کا ظہور ہوا۔

غیلان دمشقی اور یونس اسواری تابعین کے زمانے میں موجود تھے اور مسئلہ تقدیر میں معبد الجہنی کے ہم خیال تھے۔

عصر تابعین میں محدثین ماثور علم الکلام کا درس دیتے اور اہلِ بدعت کی کتاب وسنت کے دلائل سے تردید کرتے تھے۔ امام حسن بصری کو اس حوالے سے خاص شہرت حاصل ہے۔ واصل بن عطاء انہی کا شاگرد تھا، جو بعد میں تفسیق اہلِ کبائر کے مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے ان سے الگ ہو گیا تھا۔ جس سے معتزلہ کی ابتدا ہوئی۔

قدریہ کے بالمقابل جبریہ تھے جو انسان کے مجبور محض ہونے کے قائل تھے۔

بنو امیہ کے آخری ایام میں خراسان میں جہم بن صفوان نے پر پرزے نکالے، جو معتزلہ کی طرح اللہ کی صفاتِ ازلیہ کا بھی منکر تھا۔ اور مسئلہ تقدیر میں وہ جبریہ کا ہم نوا تھا۔

الغرض عہد صحابہ وتابعین میں ہی ایسے متعدد فرق وطوائف ظاہر ہو چکے تھے جو متفق علیہ اسلامی عقائد ونظریات کے بارے میں انحراف کا شکار ہو کر اپنے بدعی افکار کی نشر واشاعت کیلئے سرگرم تھے۔ ان کے بالمقابل محدثین کرام رحمہم اللہ کی وہ مساعی جمیلہ جو انہوں نے اسلام کی علمی وفکری حفاظت کیلئے انجام دیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان فرقوں کا سد باب کیا۔ وہ علمی کاوشیں صحابہ کرام اور تابعین سے منقول علم الکلام کی صورت میں سامنے آئیں اور مدون ہوئیں۔

2 معقول علم الكلام

منقول علم الکلام کے برعکس عقلی عقل الکلام ہے جو دراصل فلاسفہ اسلام کے یونانی فلسفہ سے ماخوذ افکار ونظریات کا چربہ اور سرقہ ہے۔ جسے اسلام کے نام سے نشر کرنے کی مذموم کوشش کی گئی۔ یہ معتزلہ اور جہمیہ کا ترکہ ہے۔ اہلِ کلام یا متکلمین کے نام سے جن لوگوں نے شہرت پائی وہ دراصل اسی دوسری قسم کے علم الکلام کے ماہرین تھے۔ انہیں اہل الکلام اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کوئی ایسا علم لیکر منصۂ شہود پر نہیں آئے جو کسی فائدے کا حامل ہو بلکہ صرف باتوں کے بادشاہ تھے۔ اور محسوسات کو قیاسات کی صورت میں پیش کرتے تھے، ان سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا۔ (شرح الطحاویه ۱/ ۲٤۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

(وهـم فـي الجملة "كل من تكلم في الله بما يخالف الكتاب والسنة") (درء تعارض العقل و النقل ۲/ ۱۸۱)

فـالسلف ذموا اهل الكلام الذين هم أهل الشبهات و الأهواء، لـم يـذمـوا أهـل الـكـلام الذين هم أهل كلام صادق يتضمن الـدليـل عـلـى مـعـرفة الله تعالىٰ و بيان ما يستحقه و ما يمتنع عليه" (در ء تعارض العقل و النقل ۲/ ۱۸۱)

"متکلمین فی الجملہ وہ لوگ ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے بارے میں کتاب وسنت کے خلاف کلام کرتے ہیں۔

سلف نے صرف ان متکلمین کی مذمت کی ہے جو شبہات اور ہواؤ ہوس کا شکار ہیں۔ صدق پر مبنی ایسا کلام کرنے والے متکلمین کی مذمت نہیں کی جن کا کلام معرفت الٰہی کی دلیل پر مشتمل ہے، اور ایسی صفات کے بیان کو متضمن ہے جن کا وہ مستحق ہے یا جو اس کی شان کے منافی ہیں۔"

درآمدی افکار اور فلسفیانہ اصول وقواعد پر مبنی اس عقلی علم الکلام اور اس نوع کے متکلمین کے خلاف قدیم و جدید ائمہ ہدیٰ اور علمائے حق کے بڑے واضح اور سخت اقوال ملتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خصوصاً رائے کی مذمت میں جو کچھ ماثور ہے وہ بھی اسی فکری انحراف کے خلاف ندائے حق ہے جو انہوں نے بروقت کی تھی۔

امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس الشافعی، امام احمد بن حنبل اور قاضی ابو یوسف سب کے فلاسفہ و متکلمین کے خلاف واضح الفاظ میں اقوال ملتے ہیں۔امام احمد تو اس موضوع پر بات کرتے تو غضبناک ہو جاتے تھے،اور قرآن کی یہ آیت تلاوت کرتے تھے۔

﴿وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ﴾ (١٣/ الرعد: ١٣)

''اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں حالانکہ وہ زبردست طاقت والا ہے۔''

اس سلسلے میں ایک حنفی عالم لکھتے ہیں:

''امام اعظم کے علاوہ تمام ہی فقہاو محدثین کے مخالفانہ رویے کی شہادتیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔'' (مقدمه شرح النسفيه ، ص:٤)

یہ متکلمین بھی اپنے پیش رو فلاسفہ اسلام کی طرح وحی اور عقل میں تطبیق دینے اور موافقت پیدا کرنے کیلئے میدان میں نکلے تھے،مگر ان کی ناکامی اور پس پائی کا انداہ ان کی فکری بنیاد سے ہوتا ہے، جو ان کے ہاں ''قانون کلی'' یا ''برہان قطعی'' کے نام سے معروف اور منقول ہے۔اور اس توفیق اور تطبیق میں ان کی معراج ہے۔اس پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ وحیِ الٰہی پر عدم اعتماد کا شکار ہو کر کس طرح فلاسفۂ یونان کے سامنے سپر انداز ہوئے ہیں۔

عقل و وحی میں تعارض کی صورت میں تطبیق کیلئے اہل کلام کا ''قانون کلی''

فخر الدین رازی، ابو عبداللہ محمد بن عمر بن حسن (م٦٠٦ھ) اپنی کتاب ''اساس التقدیس'' میں رقمطراز ہیں۔

''اذا تعارضت الادلة السمعية والعقلية ، أو النقل و العقل ،

فـاما أن يجمع بينهما ، وهو محال، لأن العقل اصل النقل ، فـلـو قـدمـنـاه عـليه كان ذلك قدحاً فى العقل الذى هو أصل الـنقل، والقدح فى اصل الشئى قدح فيه ، فكان تقديم النقل قـدحـاً فـى الـنـقل و العقل جميعاً، فوجب تقديم العقل ثم النقل، إما يقال بعدم صحته وإما أن يتأول و يفوض"

(تقديس ، ص ١٧٢ ، طبع مصطفى حلبى القاهرة)

''جب سمعی اور عقلی دلائل یا نقل و عقل میں تعارض ہو تو یا تو دونوں میں جمع کرنے کی صورت اختیار کی جائیگی اور یہ ناممکن ہے، اس لیے کہ عقل، نقل کی اصل اور بنیاد ہے، اگر نقل کو عقل پر ہم نے مقدم رکھا تو یہ عقل میں قدح ہو گی جو نقل کی اصل ہے۔ کسی چیز کی اصل اور بنیاد میں قدح اس چیز میں بھی قدح ہوتی ہے۔ اس لیے نقل کو عقل پر ترجیح بیک وقت نقل و عقل دونوں میں قدح ہے، سو عقل کی نقل پر ترجیح لازم ٹھہری، باقی رہی نقل تو اس کے بارے میں یا تو یہ کہا جائے گا کہ وہ صحیح نہیں ہے۔ اگر صحیح ہے تو اس کی تاویل ہو گی یا اسے نا قابل فہم قرار دیکر چھوڑ دیا جائے گا۔''

اس قسم کے خیالات کا اظہار انہوں نے اپنی دیگر کتب میں بھی کیا ہے۔

ملاحظہ ہو "محصل أفكار المتقدمين والمتأخرين ، ص ٣١ ، طبع الحسينيه القاهرة"

یہ امام رازی اور ان کے پیروکار متکلمین کا ضابطۂ استدلال ہے۔ اسی بنیاد پر یہ حضرات انبیا کرام کے فرامین کو بالخصوص صفات باری تعالیٰ کے بارے میں نصوص وحی کو مسترد کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں انبیا سے منقول دلائل ظن کا فائدہ دیتے ہیں جبکہ عقلی دلائل یقین کا فائدہ دیتے ہیں۔ امام غزالی نے ایک سائل کے جواب میں چند وصایا ذکر کیں تو ان میں دوسری وصیت یہ تھی۔

"أن لا يـكـذب بـرهـان الـعـقل اصلاً ، فإن العقل لايكذب ، ولـوكـذب الـعـقـل فـلـعله كذب فى اثبات الشرع إذبه عرفنا الشرع۔" (قانون التاؤيل للغزالى ، ص٤ ، طبع عزت الحسينى ، القاهرة)

متکلمین کی عقل پرستی

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اسی قسم کے اصول واقوال، ابوبکر محمد بن عبد اللہ القاضی المالکی (م ۵۴۳ھ) المعروف بابن العربی (امام غزالی کے شاگرد ہیں) امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی (م ۴۱۹ھ) امام غزالی کے استاد، قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی (م ۴۰۳ھ) وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ قاضی ابن العربی المالکی کا اپنے استاذ امام غزالی کے بارے میں یہ مقولہ بھی ذکر کیا ہے۔

”شیخنا ابو حامد دخل فی بطون الفلاسفة، ثم اراد أن یخرج منهم فما قدر“

”ہمارے شیخ ابو حامد فلاسفہ کے اوساط میں داخل تو ہو گئے، پھر وہاں سے نکلنے کی کوشش کی مگر نہ نکل سکے۔“

غزالی کا اپنا کہنا ہے:

”أنا مزجی البضاعة فی الحدیث“ (درء تعارض العقل والنقل، ج۱، ص ۵)

”میرا حدیث میں سرمایۂ علم کم ہی ہے۔“

غزالی کے بارے میں کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا۔ ”امرضہ الشفا“ یعنی ابن سینا کی کتاب ”الشفا“ نے انہیں مرض میں مبتلا کیا۔“

غزالی کی شہرہ آفاق کتاب ”احیاء علوم الدین“ کے مطالعے سے ان کی فلسفہ پر وسیع تر نظر اور حدیث میں قلتِ بضاعت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ واضح ہے کہ جو کچھ انہوں نے پڑھا اور ہضم کیا، ان کی عقل وفہم پر اسی کا غلبہ ہو سکتا تھا۔ علم حدیث میں جب انہیں اپنی کم مائیگی کا اعتراف ہے تو اس کے متعلق گفتگو سے پرہیز ہی ان کے لیے مناسب تھا۔ مگر افسوس کہ وہ ایسا نہ کر سکے۔ ان کی کتابیں ضعیف اور بے اصل احادیث اور ان سے استدلال سے اٹی پڑی ہیں جو کم علم فقہا وصوفیا کا گرانقدر سرمایہ ہیں۔

قانون کلی پر ایک نظر

اس قانون کلی یا برہانِ قطعی کو کسی بھی علمی وفکری زاویے سے جانچ لیجئے۔ اس پر نقد وتبصرے اور اس کے تجزیئے کا کوئی بھی طریقہ آزما لیجئے، عقل وخرد اور علم ونظر کا کوئی بھی اسلوب اختیار کر کے اس قانون کی تہ میں جھانک لیجئے۔ نتیجہ ایک ہی نکلے گا کہ یہ وحیِ الٰہی کے مبارک نور سے محروم بیمار ذہن اور انبیا ورسل اور ان کی تعلیمات عالیہ سے بے بہرہ شکی مزاج سوچوں کی ترجمانی ہے۔ یہ یونانی اور سوفسطائی فلسفہ کی بازگشت ہے۔ جن کے ہاں فلاسفہ کا علمی مقام انبیائے کرام سے اعلیٰ وبالا ہے۔ حد سے بڑھی ہوئی عقل کی تلاشِ حق کیلئے ٹامک ٹوئیاں ہیں۔ منطقی صغرے کبرے ہیں۔ اس قانون کلی کا جاہ وجلال لفظی سج دھج تک محدود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس دلیل کو اور اس قسم کے دیگر فلسفیانہ اور متکلمانہ افکار کو عامۃ المسلمین اور امت کے جمہور اہلِ علم نے مسترد کر دیا ہے۔ یہ امت کی فکری پختگی، کتاب وسنت سے گہری وابستگی کی دلیل ہے اور اللہ اور رسول پر غیر متزلزل ایمان ویقین کی برکت ہے۔ اور امت کے من حیث المجموع علمی شعور اور بلوغت کی نشاندہی ہے۔ امت کی تعلیم وتربیت اور تاسیس وتشکیل میں اصل کردار سید الانبیا ﷺ، آپ ﷺ کے اصحابِ کرام، سلفِ امت، اور ان کے تابعین وتبع تابعین اور ائمہ محدثین کا ہے۔

وحیِ الٰہی قرآن وحدیث ایک حیات بخش دستور العمل کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ جبکہ یہ قانون اور ضابطہ علمی وفکری اور عملی اضمحلال کے سوا کچھ فراہم نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فکر وفلسفہ کے علم بردار، عقل پرستی کا شکار لوگ میدانِ عمل میں صفر ہیں۔ جبکہ وحی کے پیروکار اپنے مقصد تخلیق، عباداتِ الٰہی میں مثالی نمونے اور مخلوق کے ساتھ تعامل میں علم وہدایت کے روشن مینار ہیں۔ علمی وعملی زندگی میں ان کے انمٹ نقوش نشانِ راہ کا کام دیتے ہیں۔ اور یہی لوگ سبیل المومنین کے ترجمان اور علمائے حق ہیں۔ جس کی اتباع کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اور اس کی مخالفت کو باعث ہلاکت بتایا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

(٤/ النساء: ١١٥)

''اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے پر چلے گا تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے۔ اور اسے قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔''

جبکہ جادۂ حق سے انحراف کے شکار اہلِ علم کے بارے میں فرمایا:

﴿أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾

(٥٤/ الجاثية:٢٣)

''بھلا تو نے اس شخص کو دیکھا، جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے، اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔''

الغرض اہلِ علم کے سامنے راستے دو ہی ہیں، انہوں نے ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔

(ا) اتباع وحیِ الٰہی (ب) اتباع الھویٰ

فلا ثالث لھما۔ ان کے درمیان تطبیق و موافقت کی کوئی صورت ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ ہے۔

اتباع ہویٰ کی پھر دو قسمیں ہیں:

(ا) شبہات اور (ب) شہوات اور دونوں ہی باعثِ ہلاکت ہیں۔ (شرح الطحاویہ)

دنیا اور عقبیٰ کی خیر و سلامتی صرف اور صرف اتباع کتاب و سنت میں ہے۔ فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (٦/ الأنعام: ٨٢)

الغرض ہر قسم کی ملاوٹ کے بغیر توحیدِ خالص و کامل ہی واحد راہِ نجات ہے۔ اور وہ سلف صالحین کے راستے پر چل کر میسر آ سکتی ہے باقی ہر طرف زیغ و ضلال اور فتنہ و فساد ہے۔ اعاذنا

الله منه ۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی عظیم تالیف ''درء تعارض العقل والنقل'' کا آغاز اسی قانون کلی کے ذکر سے کیا ہے۔ اور پھر نہایت مدلل طریقے سے اس پر نقد کیا اور چوالیس وجوہ سے اس کا جواب دیا ہے۔ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ مذکور الصدر اور ان کے علاوہ متعدد ائمہ خلفیت، متکلمین نے آخری عمر میں پشیمانی اور ندامت کا اظہار کیا اور اپنے عقائدی موقف سے دست بردار ہونے کی کوشش کی اور کتاب وسنت سے ثابت حق کو اپنی متکلمانہ آرا پر ترجیح دی۔ غفر الله لهم

متکلمین کی حیرت وندامت

جب خود علمائے کلام کو اپنی آرا پر اعتماد اور اپنی عقل پر یقین نہیں ہے۔ تو ان کے قائم کردہ اصول وقواعد کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ جن میں وہ عقل کو شرع پر ترجیح کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کی تصریحات کے باوجود عقل پرست حضرات کا ان کے افکار کی صحت پر صدیوں تک اصرار کہاں کی دانش ہے۔ ان کی اکثریت تو ریاضیات اور طبیعیات میں بھی شدید اختلاف کا شکار پائی گئی ہے ان کے بڑے بڑے اساطین علم بھی یہی کہتے پائے گئے ہیں کہ انہیں ان مسائل میں یقین تک رسائی نہیں ہوئی بلکہ بظاہر تناقض وتعارض بھی ان کی کتابوں میں ملتا ہے۔ ایک کتاب میں ایک رائے کا اظہار کیا تو دوسری میں اس کے نقیض کو صحیح قرار دیا، اور کبھی حیرت میں مبتلا ہو کر توقف کیا، اور دعویٰ یہ کیا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ قطعی، برہانی اور عقلی ہے، جس کی نقیض ممتنع ہے۔

الٰہیات وعقائد میں ان کی حیرانی وپریشانی ان سے منقول متعدد اقوال سے واضح ہوتی۔ مثلاً:

الشہرستانی: محمد بن عبدالکریم اشعری سے ان کے یہ اشعار منقول ہیں۔

لقد طفتُ في تلك المعاهد كلها

وسيّرت طرفي بين تلك المعالم

فلم أر إلا واضعا كف حائر
على ذقن أو قارعا سن نادم

یہ ابیات ان کی کتاب ''نہایۃ الاقدام'' میں مذکور ہیں۔ اس کے حاشیے میں محمد بن اسماعیل الامیر نے اس کے جواب میں درج ذیل خوبصورت ابیات رقم کئے ہیں۔

لقد أهملت الطواف بمعهد
الرسول ومن لا قاه من كل عالم
فما حار من يهدى بهدى محمد
ولست تراه قارعا سن نادم

ایسے ہی شیخ الاسلام نے امام رازی کی کتاب ''اقسام اللذات'' سے اسی مفہوم کے ان کے چند ابیات نقل کئے ہیں اور ان کے آخر میں رازی نے کہا ہے۔

''لقد تأملت الطرق الكلاميه والمناهج الفلسفية ، فما رأيتها تشفى عليلاً او تروى غليلاً ورأيت أقرب الطرق طريقة القرآن ، إقرء فى الإثبات

﴿ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ (۲۰/ طه:۵)

﴿ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ﴾ (۳۵/ فاطر:۱۰)

واقرأ فى النفى ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ (۴۲/ الشورىٰ:۱۱)

﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴾ (۲۰/ طه:۱۱۰)

﴿ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴾ (۱۹/ مريم:۶۵)

ومن جرب مثل تجربتى عرف مثل معرفتى ''

میں نے علمائے کلام کے طریقوں اور فلسفیانہ مناہج پر غور وفکر کیا ہے۔ مجھے ان میں کوئی ایسی شے نظر نہیں آئی جو کسی مریض کو شفا بخشتی ہو یا کسی تشنہ کام کو سیرابی کا سامان مہیا کرتی ہو، اقرب الی الحق راستہ قرآن کریم کا راستہ ہی ہے۔ اثبات صفات الٰہیہ میں اللہ کا یہ فرمان پڑھ لیں۔

''رحمٰن عرش پر مستوی ہے۔''

''پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل صالح اسی کو بلند کرتے ہیں۔''

اور نفی (تشبیہ) میں اللہ کا یہ فرمان پڑھ لیں۔

''اس جیسی کوئی شے نہیں ہے''

''اور وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔''

''کیا تو اس کے کسی ہم نام کو جانتا ہے۔''

اور جو شخص میری طرح تجربہ کرے گا وہ میرے جیسی معرفت حاصل کرے گا۔

ایسے ہی امام رازی نے آخری وصیت میں اپنے رجوع الی الحق کا ذکر کیا ہے، اور یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ وہ حق و باطل اور رطب و یابس سب کچھ لکھتے رہے ہیں اور یہ سب علم کی محبت کی وجہ سے ہوا ہے، اور اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ تمام محسوس کائنات ایک ایسی ذات کے زیر تدبیر و تصرف ہے جو مخلوق کی مماثلت سے منزہ ہے اور کمالِ قدرت و علم و رحمت سے موصوف ہے۔ فرماتے ہیں۔

فاعلموا أنی كنت رجلاً محباً للعلم ـ فكنت أكتب فی كل شیء شيئاً لا أقف على كميته و كيفيته سواء كان حقاً أو باطلاً، غثاً أو سميناً ، الا أن الذی نظرته فی الكتب المعتبرة لی أن هذا العالم المحسوس تحت تدبير مدبر منزه عن مماثلة المتحيزات و الأعراض ، و موصوف بكمال القدرة و العلم و الرحمة ـ

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ میں نے علم کلام کے طریقے اور فلسفیانہ مناہج سب آزما کر دیکھے ہیں، ان میں مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو ان فوائد کی برابری کر سکتی ہو جو میں نے قرآن کریم میں پائے ہیں۔ چونکہ قرآن یہ باور کراتا ہے کہ

(ا) کلیۃً اللہ کی عظمت و جلال کو تسلیم کیا جائے۔

(ب) اس کے مقابلے میں اپنے معارضات ومناقضات پر غور وفکر سے منع کرتا ہے۔
(ج) اس سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان تنگ وتاریک اور مخفی راستوں میں انسانی عقول کمزور اور عاجز پڑ جاتی ہیں۔

اسی قسم کے خیالات کا اظہار انہوں نے اپنی آخری وصیت میں کیا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے یہ وصیت اکیس محرم ۶۰۶ھ اپنے تلمیذ خاص ابراہیم بن ابی بکر بن علی اصفہانی کو اپنے مرض الموت میں املا کرائی جس کا آغاز انہوں نے بایں الفاظ کیا ہے۔

"یقول العبد الراجی رحمة ربه الواثق بکرم مولاه محمد بن عمر بن الحسین الرازی و هو فی آخر عهده بالدنیا و أول عهده بالآخرة، وهو الوقت الذی یلین فیه کل قاس، ویتوجه الی مولاه کل آبق"

"اپنے رب کی رحمت کا امیدوار، اپنے مولا کے کرم پر بھروسہ کرنے والا بندہ......رازی کہتا ہے جبکہ دنیا میں اس کا یہ آخری وقت ہے اور آخرت سے پہلا تعلق ہے اور یہ ایسا وقت ہے جس میں سنگ دل بھی نرم ہو جاتا ہے اور ہر بھگوڑا غلام اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔"

اسی وصیت میں انہوں نے فرمایا:

"أقول دینی متابعة محمد سید المرسلین، و کتابی هو القرآن العظیم، و تعویلی فی طلب الدین علیهما"

"میرا دین سید المرسلین محمد ﷺ کی متابعت ہے اور میری کتاب قرآن عظیم ہے اور دین حاصل کرنے میں میرا ان دونوں پر اعتماد ہے۔"

(وصیة الرازی مطبوعه مع "المحصول" ج ۱ ص ٦٧)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وصیت بہت سبق آموز ہے، جو ان کے اخلاص پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے کلامی مذہب سے تجربے کی روشنی میں بیزاری کا اظہار کیا ہے اور وحی الٰہی کو ہی واحد ذریعہ ہدایت قرار دیا ہے۔"

امام رازی کے علاوہ خلفیت کے دیگر ائمہ متکلمین۔

① ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری (م ۳۲۴ھ)

② ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی اشعری (۴۰۳ھ)

③ عبدالملک بن عبداللہ الجوینی امام الحرمین اشعری (م ۴۱۹ھ)

④ محمد بن عبدالکریم الشہر ستانی اشعری (م ۵۴۸ھ)

⑤ محمد بن محمد بن محمد غزالی تلمیذ الجوینی (۵۰۵ھ) وغیرہ سے بھی اپنے کلامی موقف اور اپنی متکلمانہ تگ وتاز پر ندامت منقول ہے۔

متکلمین کے اس ''قانون کلی'' کا سب سے بہترین جواب انہی کے قبیلہ علمیہ کے ایک نامور شخص امام غزالی کی وضع کردہ ''برہانِ کلی'' ہے جس میں ماثور پر اعتماد بھی ہے اور منطقی استدال بھی۔ انہوں نے اپنی کتاب ''الجام العوام عن علم الکلام'' میں محدثین کی زبان بولی ہے اور چار بہترین اصول ذکر کیے ہیں۔ جن کے نتیجے کو وہ اپنے فلسفیانہ مزاج کے مطابق ''برہانِ کلی'' کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

" أعلم ان الحق الصريح الذى لامراء فيه عند أهل البصائر هو مذهب السلف (يعنى الصحابة و التابعين و ائمة الهدىٰ)"

''یقین جانیے بلاشبہ واضح ترین حق جس کے بارے میں اہلِ بصیرت کے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ سلف صالحین کا مذہب ہے۔ یعنی صحابہ وتابعین اور ائمۂ ہدیٰ''

"وأن البرهان الكلى على ان الحق فى مذهب السلف وحده ينكشف بتسليم أربعة أصول مسلمة عندكل عاقل"

''اس بات کی برہان کلی کہ حق صرف مذہب سلف میں ہی ہے۔ ہر عقلمند کے ہاں مسلمہ چار اصول تسلیم کر لینے سے واضح ہوتی ہے۔''

پہلا اصول:

" أن النبى ﷺ هو اعرف الخلق بصلاح احوال العباد

بالإضافة إلى حسن المعاد"

"پوری مخلوق میں سے بندوں کی اصلاحِ احوال اوران کے اخروی حسنِ انجام کو نبی ﷺ سب سے بہتر اور زیادہ جانتے تھے۔"

دوسرا اصول:

"انه بلّغ كل ما أوحى إليه من صلاح العباد فى معادهم ومعاشهم و لم يكتم منه شيئاً"

"بندوں کی دنیاوعقبی کی اصلاح کیلئے آپ ﷺ کی طرف جو کچھ وحی کیا گیا آپ ﷺ نے سب پہنچادیا اوراس میں کچھ چھپا کرنہیں رکھا۔"

تیسرا اصول:

"أن أعرف الناس بمعانی كلام الله واحراهم بالوقوف على كنهه وادراك أسراره هم أصحاب الرسول ﷺ"

"کلام اللہ کے معانی کوسب سے بہتر جاننے والے اس کی حقیقت سے واقف اوراُسکے اسرار کا ادراک رکھنے والے اصحاب رسول ﷺ تھے۔"

چونکہ انہوں نے وحی کے نزول کا مشاہدہ کیا تھا،شب وروز رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہتے تھے۔وحیِ الٰہی کے معانی سمجھنے کیلئے اپنے آپ کوانہوں نے وقف کررکھا تھا۔ایک تو وہ اسے قبول کرنے اورعمل کرنے کے جذبے سے حاصل کرتے تھے دوسرے وہ اسے اپنے بعدآنے والے لوگوں تک اسے پہنچانا چاہتے تھے۔تیسرے وہ اسے سننے،یادکرنے،سمجھنے اورنشرکرنے سے تقرب الی اللہ چاہتے تھے۔"

امام غزالی مزید فرماتے ہیں کہ"میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کسی پراس امر میں تہمت لگانے کی کوئی گنجائش ہو۔"

کیا نبی ﷺ حق کو چھپا سکتے تھے؟ حاشا وکلا منصب نبوت اس سے بہت اعلیٰ و بالا ہے۔یا ان نیکوکاراصحاب رسول رضی اللہ عنہم کو متہم قراردیا جائے کہ انہوں نے اس کلام کوسمجھا نہیں ہوگا اوروہ اس کے معانی ومقاصد کاادراک نہیں کرسکے ہونگے،یاوہ سمجھنے کے باوجوداسے

چھپانے کے مرتکب ہوئے ہونگے۔ یا انہوں نے اسے سمجھنے کے باوجود اس پر عمل سے انکار کر دیا ہوگا۔

کوئی عقلمند ان باتوں میں سے کسی کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوسکتا۔

یعنی یقیناً رسول اللہ ﷺ نے وحی الٰہی کو مکمل طور پر نشر کیا ہے۔ اصحاب رسول ﷺ نے اسے سمجھا، اس پر ایمان لائے، عمل کیا اور آگے منتقل بھی کیا اور کسی قسم کی کمی بیشی بھی نہیں کی۔

چوتھا اصول:

" أن أصحاب الرسول ﷺ في طول عصرهم إلى آخر أعمارهم ما دعوا الخلق إلى التاويل "

"بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی پوری زندگی مخلوق کو تاویل کی دعوت نہیں دی۔"

اگر تاویل دین یا دین کا علم ہوتی، تو وہ دن رات اسے سیکھنے کیطرف متوجہ رہتے، اپنی اولاد اور خاندانوں کو بھی اسے سیکھنے کی دعوت دیتے ان مسلمہ چار اصولوں سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حق یقیناً وہی ہے جو صحابۂ کرام نے فرمایا، اور درست رائے وہی ہے جو انہوں نے اختیار کی تھی۔

یہ واقعاتی دلیل ہے۔ یہ سب حضرات جنکا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ آخر میں یہ کہتے پائے گئے۔ کاش کہ وہ وحی الٰہی کے مطابق سلامتی کا راستہ اختیار کر لیتے۔ عقیدے میں فقہائے شافعیہ کی اکثریت کے امام و پیشوا ابوالحسن اشعری نے چالیس برس تک معتزلہ میں رہنے کے بعد ان سے براءت کا اظہار کیا اور حسب توفیق حق قبول کیا اور اہل السنۃ کی راہ پر چلنے کی کوشش کی۔

یہی صورتحال احناف کی اکثریت کے متبوع ابو منصور ماتریدی کی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ اور حنفیہ کو ابھی تک ان کے رجوع کی خبر کما حقہ نہیں پہنچ سکی، جس کی وجہ سے وہ ان کی قدیم روش پر اڑے ہوئے ہیں، اور جس موقف سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا یہ حضرات اس کی اتباع اور ان کے دفاع میں مشغول ہیں۔

③ صوفیا وصافیہ

مسئلہ توحید عموماً اور مسئلہ صفاتِ باری تعالیٰ میں خصوصاً کتاب وسنت کی صحیح وصریح تعلیمات سے انحراف اور حق وباطل میں التباس کا تیسرا بڑا سبب ہمارے وہ صوفیا وصافیہ ہیں، جن کے دنیا سے بظاہر لاتعلق ہونے، رہبانیت کی زندگی اختیار کرنے کی وجہ سے لوگوں نے انہیں بے غرض اور مخلص سمجھا، اور انہوں نے عارف باللہ واصل باللہ اور فنافی اللہ جیسی پرکشش اصطلاحات کے ذریعے یہ باور کرایا کہ وہ تقرب الی اللہ کی آخری منازل تک رسائی حاصل کر چکے ہیں۔ ضعیف الاعتقاد لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اللہ سے کچھ حاصل کرنے کیلئے ایسے لوگوں کا قرب نہایت آسان اور محفوظ راستہ ہے۔ اس لاتعلقی اور بے غرضی کے ذریعے ان صوفیا نے مسلمانوں کے دلوں میں اپنی عزت اور تقدس پیدا کر کے ان میں اسلامی تعلیمات کے منافی کیسے کیسے فتنے نشر کیے ہیں۔ اہلِ ایمان کے دلوں میں رب العزتِ والجلال کے بارے میں کیسے کیسے غلط عقائد اور گستاخیوں کو جنم دیا۔ اس کی داستان بڑی طویل اور المناک ہے۔ وحدۃ الشہود، وحدۃ الوجود اور حلول واتحاد کی ہندوانہ اور مشرکانہ اصطلاحات کو مسلمانوں میں رواج دے کر ان صوفیا نے انبیائے کرام سے متوارث عقیدۂ توحید کے خلاف امتِ اسلامیہ کو حق وہدایت سے برگشتہ کرنے کی بڑی کوششیں کیں۔ نبوت ورسالت کی تو ان کے ہاں کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ وحدتِ ادیان کا نظریہ بھی ان صوفیا کی ذہنی اختراع ہے جس کی رو سے نبوت کا اقرار اور نبی ﷺ پر ایمان نجات کیلئے ضروری نہیں ہے۔ کبار اہلِ تصوف کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل ہندومت، یہودیت، مجوسیت اور نصرانیت سے ملتی ہے۔ ان کے افکار درآمدی اور وہ خود اسلام میں دخیل ہیں۔ اسلامی تشخص اور اسلامی تعلیمات پر عمل کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ انسان کے مقصدِ تخلیق توحیدِ الوہیت کی ان کے ہاں ثانوی حیثیت ہے۔ معرفتِ الٰہی یعنی توحید ربوبیت ان کے ہاں سلوک کی آخری منزل ہے۔ اور معرفتِ الٰہی بھی معرفت نفس کا نام ہی ہے، ایک مشہور مقولہ ان کے حلقوں میں حدیث نبوی کی حیثیت سے معروف ہے۔ جس کی کوئی اسنادی اور علمی حیثیت اہلِ علم کے ہاں

نہیں ہے۔

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"

"یعنی جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔"

اسی طرح آیت کریمہ:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ (۵۱/ الذاریات: ۵۶)

میں "لیعبدون" کی تاویل بھی ان سے "لیعرفون" کے ساتھ منقول ہے۔

مولوی اللہ یار خان اپنی کتاب "دلائل السلوک" میں مذکورہ آیت کی یہی تاویل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں۔

"جب معرفت الٰہی حاصل ہو گئی تو مقصد تخلیق پورا ہو گیا۔ پس ایسے مقبولینِ خدا جو غایتِ تخلیق کا مصداق ہیں ان سے دشمنی رکھنا کور باطنی کی دلیل ہے۔"

(ص۹۰)

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی واضح اور صریح نصوص کے برعکس ان کے نزدیک عابد عالم پر فضیلت رکھتا ہے۔ جس کی بنیاد یہی نظریہ ہے کہ توحیدِ ربوبیت اور معرفتِ الٰہی خاصۂ خاصاں کی توحید ہے۔ ان میں سے بالخصوص ابن عربی المعروف شیخ اکبر (م ۶۳۸ھ)، حسین بن منصور الحلاج (م ۳۰۹ھ) اور ابن الفارض (م ۶۳۲ھ) نے امتِ مسلمہ میں کافی شہرت حاصل کی اور امت کا ایک بڑا حصہ ان کے باطل افکار سے متاثر ہوا اور اس پر حق و باطل میں التباس ہوا۔ ہمارے ہاں بڑے فقہی مسلک کے حاملین کی خانقاہیں بھی انہی صوفیا کے دم قدم اور ان کے نظریات کی بدولت آباد ہیں اور ان کے علمی حلقوں میں انہیں تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ان کی اصطلاحات کی شرح اور ان اصطلاحات کو قابل قبول بنانے کیلئے تاویل کی جاتی ہے۔

فلاسفہ وصوفیا کے نظریات کا خلاصہ

ذات باری تعالیٰ کے بارے میں قدیم وجدید فلاسفہ ومتصوفین کے نظریات کا خلاصہ یہ ہے کہ یا تو وہ ذاتِ باری تعالیٰ کو تمام صفاتِ عالیہ سے عاری قرار دیکر مجرد ذات کو تسلیم کرتے ہیں۔ یا اس میں ایسی صفات مانتے ہیں جو اسکی شایان شان نہیں ہیں۔ یا اس کے مستقل وجود کا انکار کر کے مخلوق میں اس کے اتحاد وحلول کے قائل ہیں۔ اور ''لاموجود الا ہو'' کہتے ہیں۔ یعنی یا اپنی الوہیت کا دعویٰ ہے یا کم از کم معرفتِ الٰہی کا ایسا زعم ہے جو ان کے خیال میں کسی اور کو حاصل نہیں۔ ان کے جملہ افکار وخیالات اور عقائد وحی الٰہی اور انبیا ورسل اور اہل حق کی توحید سے متصادم ہیں۔ مثلاً:

2 وحدۃ الشہود

جیسا کہ ذکر ہوا منازل سلوک طے کرتے ہوئے صوفی ریاضت ومجاہدہ اور رہبانیت وچلہ کشی سے ایسے مقام پر سرفراز ہو جاتا ہے اور ایسے شعور سے مالا مال ہو جاتا ہے کہ اسے تمام موجودات میں خدا نظر آنے لگ جاتا ہے یا اسے ہر چیز ذاتِ الٰہی کا حصہ نظر آنے لگ جاتی ہے۔ گویا اس کی نظر میں انسان، حیوان، جمادات، نباتات، نیک وبد سب ایک ہو جاتے ہیں۔ صوفیا سے منقول لطائف اس باب میں بڑے مضحکہ خیز ہیں۔ کتاب وسنت سے ثابت توحید ربانی سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے نصوص کو اشارات سمجھ کر ان کے معانی بگاڑ کر مخصوص معانی کشید کرنا البتہ اہل زیغ وضلال کا فلسفہ ہے۔ یا پھر ان کے کشف وجدان کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی نہ کوئی اصل ہے اور نہ ہی اس کی حدود وقیود اور نہ اس کی صحت وسقم کو پرکھنے اور جانچنے کا کوئی علمی وتحقیقی معیار اس باب میں ان کے مریدوں کیلئے ان کا فرمایا ہی حجتِ قاطعہ اور برہان ساطع ہے۔ صوفیا اور فلاسفہ دونوں ہی اس وحدت کے قائل ہیں البتہ ان کی وحدت کی اساس مختلف ہے، جس کا بعد میں ذکر ہوگا۔ ان شاء اللہ

1 وحدۃ الوجود

یہ ایک صوفی اور فلسفی مذہب ہے۔ جو عالَم اور اللہ کے بعینہ ایک ہونے کا قائل ہے۔

فرق صرف یہ ہے کہ ایک فریق یعنی صوفیا کی رائے میں اس توحید اور وحدت کا مطلب اللہ اور موجودات کا ایک ہونا ہے۔ وہ اس کے سوا کسی وجود کا اقرار ہی نہیں کرتے۔ لاموجود الا اللہ اسی عقیدے کی ترجمانی ہے۔ دوسرے فریق کے مطابق قائم بالذات وجود صرف اللہ کا وجود ہے۔ باقی اس کے اعراض یعنی قائم بالغیر ہیں اور ایک تیسرے فریق یعنی خالص مادہ پرست ملحد فلاسفہ کے مطابق حقیقی اور اصلی وجود صرف ایک ہے اور وہ طبیعت یا نیچر (Nature) ہے۔ اس آخری نظریے کی رو سے عالم کی تخلیق وتدبیر میں اللہ کی تاثیر نہ ہونے کے برابر ہے۔ گویا وحدۃ الوجود کا عقیدہ:

(ا) یا تو دینی اساس پر قائم ہے جس کا مطلب ہے ہر شے کو اللہ کی طرف لوٹانا یہ فلسفہ ہندو براہمہ کا دین ہے۔ ان کے نزدیک ان کا معبود ''براہما'' کائنات میں موجود یکتا حقیقت ہے۔ باقی ساری کائنات اسی وجود سے معرض وجود میں آئی ہے۔ اور تمام موجودات براہما کے اعراض اور اس کے مظاہر ہیں، قائم بالذات نہیں ہیں۔

(ب) یا اس عقیدے کی بنیاد علمی وفلسفی آرا ہیں۔ جس کا منشا کائنات میں ثبات وتغیر کی تفسیر ہے۔ جس کے نتیجے میں جملہ موجودات کا ایک ہی مرجع اور اصل ہے۔ قدیم فلاسفہ کی یہی رائے ہے، کہ الالہ الواحد میں کوئی تبدیلی اور حرکت نہیں ہے۔

جہمیہ ومعتزلہ کی نفی صفات کا فلسفہ

جدید افلاطونی فلسفہ اور بعض نصرانی فلاسفہ کا یہی مذہب ہے۔ مسلم فلاسفہ، مفکرین اور صوفیا کا بھی یہی مذہب ہے۔ جن میں ابن عربی اور حلاج سرفہرست ہیں کہ اللہ اور عالم ایک ہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وحدۃ الوجود کا مسئلہ بیک وقت عقل وفلسفہ کا مسئلہ بھی ہے اور وجدان و تصوف کا بھی۔ دونوں کے باہم متضاد ہونے کے باوجود یہاں مادیت وروحانیت ایک نقطہ پر متفق ہیں۔ فرق صرف یہ ہے:

① عقل پرست مادیت کے پرستار فلاسفہ وملحدین کہتے ہیں۔ وجود ایک ہے جو ازلی وابدی

ہے اسے فنا نہیں اور وہ ہمیشہ سے ہے یعنی عالم قدیم ہے حادث نہیں۔ اس کا منشا اللہ کی صفت تخلیق اور قیومیت کا انکار ہے۔ مادہ کی حرکت وتغیر اور تبدیلی اور اس کی صور واشکال مادہ کا طبعی خاصہ ہے۔

② صوفیا اور وجودی کہتے ہیں کہ کائنات میں وجود ایک ہی ہے جو ازلی وابدی ہے اور وہ اللہ ہے جس کو فنا نہیں۔ اور اس وجود میں جو حرکت، تغیر وتبدل اور صور واشکال ہیں اللہ کا ظہور اور اس کی تجلیات ہیں۔ گویا ان کے نزدیک بھی عالم قدیم ہے حادث نہیں۔ اس کے برعکس اللہ کا فرمان ہے:

﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۤىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾

(۳۹/ الزمر: ٦٢-٦٣)

"اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔ آسمان اور زمین کی کنجیاں اسی کیلئے ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا وہ لوگ ہی خسارہ پانے والے ہیں۔"

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

(۳۰/ الروم: ۲۷)

"اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اُسے دوبارہ پیدا کریگا اور یہ اُسے بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اُس کی شان بہت بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔"

3 حلول واتحاد

حلول کسی شے کے دوسری شے میں اتر جانے، تحلیل ہو جانے اور اس کے ساتھ خاص ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کے متکلمین، فلاسفہ اور صوفیا نے اپنی اپنی آرا کے مطابق لفظ حلول کو مخصوص اصطلاح کیلئے استعمال کیا ہے۔ متکلمین جسم اور اس

کے مکان کے مابین اور عرض اور وجود کے مابین تعلق کیلئے حلول کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

فلاسفہ روح اور بدن یا عقل فعال اور انسان کے درمیان تعلق کیلئے حلول کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

اور صوفیا کے نزدیک لاہوت (اللہ) اور ناسوت (انسان) کے باہم تعلق کا نام حلول ہے۔ اصلاً یہ نصاریٰ کے نسطوری، یعقوبی اور ملکانی مذہبی فرقوں کی رائے ہے۔ (الموسوعہ)

نظریہ حلول کے قائلین کو "حلولیہ" کہتے ہیں۔ غالی روافض وشیعہ، باطنی اور دروز وغیرہ فرقوں کا یہی مذہب ہے۔ صوفیا میں سے منصور حلاج اس کا داعی تھا۔

پیروانِ شریعت اہلِ علم وایمان اور ائمہ اسلام کے نزدیک یہ عقیدہ الحاد وزندقہ ہے۔

اصلاً یہ تینوں نظریات ایک ہی اصل پر قائم ہیں وہ ہے۔ اللہ کی اپنی یا اس کی طرف سے اس کے نبیوں اور رسولوں کی بیان کردہ صفات عالیہ کا انکار اور اس کے بارے میں اپنی وضع کردہ صفات کا اقرار، کبھی بندے کا فنا فی اللہ ہو کر اس کے وجود میں متحد ہو جانا اور کبھی اللہ کے اپنے اندر حلول کرنے کا دعویٰ کرنا۔ قرآن کے مطابق یہ یہود ونصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی اس عقیدے کو اپنا کر اپنی نسبت اسلام کی طرف کرے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اسلامی عقیدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ﴾

(۹/ التوبة: ۳۰)

"اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔"

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ﴾

(۵/ المائدة: ۱۷)

"جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ ہیں وہ بیشک کافر ہیں۔"

یہ عقائد ظہور اسلام سے ہزاروں سال قبل متعارف تھے۔ مسلمانوں میں یونانی فلسفہ اور یہود ونصاریٰ کی تعلیمات سے در آئے ہیں۔ یہاں یہ صوفیانہ نظریات زمانہ قدیم سے ہندو

مذہب کا حصہ ہیں۔ان کے ہاں جس شخص کے اندر خدا حلول کرے اسے اوتار کہا جاتا ہے۔ رام چندر جی کرشن ہندوؤں کے ایسے ہی اوتار ہیں۔جنہیں خدائی صفات کے حامل سمجھا جاتا ہے۔

﴿تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ (١٦/ النحل: ٣)

”اس کی ذات ان (کافروں) کے شرک سے بلند و بالا ہے۔“

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ﴾ (٣٧/ الصافات: ١٨٠)

”یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے پاک ہے۔“

(لَا أُحْصِى ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ)

عقل پرستی اور عقل دشمنی

جیسے فلاسفہ و متکلمین دونوں گروہ عقل پرستی میں حدود سے تجاوز کر گئے ہیں، ویسے ہی یہ صوفیا حضرات عقل دشمنی میں مبتلا ہیں اور کوہ قاف کی جناتی خبروں پر اعتماد کر کے اپنے کشف و الہام کی بنیاد پر ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ کسی میں عقل کا شائبہ بھی ہو تو انہیں ہفوات سے زیادہ کوئی حیثیت نہ دے۔ان کے شطحات واحوال اور سکر کی حالتیں شیطان کا دھوکہ اور کشف والہام اور مشاہدے جو ماورائے عقل ہوتے ہیں، وہ سب ان حضرات کے ذاتی میلانات ورجحانات کا نتیجہ ہیں۔انکے باطل افکار ہی ان کے تصور میں مجسم ہو جاتے ہیں۔ان کے صحیح اور غیر صحیح میں تمیز کیلئے ان کے پاس کوئی معیار نہیں ہے۔اس لیے ذات وصفاتِ الٰہیہ کے بارے میں ان کی آرا کی دین وشریعت کے میزان میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔وحدۃ الشہود، وحدۃ الوجود اور حلول واتحاد ان کی معرفتِ الٰہی کا منتہیٰ ہے۔اس کی بنیاد وحی الٰہی کے بالمقابل کشف والہام اور ذوق ووجدان پر ہے۔جس کے متعلق اس کوچۂ تصوف کے راہ نورد اور اس راہ کے قدیم مسافر اور محرم راز اور تجربہ کار مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ (م۱۶۲۴ھ) فرماتے ہیں۔

1885

"کشف سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے۔ وہ شہود ہی شہود ہے۔ اور حقیقت نہیں بلکہ غایت فی الباب یہ ہے کہ خدا کا شہود ہو ہی نہیں سکتا۔ پس ایمان بالغیب کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" (مکتوبات دفتر ثانی مکتوب نمبر۹)

مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں یہ بات بتکرار کی ہے کہ عقل انسانی انبیائے کرام کی مدد اور راہنمائی کے بغیر صانع عالم کا اثبات تو کر سکتی ہے اور اس کے وجود کو ضروری قرار دے سکتی ہے۔ لیکن اس کی ذات وصفات کی صحیح معرفت اور تقدیس وتنزیہ اور توحید صحیح کے مقام تک نہیں پہنچ سکتی اور ایک مکتوب میں اس کی تصریح ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

"خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس دولتِ عظمیٰ کے ثابت کرنے سے قاصر ہے اور ان حضراتِ انبیا کی ہدایت کے بغیر اس دولتِ سرا کا راستہ پانے سے عاجز ہے۔"

(مکتوب نمبر۲۲ بحوالہ منصب نبوت ابوالحسن ندوی)

اسی طرح انہوں نے ایک اور مکتوب میں تفصیل سے وضاحت کی ہے کہ

"پیغمبروں کی بعثت اللہ کی ذات وصفات اور احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے اور یہ کہ عقل وکشف دونوں کا خالص اور بے آمیز ہونا ممکن نہیں وہ جسم عنصری کے اثرات، قوتِ واہمہ کے تخیلات، رذائلِ اخلاق اور بشری کمزوری سے کلیۃ مبرا اور آزاد نہیں ہو سکتے۔" (دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶)

الغرض جیسے عقل پرستوں نے صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اپنی بے عقلیوں اور نادانیوں کے ثبوت فراہم کیے اس سے کئی گنا بڑھ کر ان عقل دشمنوں نے جرأت کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک فریق کی مساعی کا نتیجہ ذات باری تعالیٰ کی اسکی صفات سے تعطیل ہے تو دوسرے فریق کے کشف ووجدان کا نتیجہ ان کا کلی یا جزوی الوہیت کا دعویٰ ہے جو وحدت وحلول کی اصطلاحات کے پردے میں کیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَآ أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا﴾ (۱۸/ الکہف:۱۵)

"میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور

نہ خود ان کو پیدا کرنے کے موقع پر، میں ایسا نہیں ہوں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بناؤں۔"

ان عقل دشمن حضرات کی جملہ ہفوات کی اساس ان کے کشف، مشاہدے اور دیدار الٰہی کے واہمے ہیں۔ کتاب وسنت کی واضح اور صریح نصوص بتاتی ہیں کہ اس دنیا میں ان آنکھوں کے ساتھ مشاہدۂ حق اور دیدارِ الٰہی ممکن ہی نہیں۔ فرمایا:

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ﴾ (٦/ الأنعام: ١٠٣)

"آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک رکھتا ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر نبی اور رسول ہونے کے باوجود تجلی الٰہی برداشت نہ کرسکے تو انبیا کے علاوہ دوسروں کیلئے اسے برداشت کرنا کیسے ممکن ہے۔؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((حِجَابُهُ النُّورُ لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ)) (رواه مسلم، الإيمان)

"اللہ کا حجاب نور ہے، اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اپنے چہرے کے انوار سے جہاں تک وہ دیکھے وہاں تک اپنی ساری مخلوق کو جلا دے۔"

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر معراج میں اللہ کو دیکھا اس نے جھوٹ بولا۔ (بخاری، التفسیر، سورۃ النجم)

صوفیا کے ان تمام احوال وکشوف کا منبع ومصدر رہبانیت ہے اور رہبانیت کی یہودیت ونصرانیت کی بگڑی ہوئی شریعتوں اور ہندو مت میں تو گنجائش ہے مگر اسلام میں اس کی اجازت نہیں۔ فرمایا:

﴿ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ ﴾

(٥٧/ الحديد: ٢٧)

"اور رہبانیت تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی (تھی) ہم نے ان کو اسکا حکم نہیں دیا تھا مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) اللہ کی خوشنودی حاصل

کرنے کیلئے (آپ ہی ایسا کرلیا تھا)۔"

جب اصل الاصول ہی بے اصل ہے تو اس کے فروع اور ان فروع کے نتائج کی کیا قدر و قیمت ہوگی۔؟

خلاصہ کلام یہی ہے کہ:

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے علاوہ معرفت الٰہی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

اسی عظیم الشان حقیقت کو اللہ نے اہلِ جنت کی زبان سے قرآن کریم میں ذکر کیا، جو سچے بھی ہیں اور تجربہ کار بھی اور وہاں جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں ہوگا۔ فرمایا:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ﴾ (۷/ الأعراف: ۴۳)

"تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں اس جگہ کیلئے ہدایت بخشی اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا تو ہم اس کی راہ نہ پا سکتے۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق بات لیکر ہمارے پاس آئے۔

اللّٰهم إنا نسألك الهدى و التقى و العفاف و الغنى

ان گروہوں میں قدرِ مشترک وحی الٰہی پر عدم اعتماد ہے

امتِ مسلمہ میں ذات وصفات باری تعالیٰ اور اس کے نازل کردہ دین ومذہب کے بارے میں تشکیک کا سبب بننے والے، حق وباطل میں التباس کا باعث اور تاویل وتحریف کا راستہ ہموار کرنے والے ان تینوں گروہوں کی اصل ایک ہی ہے۔ ان سب کے ڈانڈے فلاسفۂ یونان اور دیگر غیر مسلم تہذیبوں سے ملتے ہیں۔ جن کو انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھا کر مسلمانوں میں رواج دینے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں باہم بظاہر تضاد اور شدید تناقض ہونے کے باوجود فکری وعملی قربتیں موجود ہیں۔ جبکہ محدثین کرام کو ہمیشہ یہ لوگ اپنی تنقید یا استہزا کا نشانہ بناتے ہیں۔ مثلاً:

فلاسفہ ومتکلمین خالص عقل پرست ہیں۔ عقلی استدلال ہی ان کی کل کائنات اور ان کا علمی وفکری سرمایہ ہے۔

اس کے برعکس صوفیا کی ساری تحریک عقل دشمنی پر مبنی ہے۔ دین وشریعت کا بہت کچھ ماورائے عقل ضرور ہے مگر خلافِ عقل کچھ نہیں ہے۔ صوفیا کے اکثر وبیشتر عقائد اور اعمال جو ان سے شطحات واحوال میں سرزد ہوتے ہیں عقل وخرد کے منافی ہیں۔ اس تضاد کے باوجود یہ دونوں گروہ یونانی فلسفہ پر متفق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عصر جدید میں جنم لینے والی مغرب کی بے خدا تہذیب اور اللہ رب العزت اور اس کے نبیوں کی تعلیمات کے خلاف بغاوت پر مبنی ''روشن خیالی'' جو سیکولرزم اور لادینیت کا دوسرا نام ہے۔ اور وہ عقل وشعور کو ہی اپنا معبود مانتی ہے۔ اس کی اشاعت کیلئے صوفی ازم ایک موزوں ترین فورم سمجھا جاتا ہے۔ برصغیر میں انگریزی استعمار کے دنوں میں تصوف کے علمبردار اور خانقاہی نظام کے ذمہ داروں کو سرکار و دربار میں خاص مقامات حاصل تھے۔ اور ان ''شرفا'' کو آج بھی امریکی ویورپی حلقوں میں پذیرائی سے نوازا جاتا ہے۔

انگریز کا مزاج بھی کتنا لطیف ہے
جو بھی شریف ہے اس کا حلیف ہے

روشن خیالی کی تازہ لہر جس نے دیو استبداد امریکی یلغار کے ساتھ مسلم ممالک کا رخ کیا ہے۔ اس کے استقبال کیلئے بھی انہیں صوفی ازم ہی سب سے موزوں نظر آیا ہے۔ جو مسلم حلقوں میں ان کے لیے راہ ہموار کر سکتا ہے۔ گویا روشن خیالی اور تصوف ایک ہی فکر کے دو رخ ہیں۔ جو بظاہر متضاد اور درحقیقت متحد ہیں۔ دوسری طرف اہلِ حدیث اور محدثین کی جماعت ہے جسے ہر دور کے ملحدین نے اپنا دشمن نمبر ایک یا مخالف یا کم از کم اپنے لیے انتہائی غیر مفید قرار دے کر مسترد کیا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ.

اور یہ اعزاز انہیں صرف اور صرف توحید خالص پر سختی سے کاربند رہنے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴾ (۳۹/ الزمر: ۴۵)

"اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل منقبض ہو جاتے ہیں اور جب اُس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔"

گویا ان گروہوں میں قدرِ مشترک توحید خالص سے انحراف اور وحی الٰہی پر عدم اعتماد اور علومِ نبوت سے بیزاری ہے۔ جبکہ محدثین کرام کا سرمایۂ افتخار توحید خالص، ذات و صفات باری تعالیٰ پر غیر متزلزل ایمان، وحی الٰہی اور علومِ نبوت پر مکمل یقین اور کتاب و سنت سے گہرا اور مخلصانہ تعلق ہے۔

﴿ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾ (۲۳/ المؤمنون: ۵۳)

"جو چیز جس فرقے کے پاس ہے وہ اسی سے خوش ہو رہا ہے۔"

اُنہیں اپنی عددی اکثریت اور عقلی برتری پر فخر ہے اور انہیں اپنے ایمان و یقین اور تعلق باللہ پر اعتماد ہے۔

﴿ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ﴾ (۱۹/ مریم: ۷۵)

"تو (جلد ہی) جان لیں گے کہ کس کا مقام برا اور کس کا لشکر کمزور ہے۔"

﴿ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا﴾ (٧٢/ الجن: ٢٤)

''تب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی گنتی کم تر ہے۔''

مفکرین اور فقہائے اسلام کا طرز فکر و عمل

بلاشبہ ہمارے مسلمان مفکرین کی اسلام کیلئے خدمات قابل قدر ہیں، انہوں نے عقائد کے باب میں بہت کچھ لکھا، فلاسفہ، سائنس دانوں، منکرین اور ملحدین کے حملوں کا خوب مقابلہ کیا، اور عقل پرست ذہنوں کی تسکین کیلئے بڑی محنت کی، مگر وہ خود ایک مخصوص مذہبی ماحول اور علمی فضا میں پرورش پانے کی وجہ سے توحید کے دقیق مسائل کا ادراک کرنے سے قاصر رہے اور اسکی حقیقی اہمیت تک ان کی رسائی نہ ہو سکی اور بحث و مباحثہ کے اس طویل سلسلے میں وہ اپنے آپ کو وحی الٰہی کے مضبوط حصار میں محفوظ رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے، بلکہ مخالفین انہیں اس سے نکال کر کلامی مباحث میں الجھانے میں کسی حد تک کامیاب ہو گئے، نتیجتاً مسلمان اہلِ علم کے ہاں بھی مسئلہ توحید علم کلام کا ایک حصہ بن کر رہ گیا، اور ذاتِ باری تعالیٰ بھی اسکی پیدا کردہ مخلوقات و موجودات کیطرح زیر بحث آنے لگی، جو اللہ کی عظمت و جلال کے شایانِ شان نہیں ہے۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسئلۂ علمِ کلام

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں بحث و تمحیص اور گفتگو کی حدود و قیود کتاب وسنت میں متعین ہیں، ان کی پاسداری ضروری ہے، مخالفین جو بھی حربہ استعمال کریں اہلِ ایمان ان حدود و قیود سے تجاوز نہیں کر سکتے انکے ایمان و یقین اور ادب و احترام کا یہی تقاضا ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يُقَالَ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهَ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ)) (متفق عليه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ

ہمیشہ باہم سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جائیگا اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ تو جو شخص اس قسم کے خیالات محسوس کرے اسے یہ کہنا چاہیے "میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔" (بخاری ومسلم)

ہر سوال کا جواب دینا، ہر مسئلہ زیر بحث لانا اور مخالفین کے ساتھ ہر سطح پر بات کرنا اور ان کی ہدایت کیلئے بے جا قلق میں مبتلا ہونا اہلِ ایمان کے فرائض میں داخل ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو قرآن کریم میں متعدد اسالیب سے اس کی نصیحت فرمائی۔ فرمایا:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ﴾ (٦/ الأنعام:٦٨)

"اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہوں تو اُن سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسری باتوں میں مصروف ہو جائیں۔"

﴿ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ﴾ (٣٥/ فاطر:٨)

"تو اُن لوگوں پر افسوس نہ کر کہ تمہارا دم نکل جائے۔"

﴿ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (٢٩/ العنکبوت:٤٦)

"اور اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے کہ نہایت اچھا ہو۔"

﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴾ (٢٦/ الشعراء:٣)

"(اے پیغمبر) شاید تم اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے تئیں ہلاک کر لو گے۔"

﴿ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴾

(٦/ الأنعام:١٤٩)

"کہہ دو کہ اللہ ہی کی حجت غالب ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔"

وغیرها من الآیات

فقہائے مقلدین کا متضاد رویہ

یہی صورت حال ہمارے فقہائے مقلدین اور مفکرینِ اسلام کی ہے۔ وہ عجیب ذہنی وفکری انتشار کا شکار ہیں۔ عقائد میں ان کی کوئی سمت اور جہت نظر نہیں آتی۔ چنانچہ ایک طرف ان فقہائے کرام اور علمائے اسلام نے باب اجتہاد کو مسدود قرار دینے میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں، امت کو دین وشریعت کی وسعتوں اور کمال وشمول کی برکتوں سے محروم رکھنے کی غلطی کا ارتکاب کیا۔

یہ حضرات فقہا نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں تفقہ اور اجتہاد کو شجرِ ممنوعہ سمجھتے اور قدیم فقہی ترکے کو مقدس دینی ذخیرہ سمجھ کر حرف بحرف اس کی پیروی کرتے اور اس کی روشنی میں فتویٰ دیتے ہیں اور تقلید وجمود ان کا شعار ہے۔ اور وہ اس قدیم فقہی سرمایہ سے سرمو تجاوز کرنے کو اپنے اکابر کی گستاخی پر محمول کرتے ہیں۔

دوسری طرف عقائد وایمانیات اور اصولِ دین کے بارے میں وارد صحیح اور صریح نصوصِ کتاب وسنت کی تاویل میں اس قدر اجتہادی ہمت وجرأت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ انہیں سلف صالحین، صحابہ وتابعین کے علمی مقام ومرتبہ کی پاسداری بھی نہیں رہتی، اور فہم دین میں ان کے ہاں متداول اصول وقواعد کی پروا کیے بغیر ان نصوص اور ان میں مذکور صفاتِ الٰہیہ کی تحریف نما تاویل کر لیتے ہیں۔ اس میں اتباعِ سلف کی پروا کرتے ہیں اور نہ تقلید ائمہ کی۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ اہلِ علم وایمان محدثین کرام کا مذاق بھی اڑاتے ہیں اور انہیں حشویہ، ظاہریہ، مجسمہ اور غیر فقیہ ہونے کے طعنے دیتے ہیں۔ اہلِ کلام کو اہلِ حدیث پر ترجیح دیتے ہیں، اور کہتے ہیں:

﴿ هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴾ (٤/ النساء: ٥١)

''یہ لوگ راہ چلنے میں ان لوگوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں جو ایمان لائے۔''

عقائد اور تقلید ائمہ

اس باب میں یہ لوگ اس حد تک حد سے گزر گئے کہ ان میں سے حضراتِ احناف نے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو امام اعظم کہتے ہیں۔ اور فروع دین میں ان کے اقوال کو حجت قرار دیتے اور ان کی تقلید کو واجب کہتے ہیں۔ انہوں نے ''فقہ اکبر'' کے اس مصنف کو ''فقہ اکبر'' کے مسائل یعنی عقائد و ایمانیات میں خیر باد کہہ دیا اور چوتھی صدی ہجری کے ایک متکلم ابو منصور ماتریدی کے کلامی مباحث سے متاثر ہو کر ان کی تقلید کا پٹہ اپنے گلے کا زیور بنا لیا، اور علمِ کلام کو اشرف العلوم قرار دیکر اسے ہی معرفت الٰہی کیلئے اور دنیا و عقبیٰ کی سعادت کا ذریعہ سمجھ لیا، اس لیے کہ ان کے نزدیک علمِ کلام کے عقلی دلائل و براہین قطعی حجتیں ہیں اور سمعی دلائل ان کی مؤید ہیں۔ شرح عقائد نسفی میں ہے۔

(وبالجملة هو أشرف العلوم لكونه اساس الأحكام الشرعية ورئيس العلوم الدينية وكون معلوماته العقائد الإسلامية وغايته الفوز بالسعادات الدينية والدنيوية وبراهينه الحجج القطعية المؤيدة اكثرها بالأدلة السمعية) (شرح النسفية ، ص: ٣١)

''بہر حال (متقدمین اور متاخرین کا علم کلام) تمام علوم سے زیادہ شرف کا حامل ہے۔ اس لیے کہ وہی احکام شریعت کی اصل، اس کی معلومات چونکہ اسلامی عقائد ہیں، اور اس کی غایت اور مقصد چونکہ دینی و دنیوی سعادتوں کا حصول ہے، اس کی براہین چونکہ قطعی حجتیں ہیں جن کی اکثریت کی تائید سمعی دلائل سے ہوتی ہے، اس لیے وہی دینی علوم کا سردار علم ہے۔''

مزید فرماتے ہیں:

''ثم لما كان مبنى علم الكلام على الإستدلال بوجود المحدثات على وجود الصانع وتوحيده وصفاته'' (ایضا)

''جبکہ علم کلام کی بنیاد صانع کے وجود اور اس کی توحید اور اس کی صفات اور اس کے افعال پر مخلوقات کے وجود سے استدلال کرنے پر ہے۔''

ان حضرات احناف نے اسی عقائد نسفیہ کو اپنا عقیدہ بنا رکھا ہے، اور امام طحاوی حنفی کی عقیدہ طحاویہ اور اس کی شرح ''شرح الطحاویۃ'' لابن ابی العز الحنفی سے یہ لوگ دست کش ہو گئے ہیں اس سے ان کی تقلید متاثر ہوئی اور نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ادب واحترام میں کوئی فرق آیا۔ اور محدثین کرام نے کتاب وسنت کے واضح دلائل کی روشنی میں ائمۂ فقہ سے اختلاف کیا تو انہیں غیر مقلدیت، لامذہبیت اور بے ادبی کے طعنے دیئے گئے۔ ایں چہ بوالعجبی است

یہی صورتحال شوافع کی ہے۔ انہوں نے امہات المسائل میں ''الرسالہ'' اور فروع میں ''کتاب الام'' کے مصنف امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ کی بجائے چوتھی صدی کے ایک عراقی متکلم ابوالحسن اشعری کو امہات دین میں اپنا مقتدیٰ بنالیا۔ حالانکہ خود علامہ اشعری نے اپنے کلامی مسلک سے رجوع کر کے اہل السنۃ والحدیث کا مذہب اختیار کرلیا تھا۔ اور اس باب میں امام احمد بن حنبل امام اہل السنۃ کو اپنا امام تسلیم کرلیا تھا۔

(ملاحظہ ہو، مقالات الإسلاميين ج ١ ص ٣٤٥)

ان حضرات کی غلط فہمی اور ان پر حق وباطل میں التباس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے قدیم اہلِ بدعت معتزلہ اور متکلمین کی کتابوں کا مطالعہ کیا، ان کا بحث وجدل اور مناقشہ ومناظرہ کا طریقہ کار دیکھا۔ ایمانیات، عقائد اور صفات کے باب میں ان کے فلسفیانہ ومتکلمانہ مناہج سے یہ لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کے خیال میں عقائد کے اثبات کیلئے یہ عقلی طریقہ محدثین کے سیدھے سادھے نقلی طریقے کی نسبت انہیں زیادہ زوردار اور منطقی اعتبار سے زیادہ قابل اعتماد نظر آیا۔ ان فقہا ومفکرین نے افہام وتفہیم دین کیلئے دل کی بجائے دماغ کو زیادہ اہمیت دی۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

(أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ)

بالآخر ان لوگوں پر متکلمین کے اس ضابطے کا اثر ہو ہی گیا، جو سلف صالحین کے علوم ومعارف پر ایک جارحانہ تبصرہ تھا۔

"إن طريقة السلف أسلم وطريقة الخلف أحكم"

''سلف کا طریقہ زیادہ سلامتی والا تھا اور خلف کا طریقہ استدلال زیادہ محکم ہے۔''

سلف صالحین کا مقام

حالانکہ سلفِ صالحین، صحابہ وتابعین امت میں سب سے بڑھ کر کتاب وسنت کا علم رکھتے تھے۔ دل ودماغ کی صفائی اور اخلاص میں بھی وہ چیدہ وبرگزیدہ تھے۔ عہدِ نبوی اورنزولِ قرآن سے قربت کا شرف بھی ان کو حاصل تھا۔ وحی ُالٰہی کتاب وسنت پر ان کا اعتماد بھی متاخرین کیلئے چراغ راہ ہے۔ اتباعِ رسول ان کا شیوہ تھا۔ بدعت سے انہیں نفرت تھی۔ اللہ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اتباع کیلئے پسند فرمایا۔ قرآن کریم نے ان کے تزکیہ کی شہادت دی۔ دین وشریعت میں ان کی طرف سے کسی کمی وبیشی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ متاخرین جو اہلِ بدعت اور فلاسفہ کے علوم سے متاثر ہوئے ہیں۔ وہ سلف کے مقام ومرتبہ اور ان کے طریقۂ استدلال اور اس کی قوت وتاثیر کا ادراک نہیں کرسکے۔ اور سلفی معتقدات کی قدر وقیمت سے آگاہ نہیں ہوسکے۔ اس طرح وہ ان کے علوم ومعارف کی فیوض وبرکات سے محروم رہے، اور سلفی واثری کی بجائے اشعری، ماتریدی کی نسبت اختیار کی۔

﴿وَاللّٰهُ يَهْدِى مَنْ يَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

اہل سنت اور تاویلِ صفات کا فتنہ

عہدِ اسلام کی پہلی تین صدیوں تک اہل السنۃ والجماعۃ اسماء وصفات پر مشتمل نصوصِ کتاب وسنت کی تاویل سے بالکل نا آشنا تھے، ان کو ظاہری معانی پر محمول کرتے اور اس کے مطابق ان پر ایمان لاتے تھے، اور ان کی تاویل سے تعرض نہیں کرتے تھے۔

دین کا یہ اصل الاصول انہوں نے نبی ﷺ اور صحابہ کرام سے ورثہ میں پایا تھا، اور اسی پر انہیں اعتماد تھا۔ ماسوا معیت وغیرہ جیسے ایک دو مسائل کے جن کی تاویل کی دلیل کتاب وسنت سے ملتی ہے۔ اور جب اہل السنۃ اور معتزلہ کے مابین ایمانیات اور مسئلۂ صفات میں علمی معرکہ برپا ہوا، اور معتزلہ نے صفات الٰہیہ کی کلیۃً نفی کی، تو اہل السنۃ نے انکے خلاف مباحثوں اور مناظروں میں کتاب وسنت سے استدلال کیا اور انہی پر اعتماد کیا اور عقلی ومنطقی اور فلسفیانہ طرقِ بحث کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔

آزمائش وابتلا کے وقت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ عباسی خلیفہ معتصم کے جواب میں اس کے اصرار کے باوجود ایک ہی بات دہراتے رہے۔اوروہ بڑی معقول اور لاجواب دلیل تھی۔

"اعطونی شیئاً من کتاب اللہ تعالیٰ أو سنة رسول اللہ ﷺ"

یہی موقف امام بخاری رحمہ اللہ کا رہا، اہل السنۃ ہمیشہ اسی پر قائم رہے۔

اسماء وصفات باری تعالیٰ میں الحاد کا آغاز زمانہ قبل از مسیح افلاطونی فلسفہ سے ہو گیا تھا۔ یہودیت ونصرانیت مسئلۂ توحید میں افلاطون اور ارسطو کے فلسفہ میں تحلیل ہو چکی تھی۔ جو تعدد صفات کو تعدد آلہہ پر محمول کرتے تھے۔ مشرکین مکہ بھی اسی فتنے کا شکار تھے۔ جس کے جواب میں ارشاد باری تعالیٰ نازل ہوا۔

﴿ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ ﴾

(۱۷/ الاسراء: ۱۱۰)

"کہہ دیجئے! اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر اسے جس نام سے بھی پکارو گے تو اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔"

"فلاسفۂ اسلام" ابن سینا اور فارابی وغیرہ نے اس فلسفۂ الحاد کو اسلام کا لبادہ اوڑھایا۔ متکلمین نے اسے منطقی دلائل سے قوت مہیا کی اور اسلامی سرحد عبور کرنے کیلئے پل کا کردار ادا کیا۔

حلاج اور ابنِ عربی وغیرہ صوفیا کے گروہ نے اسے زہد وتصوف کا لباس پہنا کر مسلمانوں کیلئے قابل قبول اور پرکشش بنایا۔

معتزلہ نے اسکی نشر واشاعت کیلئے محنت کی اور اہل سنت سے مناظرے اور مباحثے کیے اور اس الحاد کو مسلمانوں میں زبردستی ٹھونسنے کیلئے سرکار ودربار میں رسائی حاصل کر کے اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا۔

مگر اہل السنۃ والحدیث آڑے آتے رہے اور ہر میدان میں لڑتے رہے اور ان میں سے کوئی کوشش کامیاب نہیں ہونے دی۔

مگر چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں جب معتزلہ میں سے دو بڑی شخصیتوں:

عراق میں ابوالحسن اشعری (م ۳۲۴ھ)

بلاد ماوراء النہر میں ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی (م ۳۳۳ھ) نے اعتزال سے توبہ کی اور رجوع الی الحق کا اعلان کر کے اہل السنۃ میں شامل ہوئے تو اہل السنۃ نے خوش دلی سے ان کا استقبال کیا، انہیں پذیرائی بخشی، اشعری و ماتریدی یا ان کے اتباع تو اعتزال سے نکل آئے مگر اعتزال کے جراثیم ان سے نہیں نکل سکے۔

جلد ہی حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ وہ لوگ کچھ صفات کا ان کے ظاہری معانی کے مطابق اقرار کرتے ہیں اور باقی کی تاویل کرتے ہیں۔

اس اختلاف کی وجہ سے اہل السنۃ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

۱۔ اہل الحدیث اور حنابلہ: جو صفات باری تعالیٰ کے معانی کے اثبات میں ظاہر نصوص سے تمسک کرتے تھے۔ اور اللہ کی ذاتِ پاک کو اس کی مخلوق کے ساتھ ہر قسم کی مشابہت سے پاک اور منزہ قرار دیتے تھے۔

۲۔ اشاعرہ و ماتریدیہ: جو چند صفات کا ظاہر نصوص کے مطابق اقرار کرتے تھے۔ ان میں خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت کی نفی کرتے تھے۔ باقی صفات کی تاویل کرتے تھے اس لیے کہ ان کی نظر میں ان صفات کے اثبات و اقرار سے خالق کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ لازم آتی ہے۔

اس طرح فتنۂ تاویل نے اہلِ سنت کے معتبر علمی حلقوں میں اشعری و ماتریدی کے ناموں سے رسائی حاصل کی اور رواج پایا۔ اور آج تک بڑے بڑے علما، فقہ، مفکرین اور اساطینِ علم اس کی زد میں ہیں۔ الا من رحم اللہ

طائفۂ منصورہ اور فرقۂ ناجیہ اہل الحدیث اور حنابلہ کے سوا کوئی بھی اس فتنہ سے کما حقہ محفوظ نہیں رہ سکا۔

اس فتنہ کی بنا پر تباہ کاریوں اور امتِ مسلمہ میں اس کے آثار سیئہ کی تفصیلات کے ذکر کا یہ محل نہیں ہے۔ اس کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب (''الصواعق المرسلۃ'')

اس فتنہ سے تاثر کی دو مثالیں

اہلِ سنت کے آخر الذکر گروہ کے اس فتنے سے متاثر ہونے کی دو مثالیں ذکر کر کے ہم بات ختم کرتے ہیں۔

دار العلوم دیوبند کے استاذِ حدیث مولانا ریاست علی بجنوری رقمطراز ہیں۔

''محدثین نے بھی اس سلسلے میں اپنے ذوق اور انداز کے مطابق کام کیا۔ مگر ان کی خدمات کا حاصل فرقِ باطلہ کے نظریات کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو یکجا کرنا ہے۔ ان حضرات نے مسئلہ کی تنقیح کی ذمہ داری کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ بسا اوقات یہ بھی واضح نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے غلط افکار و نظریات کی تردید کے سلسلے میں انکا طرز استدلال کیا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ان حضرات کا میدان بھی نہیں تھا۔ ان کی جانب سے جتنا کام وجود میں آیا وہ اس میدان کے علما کی راہنمائی کے سلسلے میں انتہائی کارآمد ثابت ہوا۔

چنانچہ متکلمینِ اسلام نے جو اس میدان کے مردانِ کار تھے، اپنا منصبی فرض ادا کیا۔ انہوں نے صحیح اسلامی عقائد کو عقل اور نقل کے دلائل سے ثابت کیا۔ اندرونی اختلافات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اشکالات واعتراضات کی جواب دہی کی، اور ان اندرونی فرقوں کی جانب سے پیش کئے جانے والے غلط افکار و نظریات کی تردید کا تفصیلی کام کیا۔''

(مقدمه بیان الفوائد فی حل شرح العقائد ، ص٤)

اسی موضوع پر سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ جن کا شمار عصر حاضر کے عظیم مفکرین میں ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

''ان مسائل میں معتزلہ فلسفیانہ طرز پر استدلال کرتے، جس سے لوگ متاثر ہوتے اور سمجھتے کہ معتزلہ دقیق النظر اور محقق ہوتے ہیں۔ ان کی تحقیقات عقل کے قریب ہوتی ہیں۔ معتزلہ کے بالمقابل محدثین اور ان کے ہم مسلک علما نے نئے طرز استدلال کی طرف توجہ نہیں دی۔ جس کا معتزلہ اور فلاسفہ کے اثر سے رواج پڑ چکا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ مباحثہ کی مجلسوں میں محدثین کی یہ کمزوری محسوس کی جاتی تھی۔ اس طرح ظاہر شریعت اور مسلکِ سلف کی بے

توقیری ہورہی تھی۔.........اس لیے اسلام کو ایسی شخصیت درکار تھی جو کتاب وسنت پر کامل عبور رکھنے کے ساتھ عقلیت کے گلی کوچوں سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ ابو الحسن اشعری کی شکل میں وہ جامع شخصیت عطا فرمائی۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت)

ان نقول سے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ فقہا و مفکرین نے محدثین کی مساعی جمیلہ کو دقتِ نظر سے دیکھا ہی نہیں جن کی بدولت ان فرقِ باطلہ کا وجود ہی ناپید ہو گیا ہے۔ اور جن متکلمین کی علمی کاوشوں کو یہ لوگ قابل قدر سمجھتے ہیں وہ خود اپنے آپ کو بھی ان باطل نظریات سے محفوظ نہیں رکھ سکے بلکہ اہل السنۃ میں ان کی نشر واشاعت کا سبب بنے۔

ائمہ حدیث کی کتبِ ستہ اور ان کے ضمن میں فرق باطلہ کی مدلل تردید کے علاوہ کتاب التوحید اور کتاب الایمان کے نام سے درجنوں مدلل مؤلفات کے باوجود محدثین کے کام پر مذکورہ بالا تبصرہ قطعاً قرینِ انصاف نہیں ہے۔ بلکہ اس تبصرے میں محدثین کے ساتھ حدیث وسنت کی تحقیر اور بے توقیری کا تاثر بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسے سفسطائی فلسفہ اور بوژ روائی دلائل وحی الٰہی کی قوت وشوکت کے سامنے ہمیشہ تارِ عنکبوت ثابت ہوئے ہیں ویسے ہی ان فرق باطلہ کے عمائدین اہل الحدیث کے بالمقابل کبھی کھڑے نہیں ہو سکے۔ اس بارے میں اہلِ حدیث کا موقف کس قدر واضح ہے کہ جب تخلیق کائنات اور تدبیر وتصرف کا عمل جاری وساری ہے۔

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾

تو صفاتِ الٰہیہ کی تعطیل، تاویل یا انکار کا کوئی علمی، منطقی اور عقلی جواز قطعاً نہیں ہے۔ یہ بزعم خویش عقل پرست فرقے درحقیقت عقل دشمن ہیں اس لیے اُن کی ظاہر بین نگاہیں حقیقت تک رسائی حاصل کر ہی نہیں سکیں۔

﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَٰفِلُونَ ۝﴾

(۳۰/ الروم: ۷)

''یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو جانتے ہیں اور آخرت (کی طرف) سے غافل ہیں۔''

﴿ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ ٱلسُّفَهَآءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴾ (۲/ البقرة: ۱۳)

''سن لو یہی بے وقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔''

محدثین کرام کے اس قدر واضح اور مدلل موقف کے باوجود یہ تاثر دینا کہ ان کے ہاں بحث و مباحثہ میں کوئی کمزوری پائی جاتی تھی، یا ان کا طریقۂ استدلال معتزلہ کے مقابل غیر مؤثر تھا، یہ متکلمین سے بے جا تاثر کا نتیجہ ہے۔

﴿ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ﴾ (۵/ المائدۃ: ۸)

مسئلہ صفات اور محدثین کرام کی خدمات

گزشتہ صفحات میں مذکور امت کی مذہبی اور عقائدی صورتحال اور پس منظر کو سامنے رکھ کر پوری دیانت داری اور غیر جانب داری کے ساتھ محدثین کرام کی ان علمی، فکری اور عملی خدمات کا جائزہ لیں جو انہوں نے دین کی حفاظت، اس کی نشر واشاعت اور اس کے خلاف فتنوں اور داخلی وخارجی سازشوں کے سدباب کیلئے سرانجام دیں۔ اور کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کی برکت سے اعتصام بالکتاب والسنۃ اور تمسک بالدین میں کامیاب رہے۔

﴿ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (۳/ آل عمران: ۱۰۱)

''اور جس نے اللہ (کی ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیا وہ سیدھے رستے لگ گیا۔''

﴿ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ﴾ (٦٤/ التغابن: ١١)

''جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اُس کے دل کو ہدایت بخش دیتا ہے۔''

نبوت ورسالت کی زبانِ حق ترجمان سے جاری ہونے والی وحی مقدس میں طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ جیسے خوبصورت القاب سے سرفراز ہونے والے گروہ کی طرف نسبت رکھنے والے ان محدثین کرام اور ان کا علمی وعملی منہج اختیار کرنے والی متبع سنت جماعت کو اللہ نے حق پر استقامت کی توفیق سے نوازا۔ وہ اسلامی تاریخ کے کسی دور میں بھی کسی فتنہ کا شکار نہیں ہوئے، حق وباطل میں امتیاز کرنے میں انہیں کبھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی، حق کی اتباع وحمایت اور باطل سے اجتناب اور اسکی مخالفت میں انہوں نے کبھی کسی کمزوری کا مظاہرہ کیا اور نہ مداہنت سے کام لیا، نہ انہیں فلاسفۂ یونان کی علمی ہیبت مرعوب کرسکی، اور نہ ''فلاسفۂ اسلام'' کی تلبیس دھوکہ دے سکی، نہ انہوں نے متکلمین کی ''احسان وتوفیق'' کی کوششوں کو بنظر استحسان دیکھا اور نہ ہی صوفیا وصافیہ کی پرکشش اصطلاحات، احوال وکشوف اور استدراجات سے وہ کبھی متاثر ہوئے۔ دربارِ الٰہی سے سچی اور پختہ وابستگی، مشکوٰۃِ نبوت سے حصولِ علم کے جذبۂ صادقہ کی بدولت علم وعمل اور شریعت وطریقت، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کسی باب میں

بھی انہوں نے ارسطو وافلاطون کے درباریوں کی دریوزہ گری کی نہ کبھی متکلمین کیطرح حسرت وندامت اور پیچ وتاب کا شکار ہوئے اور نہ کبھی منصور حلاج ، ابن عربی کی طرح رہبانیت کی بے کار مشق کی ، ذات وصفات کے بارے میں زندگی کا کوئی حصہ انہوں نے شکوک وشبہات میں گزارااور نہ کبھی معرفتِ الٰہی کیلئے یہودیت،نصرانیت،ہندومت یاباطنیت سے بھیک مانگی۔

یہی مقدس گروہ ہے جوتوحیدورسالت اورآخرت کے بارے میں اپنے راسخ فکر وایمان کی وجہ سے سیاہ رو، سیاہ باطن اورسیاہ کاراسلام دشمنوں کی سازشوں کانشانہ بھی ہےاور روشن خیال اوربزعم خویش وسیع الظرف اپنوں کے تمسخرواستہزا کاہدف بھی۔

انبیائے کرام کاعلمی ترکہ ہی محدثین کاعلمی سرمایہ ہے،اورجیسے رسول اکرم ﷺ تمام انبیاورسل کی تعلیماتِ کاتسلسل ہیں، ویسے ہی آپ ﷺ کےاسوۂ حسنہ اوراقوال وافعال کے یہ راوی اورناقل تعلیماتِ نبویہ اورمنہج سلف صالحین اورمدرسہ صفہ کاامتداد ہیں۔

ادیانِ عالم میں جومقام اسلام کوحاصل ہے وہی مقام اسلام میں محدثین کو حاصل ہے۔

رحمهم الله تعالىٰ

الأسناد خصيصة هذه الأمة

سندوں کا اہتمام امتِ مسلمہ کا امتیازی وصف ہے

ایک لاکھ سے زائد انبیا دنیا میں تشریف لائے اور وہ اللہ کے چیدہ و برگزیدہ اور پسندیدہ بندے تھے، اس کے باوجود ان میں سے کسی کا علم مستند طریقے سے محفوظ نہ رہ سکا۔ صوفیا کی سند کیسے محفوظ رہ سکتی تھی؟ وہاں کم از کم اوپر کی سند تو عن جبریل عن الرب سبحانہ وتعالیٰ محفوظ اور معتمد ہے۔ یہاں تو عقل کے نام پر فلاسفہ کے اوہام و وساوس ہیں، یا منطقی صغروں کبروں سے ماخوذ و مستفاد متکلمین کے نتائج اور مفروضے ہیں یا پھر کشف والہامات پر مبنی حضرات صوفیا کے دعاوی جن کے متعلق خود انہیں معلوم نہیں ہے کہ وہ صداقتیں ہیں یا اکذوبات واغلوطات، کرامات ہیں یا استدراجات، اس صورتحال میں معرفتِ الٰہی کیلئے ان پر اعتماد کیسے ممکن ہے۔ اور معرفتِ الٰہی عبادتِ الٰہی کی اساس ہے ،جس کیلئے اللہ نے ان کو پیدا کیا۔ کیا ایسے اہم ترین معاملے میں ان بے اساس ذرائع علم اور غیر مستند اشخاص پر اعتماد کرلیا جائے اور اپنا مقصدِ تخلیق داؤ پر لگا دیا جائے۔ اور ان کے بے سروپا افکار وخیالات کی روشنی میں رب العالمین سے تعلقات قائم کیے جائیں، جبکہ صورتحال یہ ہے اللہ کی عظمت وجلال کی نشانیاں انفس وآفاق میں پھیلی ہوئی ہیں، اور کائنات کی سب سے اہم دستاویز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں بھی انتہائی واضح اور آسان اسلوب میں بیان کردی گئی ہیں۔

﴿ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ ﴾

(٥١/ الذاريات: ٢٠-٢١)

’’اور یقین کرنے والوں کیلئے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفوس میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں۔‘‘

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾ (٥٤/ القمر:١٧)

’’اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کردیا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔‘‘

﴿ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ ﴾

(۳۸/ ص: ۲۹)

''(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہلِ عقل نصیحت پکڑیں۔''

جہاں تک نیچے کی سند کا تعلق ہے تو وہ پوری کائنات میں صرف اور صرف سید الاولین والآخرین، رسول رب العالمین، رحمۃ للعالمین علیہ افضل التحیات واز کی التسلیمات کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کے اسوۂ حسنہ اور اقوال وافعال یا ان کے صحابہ وتابعین کے اقوال کی سندیں محفوظ ہیں۔ ان سے تا حال جو کچھ نقل ہو رہا ہے، باسند نقل ہو رہا ہے اور اس نقل وروایت کا شرف اللہ نے محدثین کی جماعت کو بخشا۔ اور اپنا ابدی وسرمدی وعدہ ان کے ذریعے پورا فرمایا:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ ﴾ (۱۵/ الحِجر: ۹)

''اور یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اُس کے نگہبان ہیں۔''

اور اللہ کے رسول ﷺ کی یہ دعا بھی انہی کیلئے ہے۔

((نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا ثُمَّ بَلَّغَهَا عَنِّي فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ))

(احمد، ابن ماجه، عن أنس)

''اللہ تعالیٰ اس بندے کے چہرے کو تر وتازہ رکھے جس نے میری بات سنی اسے یاد کیا پھر اسے آگے پہنچایا بہت سے حاملین ادلۂ فقہ (احادیث) غیر فقیہ ہوتے ہیں اور کچھ حاملین دلائل ان تک پہنچانے کا سبب بنتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔''

ناقابل فراموش کارنامے

اسلام کے عہدِ زریں یعنی پہلی تین صدیوں (قرون ثلاثہ) کے عصرِ خوش جمال کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جب تمام مراکز اسلام میں قال اللہ وقال رسول اللہ ﷺ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مشک وعنبر کی طرح دل ودماغ میں رچی بسی اور قوس قزح کی طرح

عالم اسلام میں ہر طرف بکھری ہوئی حضرات محدثین کرام کی قائم کردہ مجالسِ حدیث نبوی کی خوش رنگ ،روح افزا اور خوبصورت یادیں آج بھی فیض یافتگانِ مشکوٰۃ نبوت ،طلبۂ علومِ حدیث اور اہل الحدیث والسنۃ کو سرور و انبساط اور سکون و اطمینان مہیا کر رہی ہیں۔ وہ انہی اسلامی روایات کی پیروی کرتے ہوئے ،اسی طریقے سے بساطِ علم بچھاتے ہیں،نورِ علم وعرفان پھیلاتے ہیں اور نبوت ورسالت محمدیہ کے سراجِ منیر سے لوگوں کے دل ودماغ روشن کرتے ہیں۔اور تشنگانِ علوم کتاب وسنت کی سیرابی کا اہتمام کرتے ہیں ،اور شجرِ اسلام کی آبیاری کرتے ہیں۔

محدثین کرام اپنی اسی عظیم خدمت اور جذبۂ صادقہ کی بدولت ہر دور میں وقت کے حکمرانوں اور حکومت کے ایوانوں اور باطل پرست قوتوں سے ٹکرائے۔کفر وشرک اور بدعت و ضلالت اور باطل افکار ونظریات کا سیلاب بلاخیز روکنے اور حق کا بول بالا کرنے میں کامیاب ہوئے ،وہ بجا طور پر کہہ سکتے ہیں۔

نقش توحید کا ہر دل میں بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

ان حضرات کا اشاعتِ دین کیلئے یہ بے مثال عزم اسلام کی بلند پایہ تاریخ کا زریں ورق اور روشن باب ہے۔جس کی تابانی وضوفشانی اہلِ حق کو ہمیشہ ولولۂ تازہ بخشتی رہے گی اور ان کی اقتدا میں امتِ مسلمہ صراط مستقیم پر بآسانی رواں دواں رہے گی۔اور توحیدِ الٰہی کا آفتاب وماہتاب روشن سے روشن تر ہوتا رہے گا۔(إن شاء الله ـ تحقيقاً لا تعليقاً)

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

ان بدعتی فرقوں اور ان کے پھیلائے ہوئے فتنوں کے بقایا جات کی سرکوبی کیلئے اور ان کے امت میں پھیلائے ہوئے بداثرات اور نشانات مٹانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ساتویں صدی کے آخر میں ایک مجدد دین نادرہ روزگار شخصیت امت اسلامیہ کو عطا فرمائی اور وہ تھے شیخ الاسلام امام احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) جو معارف کتاب وسنت کے بحرِ

ذخار تھے۔ انہوں نے عمر بھر علمی و عملی میدان میں جہمیہ، معتزلہ، فلاسفہ، متکلمین، صوفیا اور ان سے متاثر عقل پرست طوائف اور اشاعرہ وغیرہ کا تعاقب کیا۔ اور انہیں ہر طرح شکستِ فاش دی۔ ''کتاب العقل والنقل'' یا ''درء تعارض العقل والنقل'' اس موضوع پر شیخ الاسلام کی شاہکار تصنیف ہے۔ جو ایک علمی عجوبے سے کم نہیں ہے۔ اور کتاب ''الرد علی المنطقیین'' بھی یونانی مسلّمات کے خلاف ان کی نا قابل تردید علمی کاوش اور عدیم النظیر فکری و علمی کارنامہ ہے۔ جس کے جواب کی آج تک کسی کو ہمت نہیں ہوسکی اور نہ اس پائے کا کام کسی مدعی دفاعِ اسلام یا متکلمِ اسلام کے حصے میں آیا ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب التوحید

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بخاری (م ۲۵۶ھ) بھی اسی قبیلہ علیہ کے سردار اور اسی قابل قدر گروہ کے سرخیل ہیں جنہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کی تالیف لطیف الجامع الصحیح کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا شرف حاصل ہے۔

نام ونسب: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم

امام صاحب کا اصل نام محمد اور کنیت ابو عبداللہ اور شہرت بخارِی کی نسبت سے ہے۔ ان کے جد اعلیٰ امیر بخارٰی یمان جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ اس لیے ان کی خاندانی نسبتِ ولاء جعفی ہے۔ ان کے والد گرامی اسماعیل چوتھے طبقے کے معتبر محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ثقہ رواۃ میں سے ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری و کتاب الانساب)

پیدائش و تعلیم

تیرہ شوال ۱۹۴ھ جمعۃ المبارک کے روز پیدا ہوئے۔ والد کا صغر سنی میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی والدہ محترمہ انکے بڑے بھائی احمد اور امام صاحب محمد کو لیکر بخارٰی سے مکہ منتقل ہو گئی تھیں۔

امام صاحب نے مکہ میں نشو ونما پائی اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

(معجم البلدان ج ۲ وابن خلکان ج ۳)

پہلے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ امام وکیع اور ابن مبارک کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ پندرہ سال کی عمر میں متداول علوم سے فارغ ہو کر تحصیلِ حدیث میں مشغول ہو گئے۔ اپنے عہد کے تمام بڑے محدثین سے کسبِ فیض کیا۔ فراغت اسحاق بن راہویہ اور علی بن مدینی سے حاصل کی۔

اساتذہ اور شہرت

امام صاحب کے اساتذہ میں: ۱۔ تبع تابعین، ۲۔ تبع تابعین کے معاصرین، ۳۔ تبع تابعین کے تلامذہ، ۴۔ ہم عصر و ہم درس محدثین، ۵۔ بعض تلامذہ بھی شامل ہیں۔ امام صاحب کے شیوخ جن سے انہوں نے حدیث روایت کی ان کی مجموعی تعداد ایک ہزار اسی ہے۔

امام موصوف کے فضل و کمال کی شہرت ان کے ایام طالب علمی میں ہی ہو چکی تھی۔ عملی میدان میں قدم رکھا تو اس شہرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ حتی کہ انہیں بالاتفاق امیر المؤمنین فی الحدیث کے مؤقر لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ تحصیلِ علم کیلئے انہوں نے مصر، شام، کوفہ، بصرہ اور نیشاپور کے سفر کیے۔ حجاز مقدس میں مسلسل چھ برس قیام کیا۔ تدریس حدیث کیلئے نیشاپور کا سفر ان کی زندگی کا یادگار واقعہ ہے۔ جو ان کے ابتلا کا باعث بنا۔ اس سفر کے بعد انہوں نے بخاریٰ کا رخ کیا مگر وہاں بھی جلاوطنی سے دوچار ہونا پڑا۔ جو ان کی حق گوئی کا نتیجہ تھی۔

وفات

سمرقند کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں خرتنگ میں شوال ۲۵۶ھ کی چاند رات انتقال ہوا۔ عید کے دن تجہیز و تکفین ہوئی۔ نماز ظہر کے بعد جنازہ ہوا۔

اخلاق و عادات

امام بخاری کا جسم دبلا پتلا تھا۔ قد میانہ اور رنگ گندمی تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

خودداری، سادگی و قناعت، عاجزی و انکساری، رواداری و بے تعصبی، صفائی پسندی، کم

خوری، رزق حلال کا خاص اہتمام امام صاحب کے معروف اوصاف ترجمہ نگاروں نے ذکر کیے ہیں۔

عزم وہمت کا کوہِ گراں

علم وعرفان کا یہ کوہ گراں، حفظ وثقاہت، ضبط واتقان، نقل وروایت اور اس کے اصول وضوابط، فقہ واجتہاد اور قوت استدلال شریعت کی نکتہ سنجیوں اور طریقت کی دقتوں اور جمع بین العلم والعمل میں اپنی مثال آپ تھا۔ امام موصوف مسئلۂ صفات میں دقتِ نظر کے حامل، معرفتِ الٰہی کیلئے قرآنی معارف سے آگاہ اور سنت نبویہ پر کاربند، ذکر وفکر، ایمان وعقیدہ اور شرح وتوضیح کے آداب سے خوب آشنا تھے۔ زبان وبیان کی نزاکتوں سے واقف اور استحضار واستشہاد میں حددرجہ کمال رکھتے تھے۔ شرعی ولغوی حقائق ومجازات کے فہم میں انہیں رسوخ حاصل تھا۔ ایمان کی لذت سے بھی ایسے لوگ ہی آشنا ہوتے ہیں۔

﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ ﴾

(۳/ آل عمران: ۷)

''اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔''

ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ بالخصوص مسئلہ صفات میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر انہوں نے غیر متزلزل اعتماد کیا۔ سلفِ امت، صحابہ وتابعین کے منہج کی روشنی میں نصوص سے استدلال کیا۔ صحابہ وتابعین کے بعد امام مالک اور امام احمد بن حنبل جیسے اساطینِ علم ان کے فکری وعملی پیش رو تھے۔ ان کے علوم ومعارف اور اصولِ اجتہاد سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا۔

انہی کی طرح امام بخاری نے راہِ حق کی صعوبتیں برداشت کیں اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اور کسی بھی معاملے میں ذرہ بھر کمزوری نہیں دکھائی اور مصلحت ومداہنت سے کام نہیں لیا۔ جو حق سمجھا وہی کہا ان کی اور ان کے پیشرو مذکور ائمہ اہل سنت کی حق گوئی اور استقامت تاریخ اسلام کا قابل فخر روشن باب اور علمائے حق کی معرفت کیلئے ایک معیار ہے۔

مسئلہ صفات کے دقیق مسائل کے ادراک اور معرفتِ الٰہی میں ان کے رسوخ کا یہ عالم تھا کہ بظاہر ایک معمولی سے مسئلہ میں حق گوئی کی پاداش میں انہیں اپنے اسلاف امام مالک اور امام احمد کی طرح آزمائش سے گزرنا پڑا۔ اپنے عصر کے امام الدنیا ہونے کے باوجود وہ جلاوطنی اور تنہائی کی کڑی مشقت سے دوچار ہوئے مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ کتاب وسنت کے سوا کوئی دلیل قبول کی اور نہ اللہ کے سوا کسی کے دربار میں سرنگوں ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

تصانیف

امام صاحب کے قلم سے صحیح بخاری کے علاوہ متعدد کتابیں نکلیں اور مشہور ہوئیں جیسے:

تاریخ کبیر، تاریخ اوسط، تاریخ صغیر، خلق افعال العباد، جزء رفع الیدین، جزء قراءت فاتحہ خلف الامام، الادب المفرد، سیر الوالدین، کتاب الضعفاء، الجامع الکبیر، التفسیر الکبیر، کتاب الاشربہ، کتاب الھبہ، کتاب المبسوط، کتاب الکنیٰ، کتاب العلل، کتاب الفوائد، کتاب المناقب، اسامی الصحابہ رضی اللہ عنہم، کتاب الوحدان اور کتاب قضایا الصحابہ رضی اللہ عنہم۔

صحیح بخاری کی کتاب التوحید

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ان تمام تصانیف میں سے سب سے زیادہ مقبولیت اور شہرت الجامع الصحیح المعروف صحیح بخاری کو حاصل ہوئی، جو بیک وقت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بہترین، جامع اور صحیح ترین مجموعہ ہے اور فقہ اسلامی کا بھی عظیم الشان ذخیرہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے صحت کے اعتبار سے امت محمدیہ میں ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کا درجہ عطا کیا اور ندرتِ استنباط اور قوتِ استدلال کے حوالے سے اسے کتاب اسلام ہونے کا شرف بخشا ہے۔ صحیح بخاری کا درس طلبۂ علم حدیث کیلئے اور اس کی تدریس اساتذہ حدیث کیلئے پورے عالمِ اسلام میں شرف وفضیلت اور تکمیلِ علم کا نشان قرار پا چکا ہے۔

زیر مطالعہ ''کتاب التوحید'' بھی اسی الجامع الصحیح کا آخری جزء ہے۔ جس میں وہ تمام خصائص ومزایا پائے جاتے ہیں، جو صحیح بخاری کا امتیازی وصف ہیں۔ جسے امام صاحب نے اسماء وصفاتِ باری تعالیٰ کے مدلل بیان کے ساتھ جہمیہ کے رد کیلئے خصوصاً مرتب فرمایا ہے۔ اس سے قبل امام صاحب دیگر اہلِ بدعت فرقوں کا رد متعدد ابواب میں کر چکے ہیں۔

''کتاب التوحید'' معرفتِ الٰہی کا بہترین نصاب ہے۔ فردوسِ بریں میں دیدارِ الٰہی کے شائقین کیلئے بہترین دستور العمل ہے۔ اسماء وصفاتِ الٰہیہ کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کا مدلل مجموعہ ہے۔ اللہ کی ذات اور اس کی ہر نوع کی صفات کے متعلق سلف امت یعنی صحابہ وتابعین کے عقیدے کا مفصل بیان ہے، جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا، اس پر زندگی بھر قائم رہے، اس کے مطابق اللہ سے تعلق قائم رکھا اور اس کی عبادت کی اور سرخ رو ہوئے۔ امت کی رشد وہدایت کیلئے اسے اگلی نسلوں کو منتقل کر کے دنیا سے تشریف لے گئے۔

شیخ الاسلام مجدد الملۃ والدین امام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) نے بھی اسی عقیدے کو اپنی مایہ ناز مختصر تالیف ''العقیدۃ الواسطیۃ'' میں اسماء وصفات پر ایمان کے باب میں مزید مرتب اور آسان اسلوب میں اس چیلنج کے ساتھ امت کے سامنے پیش فرمایا:

(قد أمهلت كل من خالفني في شيء منها ثلاث سنين ، فان جاء بحرف واحد عن أحد من القرون الثلاثة التى أثنى عليها النبي صلى الله عليه وسلّم ، حيث قال: خير أمتي قرني ، ثم الذين يلونهم ، ثم الذين يلونهم ، يخالف ما ذكرته فأنا ارجع عن ذلك) (المناظرة فی الواسطیة ۳/ ۱۲۹)

"میں نے ہر اس شخص کو جس نے اس عقیدے میں میری مخالفت کی ، تین سال تک مہلت دیئے رکھی کہ اگر وہ قرون ثلاثہ جن کی نبی ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ تعریف فرمائی ہے۔ "میری امت کا بہترین زمانہ وہ ہے جسمیں میں مبعوث کیا گیا ہوں، پھر وہ لوگ جو ان کے پیچھے آئیں گے اور پھر جو ان کے پیچھے آئیں گے۔" اس عہد کے کسی شخص سے ایک حرف کا بھی ثبوت دیدے جو اس عقیدے کے خلاف ہو جو میں نے ذکر کیا ہے تو میں اس سے رجوع کرلوں گا۔"

مگر صدیاں گزر گئیں آج تک کوئی شخص اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل الحدیث اپنے مسلک، عقیدے اور کتاب وسنت سے گہرے تعلق میں کس قدر پختہ ہیں، اور انہیں اپنے برحق ہونے پر کتنا اعتماد ہے۔

سلف صالحین کا یہی ادب واحترام، ان سے ماثور ومنقول عقیدے سے وابستگی، انہی کی طرح کتاب وسنت پر مکمل یقین اہل الحدیث کا طرۂ امتیاز ہے جس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نظر نہیں آتا۔ تاویل وتعطیل کے تمام طریقے تسلیم ورضا اور ایمان وعمل سے فرار کے راستے ہیں، غرور وگھمنڈ کا شاخسانہ ہے۔ اللہ کے حضور عبودیت، عاجزی، تواضع اور کامل فرماں برداری تو صرف غیر مشروط اور بلاچوں وچرا اس کی ذات وصفات اور اس کے احکام پر ایمان لے آنے میں ہے۔ جو صرف طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والحدیث کو حاصل ہے۔ اور حق پر غیر متزلزل ایمان انہیں رسول اللہ ﷺ سے ورثے میں ملا ہے۔ اللہ کا اپنے حبیب ﷺ کو حکم ہے، جس کی آپ ﷺ نے کامل فرماں برداری کی اور ہم بھی اسی کو اپنے لیے اسوہ اور قدوہ سمجھتے ہیں:

﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴾ (۲/ البقرة: ۱٤۷)

”یہ مکمل حق تیرے رب کی طرف سے ہے سو شک کرنے والوں میں سے قطعاً نہ ہونا۔“

ہماری سب سے بڑی دولت یہی صحیح عقیدہ اور ایمان ہے۔ جس کے نتیجے میں ہمیں امید ہے کہ قیامت کے دن ہمیں رب العزت والجلال کی رؤیت کا شرف حاصل ہوگا۔ اور اس پر مستزاد اس کی دائمی رضا حاصل ہوگی اور اس کی ناراضی سے ہمیشہ کیلئے مامون ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ

قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں کہ مقدمہ طویل ہوگیا ہے اور اپنی صنف کی حدود وقیود سے تجاوز کر گیا ہے۔ مگر کیا کریں موضوع ذات وصفات باری تعالیٰ ہو اور باتیں معرفتِ الٰہی کی ہوں تو راہوار قلم ستانے کو بھی تیار نہیں ہوتا۔

لذیذ تر بود حکایتے طویل تر گفتیم

موضوع اب بھی تشنۂ تکمیل ہے۔ ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اللہ سے قبولیت اور مزید توفیق کے طلبگار ہیں۔

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ (۲/ البقرة: ۱۲۷)

شرح اور شارح

قارئین کرام کے ہاتھوں میں اسی کتاب التوحید کا ترجمہ اور شرح ہے جو برادر گرامی قدر محترم مولانا حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ ترجمہ نہایت شستہ، رواں اور سلیس ہے۔ جس سے ہمارا اُردو دان طبقہ بسہولت استفادہ کر سکتا ہے۔ شرح کیلئے مترجم وشارح موصوف کی نظرِ انتخاب قابل داد ہے۔ فضیلۃ الشیخ الفاضل الجلیل محترم عبداللہ غنیمان حفظہ اللہ کی شرح سے انہوں نے نہایت عمدہ فوائد منتخب فرمائے ہیں۔ مترجم اور شارح دونوں ہی سلفی العقیدہ اور ایمانیات کے دقیق مسائل کی گھتیاں سلجھانے کی بہترین صلاحیت رکھتے ہیں۔ جس کا عکس کتاب میں نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس عظیم الشان علمی خدمت پر بہترین اجر سے نوازے۔

مترجم حفظہ اللہ کی شخصیت علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، بالخصوص جماعت اہلِ حدیث میں انہیں نہایت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ برس ہا برس سے ان کے فتاویٰ دینی و جماعتی مجلات وجرائد میں اشاعت پذیر ہو رہے ہیں۔ لوگ ان سے بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔ انکا شمار ان معدودے چند اہلِ علم اور مفتیانِ کرام میں ہوتا ہے جنہیں کتاب وسنت کی روشنی میں توجیہ وارشاد کیلئے مرجع کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے قلم سے اس شرح سے قبل متعدد کتب وتراجم شائع ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ مختصر صحیح بخاری کا ترجمہ تو ہر لائبریری کی زینت ہے۔ موصوف محدث زماں حضرت مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری رحمہ اللہ (م ۱۹۹۵م)، پیر صاحب سید بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ (م۱۹۹۶م)، ابو الحسنات مولانا علی محمد سعیدی رحمہ اللہ (۱۹۸۸م) کے فیض یافتہ ہیں، اور ربع صدی سے زیادہ عرصہ سے تدریسِ حدیث میں مشغول ہیں۔ ان کی علمیت وثقاہت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ موصوف کو صحت وسلامتی کے ساتھ عمر خضر سے نوازے اور اپنے دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

داستان محبت والفت

موصوف کے ساتھ راقم الحروف کو بڑی نسبتیں ہیں، اور ان کے ساتھ راہ ورسم کی عمر بڑی طویل ہے۔ تقریباً 42 برس ادھر کی بات ہے جب ہم خانیوال جامعہ سعیدیہ میں ہم درس ہوا کرتے تھے۔ 1966 سے متواتر ان کے ساتھ تعلقات قائم ہیں۔ جن میں نشیب وفراز تو آتے رہے ہیں مگر تعطل کبھی پیدا نہیں ہوا۔ ان روابط کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ ان میں ایام طفولیت کی بوئے گل بھی ہے، عہد شباب کا نالۂ دل بھی، اور اب تو ہم خیر سے دُودِ چراغِ محفل ہونے کو ہیں۔ بڑی شخصیات اس کہانی کا حسن ہیں، ان میں ایک بڑی تعداد اللہ کے جوارِ رحمت میں منتقل ہو چکی ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔

ان میں قابل صد احترام اساتذہ کرام بھی ہیں، عزیز واقارب بھی ہیں، دوست احباب بھی ہیں، ہم درس اور ہم سبق بھی ہیں، ہم نوالہ و پیالہ بھی ہیں، اور ہم سفر وہم رکاب بھی ہیں۔ کس کس کو یاد کریں اور کس کس کا ذکر کریں، جس کی طرف نظر دوڑاتے ہیں یادوں کا ایک ہجوم اُمڈ آتا ہے۔ ذکریات کی بارات نمودار ہو جاتی ہے۔ بیک وقت فرحت ومسرت کے خوش گوار قصے بھی ہیں، اور حزن وملال کی دل خراش یادیں بھی، توحید وسنت کے مضبوط رشتے نے محبت والفت کے ایسے دیپ جلائے ہیں، جنہیں زمانے کی سرد وگرم ہوائیں اور حالات کی تیز آندھیاں کبھی نہیں بجھا سکیں۔ یہ ایسا مقدس رشتہ ہے جس کے سامنے خاندانی اونچ نیچ، معاشرتی فرق، طبقاتی اختلاف، معاصرانہ چشمک، جذبات کے الاؤ اور انا کے مسئلے سب ماند پڑ جاتے ہیں۔ یہ ایسی بہار ہے جس پر خزاں نہیں آتی۔ اور ایسا پھول ہے، جو ہر سو عطر بیز مہک بکھیرتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کامل اخلاص سے نواز دے تو میدانِ محشر کی سختی اور کسمپرسی بھی خلل انداز نہیں ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۟ؕ۠ یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۟ۚ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۟ۚ ﴾

(٤٣/ الزخرف: ٦٧۔٦٩)

"تمام گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہونگے، ماسوائے متقی لوگوں کے۔ (ان سے کہا جائے گا) اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف ہے، اور نہ تم غمگین ہوگے۔ وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور وہ فرماں بردار تھے۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي)) (رواه مسلم، ٢٥٦٦)

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے میری عظمت وجلال کیوجہ سے باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں۔ آج میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دونگا اور آج میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہے۔"

شارح ومترجم موصوف بھی احباب گرامی کی اسی سبدِ گل کے گلِ سرسبد ہیں۔ جو معاصر اہلِ علم کے گلدستہ میں اپنی خدمت علم اور حسنِ عمل کے ساتھ چہک اور مہک رہے ہیں۔ اور علم وفہم اور زبان وبیان کے جوہر دکھاتے رہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں معاصرت منافرت کا باعث ہوتی ہے۔ میں اس کے برعکس یقین رکھتا ہوں کہ اہلِ علم کی معاصرت ایک بڑی سعادت ہے۔ جس سے زندگی میں لطف پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے معاصرین اہلِ علم کا الحمد للہ ایک جم غفیر ہے۔ ان کی صحبت سے حظ اٹھانا، ان سے علمی وعملی تعاون کرنا، ان کے ساتھ محبت و الفت کا رشتہ استوار رکھنا بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو سلامت رکھے اور اپنے دین کی خدمت کی توفیق سے نوازے۔ ممدوح گرامی بھی ہمارے محبوب معاصرین میں سے ہیں۔ ان کے ساتھ ہماری مشترک قدروں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ اور معاصرت کی بنیادیں بڑی مضبوط ہیں۔

برادر محترم استاذ الحفاظ حافظ عبدالستار بن عبدالعزیز حفظہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انگلی پکڑ کر تحصیل علم کی راہ پر چلایا۔ جامعہ سعیدیہ میں ہم دونوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور ابجد العلوم سے آشنا ہوئے۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے ہم دونوں نے مختلف اوقات میں متداول علوم سے

فراغت حاصل کی۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے ہمیں دستار فضیلت سے نوازا، مکتب الدعوۃ نے عملی میدان میں کام کا موقع فراہم کیا اور خدمت دین کیلئے راہ ہموار کی۔

ہم دل کی گہرائیوں سے مولا کریم کے ممنون احسان اور شکر گزار ہیں، کہ اس نے ہمیں کتاب وسنت کے ساتھ تعلق اور طلبِ علم کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ ہم توحید وایمان کی نعمت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں بلکہ اس کا کرم فراواں ہے کہ اس نے شہادتِ حق میں شرکت کا اعزاز بھی بخش رکھا ہے۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (۳/ آل عمران: ۱۸)

"اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتے اور علم والے لوگ، جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گواہی دیتے ہیں) کہ اُس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

ہمیں اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے، مگر مولا کریم کی رحمت سے امید ہے کہ جیسے اس نے ہمیں شہادتِ حق اور حمایتِ توحید کی برکت سے ان اوراق وسطور میں جمع فرمادیا ہے۔ ویسے ہی اس کی برکت سے ہماری لغزشیں معاف فرما کر فردوسِ بریں میں بھی جمع فرمادے گا۔

اللّٰهم مغفرتك اوسع من ذنوبنا ورحمتك ارجى عندنا من اعمالنا.

حسنِ اتفاق

کئی ماہ سے یہ مقدمہ زیر تالیف تھا، کم ہمتی آڑے آرہی تھی، اور کچھ کم علمی وکوتاہ نظری، تاخیر کے اسباب بھی پیدا ہورہے تھے، اب معلوم ہوا کہ۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا

یہ بات تو وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ توحیدِ الٰہی کی توضیح وتشریح اور تائید وحمایت اور معرفتِ الٰہی کیلئے اس کی صفات عالیہ اور اسمائے حسنیٰ کے بیان کیلئے لکھی گئی ان سطور کی تکمیل ارض مقدس نجد وحجاز میں ہوگی۔

اور محبت والفت کی یہ داستان دریارِ حبیب میں رقم ہوگی، اس مقدمۂ توحید کے کچھ صفحات اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور توفیق سے عصر حاضر کی سب سے بڑی تحریکِ احیاءِ توحید کے مرکز نجد (الریاض) میں قلمبند ہوئے۔ اور کچھ مدینہ طیبہ میں اور کچھ سطور البلد الحرام مکۃ المکرمہ اور جوارِ کعبۃ اللہ میں۔

راقم کو کسی سرکاری پروگرام میں شرکت کیلئے حکومت سعودیہ کی طرف سے دعوت تھی۔ اسی دوران ریاض، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ قیام کے دوران فرصت کے لمحات میسر آئے تو اس مضمون کی تکمیل ہوئی۔

امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مبارک مقامات میں لکھے گئے ان کلمات میں برکت عطا فرمائے گا، انہیں اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے گا۔ اور طالب وکاتب مقدمہ دونوں کی حسنات میں درج فرمائے گا۔ وما ذلك على الله بعزيز.

عزیز القدر قاری عبد اللطیف ساجد اور عزیز گرامی محمد امجد سہیل سلمہما اللہ کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔ جنہوں نے اس کی کتابت اور تصحیح پر بڑی انتھک محنت کی۔ جزاهما الله خيرا۔

ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر

۱۵ جمادی الأولی ۱۴۲۹ھ ۲۱ مئی ۲۰۰۸م

کتاب التوحید کا تعارف ومنہج

دین اسلام میں سب سے زیادہ اہم فرض عقائد کی درستگی ہے، تمام انبیا علیہم السلام نے لوگوں کو سب سے پہلے اصلاح عقیدہ کی دعوت دی، اس کے بعد عبادات واحکام اور فرائض و واجبات کی بجا آوری، اس کے بعد معاملات، پھر ظاہری اور باطنی اخلاق کی اصلاح کا درجہ ہے۔ مذکورہ بالا شعبہ جات کو اپنے اپنے مقام میں رکھنا بہت ضروری ہے چنانچہ اصول وعقائد اور فرائض و واجبات میں سے کسی ایک کا انکار انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ البتہ اخلاق میں گراوٹ اور عمل میں کوتاہی سے کوئی بھی ملت اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

توحید کا تعلق عقیدہ سے ہے، لغوی طور پر لفظ توحید مصدر ہے، اس کا معنی کسی ذات کے متعلق یکتا اور منفرد ہونے کا یقین رکھنا ہے، شرعی اصطلاح میں اس بات کا اقرار ویقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات، الوہیت وربوبیت، عبودیت وحاکمیت اور جملہ اختیارات میں یکتا ویگانہ ہے، اسے توحید کہتے ہیں۔ اس توحید کی کئی ایک اقسام ہیں، ان میں سے ایک انتہائی اہم قسم توحید اسماء وصفات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت، اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کے افعال کا ذکر دیگر احکام کے ذکر سے کہیں زیادہ ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بندہ کی تمام تر سعادت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کے ساتھ قائم ہے جبکہ اسماء وصفات سے جہالت، شقاوت وبدبختی کی بنیاد ہے۔ (مفتاح دار السعادۃ ص ۸۶، ج۱)

توحید اسماء وصفات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ انسان کے لیے اس وقت تک مکمل طریقہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت ممکن نہیں جب تک اسے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا علم نہ ہو، اس معرفت کی بدولت وہ بڑی بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، انہی ناموں سے اسے پکارا کرو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں سے الحاد (کجروی) کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے

ہیں جلد ہی انہیں اس کا بدلہ مل جائے گا۔" (الاعراف:۱۸۰)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ دعا کرنے کا حکم ہے۔اس دعا سے مراد دعائے مسئلہ اور دعائے عبادت دونوں ہیں، دعائے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ہم جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجت پیش کریں تو ایسے ناموں کا واسطہ دیں جو ہماری حاجت اور ضرورت کے مناسب ہوں جبکہ دعائے عبادت یہ ہے کہ ہم ان اسماء وصفات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس ذات کی بندگی بجالائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اس کے ناموں میں کجروی کا شکار ہیں اس کجروی کو الحاد کہا جاتا ہے،اس کی کچھ اقسام حسب ذیل ہیں:

☆ جو صفات اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہیں انہیں کسی مخلوق میں تسلیم کرنا جیسے وہ داتا، روزی رساں، حاجت روا، مشکل کشا اور کارساز ہے، ان صفات کا حامل کسی مخلوق کو قرار دینا بدترین قسم کا الحاد ہے۔

☆ ان ناموں سے استدلال کر کے باطل چیزوں کے امکان پر بحث کرنا مثلاً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے لہٰذا وہ جادو کا علم بھی رکھتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا وہ جھوٹ بولنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ العیاذ باللہ

☆ ان صفات میں فلسفیانہ موشگافیاں پیدا کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات حادث ہیں یا قدیم، کلام کرنا اللہ کی صفت ہے، اور قرآن اللہ کی کلام ہے یہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

☆ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، اور ہر شخص کی شاہ رگ سے بھی قریب تو وہ عرش پر کیسے مستوی ہو سکتا ہے؟

☆ اللہ تعالیٰ کی صفات کا سرے سے انکار کر دینا جیسا کہ جہم بن صفوان نے تشبیہ کے خود ساختہ مفروضہ سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کوئی چیز نہیں ہے، اس انکار کو تعطیل کہتے ہیں۔ اس عقیدہ کے حاملین کو معطلہ اور جہمیہ کہا جاتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات جیسی قرار دینا حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ (الشوریٰ:۱۱)

اس عقیدہ کا بانی مقاتل بن سلیمان ہے، اس کے پیروکار مشبہ جو اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مماثل قرار دیتے تھے۔

☆ اللہ کی صفات کو جوں کا توں ماننے کے بجائے ان کے متعلق دوراز کار تاویل کا سہارا لینا، اللہ کی صفات کے متعلق تاویل کا فتنہ تعطیل سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس کے تسلیم کر لینے سے قرآن وحدیث کے ظاہری مفہوم سے انحراف لازم آتا ہے جو بدترین تحریف ہے۔ (معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ)

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد کی ان تمام صورتوں نے سلف صالحین کو حیرت میں مبتلا کر دیا چنانچہ انہوں نے ان ملحدین کے اقوال کو یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے اقوال سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیا پھر وہ ان مزعومہ عقائد ونظریات کی تردید کے لیے کمر بستہ ہو گئے، اس تردید کی بنیاد درج ذیل فرمان نبوی ہے۔

''جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی وہ تردید کے قابل ہے۔''

(صحیح بخاری، الصلح: ۲۶۹۷)

چنانچہ امام بخاری نے کتاب الایمان میں مرجئہ، کتاب القدر میں تقدیر کے منکرین قدریہ، کتاب الفتن اور کتاب الاحکام میں خوارج وروافض اور آخر میں جہمیہ مشبہ اور جمیع اہل تاویل کی تردید کے لیے کتاب التوحید کا عنوان قائم کیا۔ کتاب التوحید میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے وہ قرآنی آیت کا حوالہ دیتے ہیں پھر ان احادیث کو بیان کرتے ہیں جن میں صفات باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا کہ کچھ لوگ عقائد کے باب میں خبر واحد کو حجت خیال نہیں کرتے ان کی تردید مقصود ہے کہ اس قسم کی اخبار آحاد قرآنی آیات کے ذیل میں آتی ہیں، جو شخص عقائد میں ان کی حجت سے انکار کرتا ہے وہ گویا قرآن وسنت دونوں کا انکار کرتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان کے تحت چند ایک مسائل ذکر کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① پہلے توحید باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے کیونکہ کچھ لوگوں نے اللہ کی وحدانیت کا انکار کر کے وحدۃ الوجود کا نظریہ پیش کیا اور کہا کہ کائنات کی ہر چیز اللہ ہے۔ اس نظریہ کو پیش کرنے

والے ابن عربی اور حسین بن منصور حلاج ہیں۔

② اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کا اثبات چنانچہ صفات باری تعالیٰ کی چار اقسام ہیں:

۱۔ صفات ذاتیہ عقلیہ مثلاً حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع اور بصر، کلام

۲۔ صفات فعلیہ عقلیہ مثلاً پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا، معاف کرنا اور سزا دینا وغیرہ

۳۔ صفات ذاتیہ سمعیہ مثلاً وجہ، ید، عین، نفس اور شخص وغیرہ

۴۔ صفات فعلیہ سمعیہ مثلاً اتیان، مجئی اور نزول وغیرہ

③ مسئلہ علو اور استواء علی العرش

④ رویت باری تعالیٰ

⑤ مسئلہ تکوین

⑥ تلاوت اور متلوّ میں فرق

⑦ خلق افعال العباد

⑧ صفت کلام

اسے آخر میں بیان کیا ہے

آپ نے اس سلسلہ میں ۲۴۵ مرفوع احادیث پیش کی ہیں، جن میں ۵۵ معلق اور ۱۹۰ موصول ہیں ان میں اکثر مکرر ہیں جن کی تعداد ۲۳۴ ہے باقی صرف ۱۱، احادیث خالص ہیں، ان میں سے چار احادیث کو امام مسلم نے بیان کیا ہے باقی ۲۴۱ احادیث روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہیں، مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابہ کرام اور تابعین عظام سے ۳۶ آثار بھی بیان کیے ہیں پھر ان احادیث وآثار پر اٹھاون عنوانات قائم کیے ہیں، جن کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی اسماء وصفات کے متعلق امام بخاری کا مؤقف یہ ہے کہ کتاب وسنت میں جو اسماء وصفات وارد ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہے اور انہیں بلا تکییف وتمثیل اور بلا تعطیل وتحریف اللہ کے شایانِ شان مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جائے یہ اقرار وایمان کسی قسم کی دوراز کار تاویل کے بغیر ہو۔ آپ نے توحید اسماء وصفات کے متعلق ٹھیک ٹھیک اسلاف کی ترجمانی کی ہے لیکن شارحین نے اس سلسلہ میں حق ادا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اجماع امت کی آڑ میں صفات باری تعالیٰ کا انکار کیا یا انہیں مبنی بر حقیقت تسلیم کرنے کی بجائے دوراز کار تاویل کا سہارا لیا چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عنوان بایں الفاظ ذکر کیا ہے ''کوئی شخص اللہ سے زیادہ غیرت مند نہیں۔''

اس سے امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ لفظ ''شخص'' ذات باری تعالیٰ کی صفت ہے اور اس پر اطلاق ہوسکتا ہے، لیکن شارحین کی اکثریت اشعری مکتبِ فکر سے متعلق ہے اس لیے ان کی تشریحات ملاحظہ فرمائیں۔

☆ شارح بخاری ابن بطال لکھتے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے حق میں نہیں بولا جاسکتا کیونکہ حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے۔

(شرح بخاری ۴۴۲، ج ۱۰)

☆ شارح بخاری علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اللہ کے لیے لفظ شخص کا اطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ شخص وہ ہے جو مرکب جسم رکھتا ہے۔ اس طرح کی صفت اللہ کے شایانِ شان نہیں۔ جن احادیث میں یہ لفظ وارد ہے وہ راویوں کی تصحیف کا نتیجہ ہے۔ (اعلام الحدیث، ص ۲۳۴۴، ج ۴)

☆ حافظ ابن حجر چونکہ حافظ الدنیا ہیں اس لیے کثرتِ روایات کے پیشِ نظر اس صفت کا انکار تو نہیں کرتے البتہ انہوں نے اس سلسلہ میں دور از کار تاویل کا سہارا لیا ہے۔

(فتح الباری، ص ۴۹۱، ج ۱۳)

☆ علامہ عینی نے متقدمین کے اقوال نقل کرنے اور حافظ ابن حجر پر اعتراض کرنے کے علاوہ اپنی طرف سے اس صفت کے اثبات یا نفی میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری، ص ۶۱۲، ج ۱۶)

اللہ تعالیٰ اپنے ہاں استاذ محترم الشیخ عبداللہ بن محمد الغنیمان رحمۃ اللہ علیہ کو اجر عظیم عطا فرمائے انہوں نے کتاب التوحید کی شرح کا حق ادا کیا۔ ہم آیندہ احادیث کے فوائد اسی شرح سے مرتب کریں گے، اس کے ساتھ ساتھ دیگر شروح سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

واضح رہے کہ برصغیر میں تاویل صفات کے جمود کو توڑنے میں استاذ محترم شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے ''توحید خالص'' نامی کتاب لکھ کر توحید اسماء وصفات کا حق ادا کیا۔ الغرض توحید اسماء وصفات کے متعلق عافیت کا راستہ یہی ہے کہ کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو صفات وارد ہیں انہیں بلا تکییف و تمثیل اس کی شایان شان مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جائے، انہیں ظاہر معنی پر محمول کرتے ہوئے ان

کے متعلق کسی بھی قسم کی تاویل سے گریز کیا جائے، اس کے علاوہ الحاد کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب کفر وشرک اور گمراہی کی طرف لے جانے والی ہیں، لہٰذا ایک مسلمان کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کو زیر بحث لاکر ان کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ انسانی بساط سے باہر ہے پھر یہ اعتقادی بیماریاں ایک تو آگے منتقل ہوتی جاتی ہیں دوسرے زندگی کا رخ غلط راہوں پر ڈال دیتی ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سلسلہ میں صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔ (آمین)

(۱) بَابُ مَا جَاءَ فِي دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ أُمَّتَهُ إِلَى تَوْحِيدِ اللَّهِ تَبَارَكَتْ أَسْمَاءُهُ وَتَعَالَى جَدُّهُ.

رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت کو توحید الٰہی کی دعوت دینا

رسول اللہ ﷺ کی اولین دعوت، دعوتِ توحید ہے، آپ سے پہلے جتنے بھی انبیا علیہم السلام تشریف لائے ہیں انہوں نے بھی سب سے پہلے دعوتِ توحید کو پیش کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا، اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے ہیں کہ میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں لہٰذا تم صرف میری ہی عبادت کرو۔'' (الانبياء:٢٥)

واضح رہے کہ عنوان میں امت سے مراد امتِ دعوت ہے، جنہیں دعوتِ توحید پیش کی گئی۔

٧٣٧١۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ.

[راجع: ١٣٩٥]

٧٣٧١: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا۔

٧٣٧٢۔ ح وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ مُعَاذَ بْنَ

٧٣٧٢: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے انہوں نے کہا جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو انہیں فرمایا کہ تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس جا رہے ہو اس لیے سب سے پہلے انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں یعنی توحید کا اقرار کر لیں جب وہ اس عقیدہ توحید کو سمجھ

جَبَلٍ إِلَى نَحْوِ أَهْلِ الْيَمَنِ قَالَ لَهُ: ((إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللَّهَ تَعَالَى فَإِذَا عَرَفُوا ذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ فَإِذَا صَلَّوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقِيرِهِمْ فَإِذَا أَقَرُّوا بِذَلِكَ فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ)). [راجع: ١٣٩٥]

جائیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے لگیں تو انہیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال میں ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے غریب لوگوں پر خرچ کی جائے گی۔ جب وہ اس کا بھی اقرار کر لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرنا لیکن زکوٰۃ وصول کرتے وقت لوگوں کے عمدہ مال لینے سے اجتناب کرنا۔

فوائد: اہل کلام کے نزدیک انسان پر پہلا واجب یہ ہے کہ وہ وجود باری تعالیٰ کے متعلق غور و فکر کرے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے وہ اس سلسلہ میں شکوک و شبہات کا شکار ہو، پھر وہ اس کے متعلق غور و خوض کرے جبکہ ہمارے اسلاف کے نزدیک انسان پر پہلا واجب عقیدہ توحید کو مضبوط کرنا ہے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ عنوان اور پیش کردہ حدیث سے واضح ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ وہ اللہ ایک کی عبادت کریں اور طاغوت کی عبادت سے اجتناب کریں۔" (النحل: ٣٦)

حضرت حارث بن حارث العائذی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگ اکٹھے ہیں، میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ لوگ یہاں کیوں اکٹھے ہوئے ہیں تو انہوں نے جواب دیا یہ لوگ ایک صابی کے گرد جمع ہیں، جب میں نے قریب جا کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں توحید اور ایمان کی دعوت دے رہے تھے۔ (التاریخ الکبیر: ص ٢٦٢، ج ٢)

ایک روایت میں ہے کہ انہیں شہادتین کے اقرار اور اس پر ایمان کی دعوت دیں۔

(صحیح بخاری، الزکوٰۃ: ۱۳۹۵)

لا الہ الا اللہ کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، اس کی صراحت بھی ایک روایت میں ہے۔ (صحیح بخاری، الزکوٰۃ: ۱۴۵۸) اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کریں، اس کے علاوہ دوسروں کی عبادت اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے طریقہ عبادت کے علاوہ دوسرے تمام طریقوں سے دست بردار ہو جائیں۔

واضح رہے کہ ان شہادتین کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے، ایک کے بغیر دوسری کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو شخص صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا لیکن رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا اسی طرح اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہے لیکن اللہ کی عبادت نہیں کرتا یا اللہ کی عبادت کرتے وقت دوسروں کو شریک کرتا ہے تو ایسا شخص بھی ایمان سے خارج ہے، اس لیے ایک بندہ مسلم کے لئے دونوں شہادتین کا اقرار اور ان کے مطابق ایمان انتہائی ضروری ہے۔ (شرح کتاب التوحید: ۳۹، ج ۱)

اللہ تعالیٰ کی معرفت دین اسلام کا حاصل ہے اور عقیدہ توحید اس معرفت کی اساس ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس معرفت کے اصول وضوابط کو خوب وضاحت سے بیان کر دیا ہے، آپ نے اس کے متعلق کوئی اشتباہ یا شک باقی نہیں چھوڑا اس بنا پر عقائد کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی کافی ہے کسی منطقی کی رائے، فلسفی کی عقل یا کسی تاویل کنندہ کی تاویل کے ہم محتاج نہیں ہیں، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی توحید کا بیان کرنا تھا چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی کا ارتکاب نہیں کیا جبکہ آپ نے اس فرض کو پوری طرح ادا کر کے اپنے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر گواہ بنایا، اب اس سے انحراف کرنے والوں کے لیے کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے منطق کی قیل وقال

یا فلسفہ کی موشگافیوں کا سہارا لیں۔

واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع سے پہلے اپنے ہمسایہ ملک یمن میں دعوتِ توحید اور اشاعتِ اسلام کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا تاکہ وہ وہاں کے رہنے والے اہل کتاب کو توحید کی دعوت دیں اور انہیں اللہ کی پہچان کرائیں۔ جب وہ اس سے آگاہ ہو جائیں تو پھر دیگر شعائر اسلام کی انہیں تعلیم دیں۔

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں پر پہلا واجب اپنے رب کی معرفت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اس امر کو بیان کیا ہے اور اس عقیدہ توحید کی دعوت دی ہے، اب اس کی وضاحت کے بعد لوگوں کے خودساختہ اصول وضوابط کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو ہی حرز جان بنانا چاہیے، اس کے علاوہ دیگر اہل کلام کے اقوال کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ (شرح کتاب التوحید، ص٤٢، ج١)

٧٣٧٣۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ وَالْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ: سَمِعَا الْأَسْوَدَ بْنَ هِلَالٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟)) قَالَ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: ((أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا أَتَدْرِي مَا حَقُّهُمْ عَلَيْهِ؟)) قَالَ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: ((أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ)). [راجع: ٢٨٥٦]

[مسلم: ١٤٥، ١٤٦]

٧٣٧٣: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے معاذ! تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا (اللہ کا حق یہ ہے کہ) وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں پھر فرمایا: تو جانتا ہے کہ ان بندوں کے حق اللہ کے ذمے کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ ان کو عذاب نہ دے۔

فوائد: اس مقام پر یہ حدیث اختصار کے ساتھ بیان ہوئی ہے، اس کی تفصیل بایں طور ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عفیر نامی گدھے پر سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تین دفعہ آواز دے کر متوجہ کیا پھر فرمایا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ کا بندوں پر حق ہے، وہ خالص اس کی عبادت کریں اور عبادت کرتے وقت اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں آگے چل کر پھر آپ کو آواز دے کر متوجہ کیا اور فرمایا آیا تجھے علم ہے کہ جب اس کے بندے اس کا حق ادا کریں تو بندوں کا اللہ کے ذمے کیا حق ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ جب وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں تو وہ ان کو عذاب نہ دے۔ (صحيح بخاری، حديث: ٢٨٥٦)

اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے اس حق کی وضاحت مقصود ہے جو اس کے بندوں پر عائد ہوتا ہے اور وہ شرک سے دور رہتے ہوئے اس کی عبادت کرنا ہے، اس عبادت سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو، دوسرے الفاظ میں اللہ کے احکام کی بجا آوری اور اس کے منع کردہ کاموں سے اجتناب اس کی عبادت ہے، انسان کو چاہیے کہ وہ کسی ذاتی غرض یا دنیوی منفعت کے پیشِ نظر اپنے خالق حقیقی کی مخالفت نہ کرے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں پر اللہ کے حقوق کی وضاحت کر دی ہے، انسان کو چاہیے کہ وہ ان سے سرمو انحراف نہ کرے، واضح رہے کہ اللہ کے ذمے بندوں کے حقوق بندوں کی بجا آوری کا عوض نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے انہیں اپنے ذمے لیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔'' (٦/ الانعام: ٥٤)

''نیز فرمایا: کہ اہل ایمان کی مدد کرنا ہمارے ذمے ہے۔'' (٣٠/ الروم: ٤٧)

نیز حدیث میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندو! میں نے خود پر ظلم حرام قرار دیا ہے۔ اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام کرتا ہوں لہٰذا تم کسی پر ظلم نہ کیا کرو۔

(صحيح مسلم، البرّ والصلة: ٢٥٧٧)

عبادت کرتے وقت شرک نہ کرنا توحید الوھیت ہے مشرکین کو اس سے انکار تھا، افسوس

کہ دور حاضر میں مسلمانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ اس کی عبادت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی بندگی بھی کرتے ہیں، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں بلکہ بعض نام نہاد مسلمان تو قبروں کو سجدہ بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توحید الوہیت پر گامزن رکھے یہی وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے۔ جب بندے اس کی بجا آوری کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں جہنم سے بری کر کے جنت میں داخل فرمائے گا۔

٧٣٧٤۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ لَهُ ذَلِكَ وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ)) زَادَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَخِي قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٥٠١٣]

٧٣٧٤: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک شخص نے دوسرے شخص کو بار بار قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا، جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کو آپ کے حضور بایں طور بیان کیا گویا وہ آدمی اس کو بہت کم شمار کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میری جان ہے! یہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

اسماعیل بن جعفر نے امام مالک سے یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے میرے بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو بیان کیا۔

فوائد: ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ مجھے میرے بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے بتایا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صبح تک قل ھو اللہ احد پڑھتا رہا۔ اس پر کچھ زیادہ نہ پڑھا، جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس کے بعد پوری حدیث بیان کی۔ (صحیح بخاری، فضائل القرآن: ٥٠١٤)

رات کے وقت سورۂ اخلاص کی تلاوت کرنے والے خود حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے مادری بھائی اور ان کے پڑوس میں رہتے تھے، اس کی صراحت ایک دوسری روایت میں ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ساری رات قل ھو اللہ احد پڑھتے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے یہ سورت نصف یا تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسند امام احمد: ص۸۵، ج۳)

اس حدیث میں سورۃ اخلاص کو تہائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے، اس کی مختلف توجیہات ہیں۔

☆ ایک تہائی احکام و مسائل پر مشتمل ہے، اس میں حلال و حرام کا بیان ہے اور ایک تہائی میں جزا و سزا اور وعدہ وعید کا ذکر ہے تیسری تہائی اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اسماء کے لیے ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات کا بیان ہے اس لیے اس تہائی قرآن کہا گیا ہے۔

☆ مضامین قرآن کے تین حصے ہیں، ایک حصہ میں توحید الٰہی اور اللہ کے افعال اور اس کی صفات کا بیان ہے دوسرے حصہ میں قصص و واقعات بیان ہوئے ہیں، اور تیسرا حصہ احکام شریعت پر مشتمل ہے، چونکہ اس سورت میں توحید خالص اور اس کی صفات کا بیان ہے اس لیے اسے تہائی قرآن کہا گیا ہے۔

☆ قرآن مجید میں بنیادی طور پر تین قسم کے عقائد بیان ہوئے ہیں توحید، رسالت اور آخرت اس سورت میں عقیدہ توحید کو بڑے جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے اس لیے اسے قرآن کی تہائی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

معتزلہ اور جہمیہ کا خیال ہے کہ کلام اللہ تمام تر اللہ کی صفات پر مشتمل ہے لہٰذا کلام اللہ میں تفاضل اور برتری جائز نہیں ہے، یہ عقیدہ جہالت پر مبنی ہے کیونکہ کلام اللہ میں وہ خبر جو اس کی حمد و ثنا پر مشتمل ہے، اور اس میں اس کی صفات کا بیان ہے اس خبر سے کہیں بڑھ کر ہے جس میں ابلیس فرعون، ابولہب اور ہامان وغیرہ کا ذکر ہے اگرچہ ان سب کو کلام اللہ ہی کہا جاتا ہے تا

ہم ان میں ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ قل ھو اللہ احد اور تبت یدا ابی لھب، دونوں اللہ کی کلام ہیں اس اعتبار سے دونوں برابر ہیں لیکن ان میں جس چیز کی خبر دی گئی ہے اس اعتبار سے دونوں میں بہت فرق ہے قل ھو اللہ احد ایک ایسی کلام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق خبر دی ہے اور تبت یدا ابی لھب میں اپنی مخلوق میں سے ایک بدتر انسان کی خبر دی ہے، اس اعتبار سے ایک کو دوسری پر برتری حاصل ہے۔ (مجموع الفتاوی: ص۵۷، ج۱۷)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرکین نے کہا اے محمد! اپنے رب کا نسب بیان کریں تو اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ (مستدرک حاکم: ص۵۴۰، ج۲)

الغرض اس سورت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ایک ہے، وہی اکیلا کائنات کا خالق ہے، پوری کائنات کا نظام اس اکیلے کے پاس ہے وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے وہ اکیلا قادر مطلق مددگار حاجت روا اور مشکل کشا ہے وہی دعائیں سنتا اور مرادیں پوری کرتا ہے۔

اس سورت کو مسئلہ توحید میں جامع مانع قرار دیا گیا ہے، حدیث میں اس کی فضیلت اسی وجہ سے ہے۔

۷۳۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنِ ابْنِ أَبِي هِلَالٍ أَنَّ أَبَا الرِّجَالِ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَهُ عَنْ أُمِّهِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَكَانَتْ فِي حَجْرِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ رَجُلًا عَلَى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِأَصْحَابِهِ فِي صَلَاتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ

۷۳۷۵: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کسی لشکر کا سردار بنا کر روانہ فرمایا، وہ جب اپنی فوج کو نماز پڑھاتا تو اپنی قرأت قل ھو اللہ احد پر ختم کرتا، جب یہ لوگ لوٹ کر آئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس سے دریافت کرو کہ وہ ایسا کیوں کرتا تھا؟ لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس سورت میں رحمٰن کی صفات ہیں۔ جن کو تلاوت کرنا مجھے اچھا لگتا ہے، تب

أَحَدٌ﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: ((سَلُوْهُ لِأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ؟)) فَسَأَلُوْهُ فَقَالَ: لِأَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَقْرَأَ بِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَخْبِرُوْهُ أَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهُ)).

آپ نے فرمایا، اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔

فوائد: ☆ اس حدیث میں دو چیزوں کا اثبات ہے۔

(ا) اللہ تعالیٰ کی بلند پایہ صفات ہیں جیسا کہ اس حدیث میں صراحت ہے بلکہ سورۃ اخلاص تو صفات باری تعالیٰ پر ہی مشتمل ہے۔

(ب) اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ محبت کو ثابت کیا گیا ہے، اس صفت کو بلا تاویل مبنی بر حقیقت تسلیم کرنا چاہیے اسے نفس ثواب یا ارادہ ثواب پر محمول نہ کیا جائے کیونکہ صفات کے متعلق تاویل کا موقف ہمارے اسلاف کے خلاف ہے۔

اس حدیث کے مطابق سورۃ اخلاص خاص طور پر اللہ کی صفات پر مشتمل ہے اگرچہ سارا قرآن ہی اللہ کی صفت ہے کیونکہ وہ اس کا کلام ہے اور کلام، اللہ کی صفت ہے لیکن اس سورت کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں اوصاف الرحمٰن کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ مدنیہ طیبہ کے چند یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اپنے رب کی صفات بیان کریں تو رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو تلاوت کیا اور فرمایا کہ یہ میرے رب کی صفات ہیں۔ (الاسماء والصفات للبیہقی، ص۲۷۹)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اور اس کے نام کسی نہ کسی صفت پر مشتمل ہیں، اللہ تعالیٰ کا ہر نام اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور اس صفت کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔ جو اس نام کے ضمن میں ہے نیز اگر نام متعدی ہے تو اس کے اثرات کی بھی نشاندہی کرتا ہے مثلاً الرحمٰن اللہ کا نام ہے اس پر ایمان لانے اور اسے تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ:

☆ یہ اللہ کے ناموں سے ایک نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔

☆ یہ پیارا نام اللہ تعالیٰ کی ایک پیاری صفت الرحمۃ پر مشتمل ہے۔

☆ اس صفت کا اثر مرتب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اپنے بندے پر جب چاہے رحمت فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اعلیٰ درجہ کی ہیں اور کمال و مدح پر مشتمل ہیں، اور ان میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے، جس طرح اللہ کی ذات کامل واکمل ہے اسی طرح اس کی ہر صفت بھی کامل واکمل ہے، جو صفت کسی اعتبار سے نقص یا عیب پر مشتمل ہو وہ اللہ کے حق میں ممتنع ہے۔ جیسے موت، جہالت اور عجز وغیرہ، اسی طرح صاحب اولاد ہونا، بیوی رکھنا، یہ اوصاف نقائص وعیوب پر مشتمل ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے عیوب سے پاک ہے۔ اس سورہ اخلاص سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دو اقسام پر مشتمل ہیں۔

(۱) صفات ثبوتیہ: اس سے مراد وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ثابت فرمائی ہیں مثلاً صفت الحیاۃ، القدرۃ اور العلم وغیرہ انہیں صفات اکرام کہا جاتا ہے۔

(۲) صفات سلبیہ: اس سے مراد وہ صفات ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے نفی کی ہے، مثلاً صاحب اولاد یا مولود ہونا، انہیں صفاتِ جلال کہا جاتا ہے، ان دونوں صفات کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے" آپ کا پروردگار جو بڑی بزرگی اور عزت والا ہے، اس کا نام بھی بڑی برکت والا ہے۔ (الرحمٰن:۷۸)

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات حقیقی ہیں، ان کی کیفیت بیان کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ انسانی عقل کے لیے ان صفات کی کیفیت کا ادراک ممکن نہیں ہے نیز اس کی صفات مخلوق کی صفات کے مماثل ومشابہ نہیں ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔" (الشوریٰ:۱۱)

نیز اللہ تعالیٰ اس کمال کا مستحق ہے جو ہر کمال سے بڑھ کر ہے لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ اس کی صفات کسی مخلوق کی صفات کے مشابہ ہوں کیونکہ مخلوق تو ہر اعتبار سے ناقص ہے۔

الغرض سورہ اخلاص دونوں قسم کی صفات پر مشتمل ہے، اس میں صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ دونوں موجود ہیں۔ کچھ لوگوں نے اللہ کی صفات کا انکار کیا ہے، یہ حدیث ان کے خلاف ایک زبردست حجت ہے یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایسی آیات کی تلاوت مستحب ہے جو اللہ کی صفات پر مشتمل ہوں، کچھ بدعتی حضرات کا خیال ہے کہ عام لوگوں کے

سامنے ایسی آیات کی تلاوت مکروہ ہے جو اللہ کی صفات پر مشتمل ہیں۔اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انداز کو پسند کرتا ہے اور اسے بھی پسند کرتا ہے جو یہ انداز اختیار کرتا ہے۔ (شرح کتاب التوحید، ص۷۳، ج۱)

(۲) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾ [۱۷/ الاسراء: ۱۱۰]

ارشاد باری تعالیٰ ہے ”آپ ان سے کہہ دیں کہ اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جو نام بھی تم پکارو گے، اس کے سب نام ہی اچھے ہیں۔“

خالق کائنات کا ذاتی نام اللہ ہے، اللہ کے بعد رحمٰن بھی دوسرے نمبر پر ذاتی نام ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی مخلوق کا جس طرح اللہ نام یا اس کی صفت نہیں ہوسکتا، اسی طرح رحمٰن بھی کسی مخلوق کا نام یا صفت نہیں ہوتا، لیکن عربوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ نام معروف نہ تھا، اس لیے انہیں اس نام سے چڑ تھی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”جب انہیں کہا جاتا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں ”رحمٰن“ کیا ہوتا ہے۔“ (الفرقان:۶۰)

انہیں بتایا گیا ہے کہ اللہ اور رحمٰن دو معبود نہیں بلکہ ایک ہی ذات کے دو نام ہیں جونسا چاہو پکار سکتے ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے تو اور بھی بہت سے صفاتی نام ہیں، تم ان سے بھی اللہ تعالیٰ کو پکار سکتے ہو، کفار قریش کو لفظ رحمٰن سے بہت چڑ تھی، اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو اس پر قریش کے نمائندہ سہیل بن عمرو نے یہ اعتراض کردیا کہ یہ رحمٰن کون ہے؟ ہم اسے نہیں جانتے ہیں، جب یہ جھگڑا بڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جملہ مٹا کر قریش کے دستور کے مطابق باسمك اللهم لکھ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کردیا گیا۔

(صحیح البخاری، الشروط: ۲۷۳۱)

٧٣٧٦ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ وَأَبِي ظَبْيَانَ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ)). [راجع: ٦٠١٣]

۷۳۷۶: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو دوسرے لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

٧٣٧٧ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَسُوْلُ إِحْدَى بَنَاتِهِ يَدْعُوْهُ إِلَى ابْنِهَا فِي الْمَوْتِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((ارْجِعْ إِلَيْهَا فَأَخْبِرْهَا أَنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَمُرْهَا فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ)) فَأَعَادَتِ الرَّسُوْلَ أَنَّهَا قَدْ أَقْسَمَتْ لَتَأْتِيَنَّهَا فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَامَ مَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ فَدُفِعَ الصَّبِيُّ إِلَيْهِ وَنَفْسُهُ تَقَعْقَعُ كَأَنَّهَا فِي شَنٍّ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ: يَا رَسُوْلَ اللَّهِ! مَا هَذَا؟ قَالَ: ((هَذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللَّهُ فِي قُلُوْبِ عِبَادِهِ

۷۳۷۷: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے اس دوران آپ کی ایک صاحبزادی کا قاصد خدمت میں حاضر ہوا کہ ان کا بیٹا نزع کی حالت میں ہے اور وہ آپ کو بلا رہی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ واپس جا کر اسے کہو، اللہ ہی کا سب کچھ ہے جو چاہے لے لے اور جو چاہے دے دے اور اس کی بارگاہ میں ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے، اسے کہو کہ صبر کرے اور اللہ کے ہاں ثواب کی امید رکھے، صاحبزادی نے دوبارہ قاصد بھیجا کہ وہ آپ کو قسم دیتی ہیں آپ ضرور تشریف لائیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ اٹھے اور آپ کے ہمراہ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بھی کھڑے ہوئے (پھر جب صاحبزادی کے گھر پہنچے تو) بچہ آپ کو دے دیا گیا، اس کا سانس اکھڑ رہا تھا گویا وہ پرانے مشکیزہ میں ہے،

وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ)). [راجع: ١٢٨٤]

یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہوئیں تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالا ہے، اور اللہ بھی اپنے انہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم دل ہوتے ہیں۔

فوائد: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بچے پر حالت نزع طاری تھی وہ آپ کی نواسی تھی، ممکن ہے کہ دو الگ الگ واقعات ہوں۔

(عمدة القاري: ص ٥٨٠، ج ١٦)

امام بخاری کا ان دونوں احادیث کو کتاب التوحید میں لانے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض صفات ایسی ہیں جو اللہ اور بندوں میں مشترک ہیں، ان میں صرف لفظی، اشتراک ہے حقیقت کے اعتبار سے ان میں بہت فرق ہے، ان میں سے ایک صفتِ رحم ہے، اللہ رحیم ہے اور بندے کے لیے بھی اس صفت کا اطلاق ہوا ہے جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے، اس لفظی اشتراک کی وجہ سے ایسی صفات کا انکار نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے بلکہ ایسی صفات کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ اللہ کے شایان شان ان صفات کو ثابت کیا جائے اور بندوں کی حالت کے مطابق بندوں کے لیے انہیں برقرار رکھا جائے، اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات ''حسنیٰ'' ہیں اور ہر اعتبار سے کامل ہیں جبکہ بندے کی صفات حسنیٰ نہیں ہیں اور نہ ہی کامل ہیں بلکہ ان میں نقص اور عجز پایا جاتا ہے، امام بخاری کے نزدیک اللہ کے نام اور صفات کے ساتھ حسنیٰ کی صفت ہے جو قرآن مجید متعدد مقام پر بیان ہوئی ہے، اس لیے اللہ کی صفات میں کوئی عیب یا نقص نہیں ہے انہیں اللہ کے شایان شان ثابت کیا جائے۔

(شرح كتاب التوحيد: ص ٧٥، ج ١)

دراصل اللہ کی صفات ثبوتیہ دو اقسام پر مشتمل ہیں۔

(أ) صفاتِ ذاتیہ: اس سے اللہ کی وہ صفات مراد ہیں جن سے وہ ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے متصف ہے جیسے صفت سمع اور بصر وغیرہ۔

(ب) صفاتِ فعلیہ: اس سے مراد وہ صفات ہیں جن کا صدور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہے تو اسے انجام دے اور چاہے تو نہ دے جیسا کہ صفت استواء علی العرش وغیرہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت ذاتی اور فعلی دونوں سے عبارت ہوتی ہے جیسے صفتِ کلام ہے اگر اس صفت کو اصل کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ صفت ذاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے صفتِ کلام کے ساتھ متصف ہے اور ہمیشہ رہے گا، اگر کلام کرنے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صفت فعلی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اس کی مشیت پر موقوف ہے چنانچہ وہ جب چاہے اور جو چاہے کلام فرماتا ہے، اس کی صفات فعلیہ دو طرح سے ہیں ایک وہ جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں اور دوسری وہ جو بندوں میں بھی پائی جاتی ہیں، مگر ان کی حقیقت و کیفیت میں بڑا فرق ہے، جیسا کہ صفت رحم ہے، بندے کی یہ صفت ناقص ہے اور اپنی تکمیل میں اللہ کی محتاج ہے جبکہ اللہ کی صفتِ رحم میں کوئی نقص نہیں بلکہ وہ کامل واکمل ہے اور نہ ہی کسی کی محتاج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع وبصیر ہے۔

(الشوریٰ: ۲)

مماثلت کی نفی کے ساتھ صفت سمع اور بصر کو اپنے لیے ثابت کیا ہے حالانکہ سمیع اور بصیر بندے کے لیے بھی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ہم نے انسان کو سمیع اور بصیر بنایا ہے۔

(الدھر: ۱۱)

لیکن انسان کا سمیع وبصیر ہونا ذرائع اور وسائل کا محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے جو کسی ذرائع وسائل کا محتاج نہیں، یہ اشتراک محض لفظی ہے حقیقی نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ تالیف ''القواعد المثلی فی الاسماء والصفات الحسنی کا مطالعہ مفید رہے گا جس کا اردو ترجمہ ''توحید اسماء وصفات'' کے نام سے بازار میں دستیاب ہے۔ واللہ الموفق۔

(۳) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی:

﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ [۵۱/ الذاریات: ۵۸]

ارشاد باری تعالیٰ "اللہ تو خود ہی رزاق ہے بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔" (الذاریات: ۵۸)

کتاب التوحید میں امام بخاری کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایسی احادیث کا انتخاب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہوتی ہیں، اس سے متعلقہ عنوان قائم کر کے اس میں کسی آیت کو پیش کرتے ہیں، اس انداز سے ان کا اشارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ان صفات کا انکار کرتا ہے وہ قرآن و احادیث دونوں کی مخالفت کرتا ہے۔ (فتح الباری: ص ٤٤٠، ج ١٣)

عنوان میں ذکر کردہ آیت ماقبل آیات سے مرتبط ہے چنانچہ قبل ازیں اللہ کا ارشاد ہے:

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں،

میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔

"اللہ تو خود ہی رزاق ہے، بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔" (الذاریات، ٥٦، ٥، ٥٨)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ایک اہم نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ معبود حقیقی رزق دیتا ہے لیتا نہیں جبکہ دوسرے معبود اپنے عبادت گزاروں سے رزق اور پیسے لیتے ہیں، اگر عبادت گزار اور مرید حضرات اپنے نذرانے اور نیازیں دینا بند کریں تو ان کی الوہیت ایک دن بھی نہ چل سکے، اللہ نے انہیں اپنی عبادت کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ وہ اس کا محتاج ہے، بلکہ وہ اس سے بے نیاز ہے کسی کے عبادت کرنے یا نہ کرنے سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا اور نہ سنورتا ہے بلکہ اس کی عبادت کرنے میں اور خالق کا حق پہنچانے میں ان کا اپنا ہی بھلا ہے جیسا کہ بے شمار آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۷۳۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَا أَحَدٌ أَصْبَرُ عَلَى

۷۳۷۸: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذیت ناک اور تکلیف دہ بات سن کر اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ مشرکین اس کی طرف اولاد کی نسبت کرتے

أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللّٰهِ يَدَّعُوْنَ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ يُعَافِيْهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ)).

ہیں اور وہ اس کے باوجود انہیں عافیت دنیا اور رزق عطا کرتا ہے۔

[راجع: ٦٠٩٩]

فوائد: بخاری کے بعض نسخوں میں آیت بایں الفاظ ہے ''میں ہی رزاق'' بڑی قوت والا اور زبردست ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طرح پڑھا ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھایا تھا۔ (مسند امام احمد: ص ٣٩٤، ج ١)

یہ آیت اور اس طرح کی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑی عالی صفات سے متصف ہے اور اس کے اچھے اچھے نام ہیں، اس آیت کریمہ میں القوۃ اس کی صفت ہے اور الرزاق اس کا نام ہے، ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام ایک صفت کو متضمن ہے، امام بخاری ان آیات سے منکرین صفات باری تعالیٰ کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بردباری کو بیان کیا گیا ہے حتی کہ وہ کافر جو اللہ کی طرف اولاد اور شراکت کو منسوب کرتا ہے، اسے بھی صحت وعافیت دیتا ہے اور اسے رزق فراواں عطا کرتا ہے، اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفت صبر کو بیان کیا گیا ہے جو اپنے معنی میں مبنی بر حقیقت ہے صبر یہ ہے کہ قدرتِ انتقام کے باوجود درگزر سے کام لینا۔ اللہ کی صفت صبر اور حلم کا اندازہ درج ذیل آیات سے لگایا جا سکتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ ہی یقیناً آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ کہیں سرک نہ جائیں اور اگر وہ سرک جائیں تو اس کے بعد انہیں کوئی بھی اپنی جگہ پر برقرار نہیں رکھ سکتا بلا شبہ وہ بڑا بردبار اور معاف کرنے والا ہے۔ (فاطر: ٤١)

یعنی وہ ہستی اس قدر صاحب قوت اور اختیار رکھنے کے باوجود بردبار ہے کہ اس کے اختیارات کو دوسروں میں بانٹنے والوں کو فوراً تباہ نہیں کرتا اور اپنے باغیوں اور نافرمانوں سے درگزر کیے جاتا ہے۔

☆ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن کی اولاد ہے، یہ تو اتنی بری بات تم گھڑ لائے ہو جس سے ابھی آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھڑام سے گر پڑیں اس بات پر کہ انہوں

نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا حالانکہ رحمٰن کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔

(مریم: ۸۸، ۹۲)

یعنی یہ محض اللہ تعالیٰ کی بردباری ہے کہ ایسی بے ہودہ بات سن کر بھی دنیا کو یکدم تباہ نہیں کرتا اس حدیث کی عنوان سے مطابق بایں طور ہے کہ عنوان میں دو صفات کا ذکر ہے، ایک مخلوق کو رزق فراہم کرنا دوسرے زبردست قوت کا مالک ہونا جو اس کی قدت کاملہ سے عبارت ہے، رزق دینے کا ذکر تو حدیث میں موجود ہے اور قوت کا ثبوت بایں طور ہے کہ تکلیف دہ باتیں سن کر صبر کرنا اس کی قوت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بشری طبیعت تو اذیت ناک باتیں سن کر انتقام لینے کے لیے بھڑک اٹھتی ہے، انسان ایسے حالات میں فوراً بدلہ لینے میں جلدی کرتا ہے تاکہ موقع ضائع نہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی زبردست طاقت کے باوجود انتقام نہیں لیتا اور یہ کسی عجز یا بے بسی کی وجہ سے نہیں بلکہ صبر اور بردباری کی وجہ سے ہے جو اس کی قوت وطاقت کی علامت ہے۔ (فتح الباری: ص ٤٤١، ج ١٣)

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوبصورت ناموں اور بلند پایہ صفات کو مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جائے جیسا کہ مذکورہ الفاظ سے ان کا مفہوم متبادر ہے، اس کے متعلق کسی قسم کی تاویل نہ کی جائے اور نہ ہی انہیں سمجھنے کے لیے کسی منطقی کی اصطلاح یا کسی فلسفی کی موشگافی کی ضرورت ہے۔ (شرح کتاب التوحید: ص ۱۰۲، ج ۱)

(٤) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ [٧٢/ الجن: ٢٦] وَ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [٣١/ لقمان: ٣٤] وَ ﴿أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾ [٤/ النساء: ١٦٦] ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ﴾ [٣٥/ فاطر: ١١] ﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾

[٤١/ حم السجدة: ٤٧]

قَالَ يَحْيَى: الظَّاهِرُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا وَالْبَاطِنُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆ وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا۔ (الجن: ۲۶)

☆ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ (لقمان: ٣٤)

☆ اللہ یہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے اپنے علم کی بناء پر اتارا ہے۔ (النساء: ١٦٦)

☆ جو بھی مادہ حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنم دیتی ہے تو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔ (فاطر: ١١)

☆ قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ (فصلت: ٤٧)

یحی بن زیاد نے کہا کہ وہ ہر چیز پر علم کے اعتبار سے ظاہر ہے اور باعتبار علم ہر چیز سے گہرا ہے۔

وضاحت: یحی بن زیاد بہت بڑے ادیب ہیں اور فراء نحوی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہیں فراء اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کلام کی بہت تحقیق کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''معانی القرآن'' میں هوالاول والآخر، والظاہر والباطن کی تفسیر کرتے ہوئے اس معنی کو بیان کیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اشیاء کے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔ (عمدة القاری: ص ٥٨٢، ج١٦)

دوسرے الفاظ میں عالم الغیب والشہادۃ سے بھی اس کی تفسیر کی جاسکتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر بایں طور مروی ہے۔ آپ دعا پڑھتے تھے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

''انت الظاهر ليس فوقك شئى وانت الباطن ليس دونك شىء۔''

(صحيح مسلم: الذكر، ٢٧١٣)

تو ظاہر ہے تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں یعنی تجھ سے زیادہ نمایاں کوئی چیز نہیں ہے۔ اور تو باطن ہے تجھ سے گہری کوئی چیز نہیں یعنی تجھ سے زیادہ پوشیدہ کوئی چیز نہیں۔

اللہ تعالیٰ ظاہر اس اعتبار سے ہے کہ ہر چیز کا وجود اور ظہور اس کے وجود سے ہے اور باطن اس لحاظ سے ہے کہ حواس خمسہ سے اس کا ادراک تو درکنار، ہم عقل سے اس کی ذات یا صفات کے متعلق کوئی صحیح تصور بھی قائم نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم

امام بخاری نے ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی ایک ذاتی صفت ''علم'' کو ثابت کیا ہے جو اس کی ذات کو لازم ہے کیونکہ اللہ کے ماسوا ہر چیز اس کا فعل اور اس کی تخلیق ہے، ہر فعل کو اپنے ارادہ اور اختیار سے کیا جاتا ہے، اس انداز سے فعل کا صدور عالم اور زندہ ہستی سے ہی ہو سکتا

ہے۔ اللہ کا علم حادث نہیں جیسا کہ بعض اہل زیغ کا خیال ہے کیونکہ حدوث کی تین صورتیں ممکن ہیں۔

☆ حدوث ذاتی: وہ یہ ہے کہ کوئی مسبوق بالغیر ہو

☆ حدوث زمانی: وہ یہ ہے کہ کوئی شیء مسبوق بالعدم ہو

☆ حدوث اضافی: گزشتہ وقت اس کا وجود دوسرے سے کم تر ہو

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ان تینوں صورتوں سے پاک ومبرا ہے، اس بناء پر علم اللہ تعالیٰ کا ذاتی وصف ہے، اللہ تعالیٰ کے اس وصف سے متصف ہونے پر اس قدر دلائل ہیں کہ اس کا انکار گمراہ یا معاند ہی کر سکتا ہے چنانچہ پیش کردہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف کی ہے کہ وہ غیب کو جاننے والا ہے اور اس پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ غیب کا علم اس کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ غیب کی تعریف یہ ہے کہ جو حواس خمسہ عقل اور دیگر ذرائع سے بالا ہو، مخلوق کا علم ان ذرائع ووسائل کا محتاج ہے جبکہ اللہ کا علم ان ذرائع ووسائل کا محتاج نہیں، بہر حال عالم الغیب ہونا ایک ایسا وصف ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ (شرح کتاب التوحید: ص۱۰۷/۱)

۷۳۷۹۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللَّهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللَّهُ وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ)).

۷۳۷۹: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ''غیب کی چابیاں پانچ ہیں، جنہیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، رحم مادر میں جو کمی بیشی ہوتی ہیں وہ اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔ اللہ کے علاوہ کسی کو پتہ نہیں کہ کل کیا ہوگا؟ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی؟ اللہ کے علاوہ کسی متنفس کو علم نہیں ہے کہ وہ کس زمین میں فوت ہوگا؟ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ

قیامت کب قائم ہوگی؟

فوائد: ارشادِ باری تعالیٰ ہے "غیب کی چابیاں تو اسی کے پاس ہیں جسے اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۹)

رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے، آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ غیب کے سب علوم ایک مخصوص مقام پر خزانوں کی صورت میں سرمہر بند ہیں پھر انہیں مقفل کر دیا گیا ہے، ان تالوں کی چابیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، ان خزانوں پر مطلع ہونا تو درکنار ان چابیوں کا علم بھی کسی کے پاس نہیں ہے، جہاں یہ خزانے سرمہر ہیں وہاں ہر چیز کی مقادیر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لکھ رکھی ہیں، اسی مقام کو قرآن مجید میں لوح محفوظ ام الکتاب، امام مبین، کتاب مکنون اور کتاب مبین کہا گیا ہے یہی مقادیر تمام مخلوقات کا مبدأ یا نقطہ آغاز ہیں، ان خزانوں تک ان خزانوں کے مالک کے علاوہ اور کسی کی رسائی ممکن نہیں، ان خزانوں کی وسعت کو عام لوگوں کے ذہن نشین کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

"بحر و بر میں جو کچھ ہے اسے وہی جانتا ہے، کوئی پتہ تک نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو، نہ ہی زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے جس سے وہ باخبر نہ ہو تر اور خشک جو کچھ بھی ہے۔ سب کتاب مبین میں موجود ہے۔" (الانعام: ۵۹)

کائنات میں جو کچھ ہو چکا ہے اور آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے ان تمام باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ تفصیلی علم رکھتا ہے، ایک دوسرے مقام پر پانچ چیزوں کے متعلق بایں طور وضاحت کی ہے

"قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ شکم مادر میں کیا کچھ ہے؟ نہ ہی کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کل کیا کام کرے گا؟ اور نہ ہی یہ جانتا ہے کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا؟ اللہ ہی ہے جو سب کچھ جاننے والا اور وہ بڑا باخبر ہے۔"

(لقمان: ۳٤)

مذکورہ امور غیب ایسے ہیں جن کا علم کسی بندہ بشر کو نہیں ہوسکتا، ان پانچ چیزوں میں گویا سارے جہاں سمٹ آتے ہیں۔ قیامت سے مراد امور آخرت ہیں، ان میں سے صرف

قیامت کا ذکر کیا ہے جو دنیا کے زیادہ قریب ہے، اس قیامت کے متعلق کسی کو علم نہیں ہے کہ وہ کب آئے گی؟ چہ جائیکہ کے اس کے بعد وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا کسی کو علم ہو۔ نفع رساں بارش کے متعلق بھی کسی کو علم نہیں ہے، اس سے عالم بالا کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں سے بارش کا ذکر کیا ہے کیونکہ اس سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں لیکن اس کے باوجود قطعی علم کسی کو نہیں ہے، محکمہ موسمیات کی پیشین گوئیاں بھی ظن وتخمین پر مبنی ہوتی ہیں، شکم مادر میں کیا کچھ ہے؟ اوراس میں یہ بھی شامل ہے کہ جب جنین میں روح ڈالی جاتی ہے تو ساتھ ہی فرشتہ اس کی عمر، اس کی روزی، خوشحال ہوگا یا تنگ دست نیز یہ کہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت لکھ دیتا ہے، یہ تمام باتیں رحم مادر کے مراحل میں شامل ہیں، اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے ’’ہر مادہ جو کچھ اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے اور جو کچھ ان کے پیٹوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ (الرعد: ۸)

اللہ کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے کہ رحم مادر میں نطفہ پر کیا کچھ تغیرات واقع ہوتے ہیں اوراس سے شکل وصورت کیونکر بنتی ہے؟ چوتھی بات کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اس سے زمانہ کے انواع اوراس میں ہونے والے حوادث کی طرف اشارہ ہے، ان میں آئندہ کل کا ذکر کیا ہے، جو انسان کے بہت قریب ہے، جو مستقبل قریب میں ہونے والے حادثات کو نہیں جانتا وہ مستقبل بعید کے واقعات کو کیسے معلوم کرسکتا ہے یعنی انسان کو کوئی پتہ نہیں ہے کہ اسے توبہ کی توفیق نصیب ہوگی یا نہیں بلکہ اسے کل تک جینا بھی نصیب ہوگا یا نہیں آخری بات یہ کہ اس نے کب اور کہاں مرنا ہے؟ اس سے عالم زیریں کی طرف اشارہ ہے، ان میں صرف کس سرزمین میں مرنے کا ذکر کیا ہے کیونکہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ انسان جہاں رہتا ہے اسے وہیں موت آتی ہے لیکن اس کے باوجود موت کے وقت قدرت اسے کہاں سے کہاں لے جاتی ہے، موت آنے کے بعد بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اس نے دفن ہونا ہے یا نہیں اگر ہونا ہے تو کفن میں یا اس کے بغیر اور کس جگہ پر یا بے گور وکفن پڑے درندوں پرندوں کی خوراک بننا ہے، یہ سب معاملات اللہ ہی جانتا یہ پانچ امور ایسے ہیں جن سے ہر انسان کو دلچسپی ہوتی ہے اس لیے خاص طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ اور بہت سے ایسے امور ہیں جو غیب سے تعلق رکھتے ہیں

اوران تک کسی انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

واضح رہے کہ غیب کی دو انواع ہیں

☆ ایک نوع یہ ہے جس کا تعلق ذات باری تعالیٰ ہے اور اس کی صفات کے حقائق سے ہے۔

☆ دوسری یہ ہے کہ اس کا تعلق اللہ کی مخلوق سے ہے۔

ان تمام حقائق کو صرف اللہ ہی جانتا ہے، اللہ جس قدر چاہتا ہے اپنے انبیاء کو اس پر مطلع کر دیتا ہے اور جس کی اطلاع کر دے وہ غیب نہیں رہتا کیونکہ وہ وحی کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے۔(شرح کتاب التوحید: ص۱۱۲، ۱۱۳، ج۱)

۷۳۸۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُولُ: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ [٦/ الانعام: ١٠٣] وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُولُ: ﴿لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾.

۷۳۸۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ''اگر کوئی تم سے یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے متعلق خود کہتا ہے کہ نظریں اس کو نہیں دیکھ سکتیں، اور جس نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے تھے تو اس نے بھی غلط کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود کہتا ہے۔غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

فوائد: اس حدیث کا سبب ورود یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کعب احبار سے ملے تو آپ نے ان سے فرمایا ہم بنو ہاشم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے، یہ بات سن کر کعب احبار نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا شرف دیدار اور اعزاز گفتگو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ دو دفعہ ہم کلام ہوا ہے اور حضرت محمد ﷺ نے دو دفعہ اللہ تعالیٰ کا شرف دیدار حاصل کیا ہے، حضرت مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

پاس آیا اور عرض کیا آیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی۔(ترمذی: تفسیر القرآن، ۳۲۷۸)

امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا اللہ کو دیکھنے کا انکار کسی مرفوع حدیث کی بنیاد پر نہیں کیا، اس سلسلہ میں آپ نے صرف اجتہاد پر اکتفا کیا ہے جبکہ صحابہ کرام سے اس کے خلاف موقف منقول ہے، جب کوئی صحابی بات کہے اور دوسرا مخالفت کرے تو بالاتفاق حجت نہیں ہوتی امام نووی پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایسی بات کیوں کہی ہے حالانکہ صحیح مسلم میں صراحت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سن کر حضرت مسروق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور اس نے اسے روشن افق پر دیکھا ہے۔(التکویر:۲۹) نیز فرمایا کہ ایک مرتبہ اور بھی اس نے اس کو دیکھا (النجم: ۱۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔(صحیح مسلم: الایمان، ۴۳۹)

صحیح مسلم کی سند کے ساتھ ابن مرویہ نے مزید نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے سب سے پہلے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا آیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں میں نے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اترتے ہوئے دیکھا تھا۔

(شرح کتاب التوحید: ص۱۱۶، ج۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے تو آپ نے جواب دیا وہ تو نور ہے میں اسے کیوں کر دیکھ سکتا ہوں۔

(صحیح مسلم: الایمان، ۴۴۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی ''آپ نے جو دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی (النجم:۱۱) مزید فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی آنکھ سے دیکھا تھا۔(جامع الترمذی: تفسیر القرآن، ۳۲۸۱)

ہمارے رجحان کے مطابق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس صراحت کے بعد وجہ اختلاف از خود ختم ہو جاتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف ہی مبنی بر حقیقت معلوم ہوتا ہے کیونکہ

قرآن کریم میں یہ وضاحت ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو (اس دنیا میں) ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا ہے البتہ عالم آخرت میں اہل جنت اپنے پروردگار کے دیدار سے ضرور بہر ور ہوں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار سے محوِ دیدار ہوں گے۔'' (القیامۃ: ۲۳)

احادیث میں ہے کہ اللہ کا دیدار جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔

اس حدیث سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے، اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں حتی کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی ایسا علم حاصل نہیں ہے، قرآن مجید میں اس کی صراحت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''(اے محمد!) آپ ان سے کہہ دیں میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی غیب کی باتیں جانتا ہوں۔'' (الانعام: ۵۰)

نیز فرمایا: ''اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ (الاعراف: ۱۸۸)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا البتہ اگر بذریعہ وحی کچھ غائب کی باتیں آپ کو بتا دی گئی ہوں تو وہ اس موضوع سے خارج ہیں، اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''وہ غیب دان ہے اور اپنے غیب ہر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے ایسے رسول کے جسے وہ کوئی غیب کی بات بتانا پسند کرے پھر وہ اس (وحی) کے آگے اور پیچھے محافظ لگا دیتا ہے۔''

[الجن: ۲۷]

علامات قیامت، امور آخرت حشر ونشر، حساب و کتاب اور جنت ودوزخ سے متعلقہ حقائق غیب سے تعلق رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے رسول کو بتائے اور انہوں نے ان کو امت تک پہنچا دیا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پیشتر، انہیں نہ تو آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو ان کا علم تھا۔'' [هود: ٤٩]

اس بات پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا مگر جو بات اللہ تعالیٰ آپ کو بتا دیتا وہ معلوم ہو جاتی تھی چنانچہ ابن اسحاق نے اپنی تالیف ''مغازی'' میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی تو ابن صلیت کہنے لگا کہ محمد ﷺ خود کو پیغمبر کہتے ہیں اور آسمان کے حالات تم سے بیان کرتے ہیں لیکن انہیں اپنی اونٹنی کے متعلق معلومات نہیں ہیں کہ وہ کہاں ہے؟ یہ بات جب رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا فلاں شخص ایسا ایسا کہتا ہے اللہ کی قسم! میں تو وہی بات جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتلا دیتا ہے، اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹنی کے متعلق مطلع کر دیا ہے کہ وہ فلاں گھاٹی میں ہے وہاں ایک درخت سے اٹکی ہوئی ہے آخر کار صحابہ کرام گئے اور آپ کی نشاندہی سے اس کو لے کر آئے۔

(فتح الباری: ص ٤٤٥، ج ١٣)

ہمارے ہاں کچھ غالی قسم کے عقیدت مند ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو ما کان و ما یکون کا علم تھا، ایسا عقیدہ سراسر غلط ہے، اسی طرح کچھ شعبدہ باز اور مداری قسم کے لوگ علم غیب کے مدعی ہیں اور کچھ کشف والہام کا دعوی کرتے ہیں، اس قسم کے دعاوی کی کیا حقیقت ہے مثلاً ایک نجومی، جوتشی جو فٹ پاتھ پر بیٹھ کر قسمت کی انگوٹھیاں فروخت کرتا ہے اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو غیب کی خبریں دیتا ہے اگر وہ یہ علم جانتا ہوتا تو کیا اس کی یہ حالت زار ہو سکتی تھی؟ کیا وہ چند دنوں میں امیر کبیر نہ بن سکتا تھا؟

کچھ صوفی حضرات کشف قبور کے قائل ہیں اور کچھ استخارہ کے ذریعے چوری وغیرہ کی نشاندہی کرتے ہیں، ہمارے نزدیک یہ کذب وافتراء ہے شریعت میں ایسے کاموں کی کوئی گنجائش نہیں ہے بہر حال غیب کا علم اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا ہے اور جو اس کا مدعی ہے وہ جھوٹا مفتری ہے۔

(۵) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ﴾ [۵۹/ الحشر: ۲۳]

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وہ سراسر سلامتی والا اور امن دینے والا ہے

۷۳۸۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا شَقِيقُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَقُولُ السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَلَكِنْ قُولُوا: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)).

[راجع: ۸۳۱]

۷۳۸۱: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا (ابتدائے اسلام میں) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو اس طرح کہتے اللہ پر سلام ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے (اسے تمہاری دعا سلامتی کی ضرورت نہیں) البتہ اس طرح کہا کرو، تمام عبادتیں، نمازیں اور پاکیزہ کلمات اللہ کے لیے ہیں، اے نبی! آپ پر سلامتی ہو آپ پر اللہ کی رحمت اور برکت نازل ہو، سلام ہم پر بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر بھی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

فوائد: ایک روایت میں ہے کہ ہم اس طرح کہتے تھے "اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کو سلام فلاں کو سلام اور فلاں کو سلام، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ نہ کہو کہ اللہ پر سلام ہو کیونکہ وہ تو خود سلام ہے، اس کے بعد آپ نے تشہد کی تعلیم دی اور فرمایا جب تم اس طرح کہو گے تو آسمان میں یا آسمان وزمین کے درمیان میں جتنے بھی بندے ہیں تمہارا سلام ان سب کو پہنچ جائے گا۔ (صحیح بخاری: حدیث نمبر ۸۳۵)

امام بخاری نے عنوان کے لئے سورہ حشر کی ایک آیت کا کچھ حصہ منتخب کیا ہے، جس

میں اللہ تعالیٰ کے لیے سلام اور مومن بطور صفاتی نام استعمال کیا گیا ہے، سلام کا معنی ظاہری اور باطنی آفات سے پاک اور محفوظ رہنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے اس اعتبار سے یہ صفات سلبیہ سے ہے، اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کو سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ اس لحاظ سے یہ صفت اثباتی اور فعلی ہے نیز اللہ تعالیٰ کی جنت میں بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہوگی کہ وہ اپنے بندوں کو خود سلام کہے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "مہربان پروردگار فرمائے گا تم پر سلامتی ہو۔ (یس: ۵۸) اس اعتبار سے یہ صفت کلامی ہے۔

امام بخاری کا اس عنوان سے یہ مقصود معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی تشبیہ سے پاک قرار دیا جائے اور نام یا کسی معنی میں مخلوق کے ساتھ اشتراک سے قطعاً تشبیہ مراد نہیں ہے مثلاً ہاتھ، پاؤں آنکھ یا اس طرح کی دیگر صفات جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے یا اس کے رسول ﷺ نے اپنے پروردگار کے لئے ثابت کیا ہے وہ اس کے شایان شان ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مذکورہ صفت کی وجہ سے ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک اور سالم ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات میں غور کرتے ہیں کہ سلامتی کی صفت ہر مقام پر نمایاں ہے۔ مثلاً

☆ اس کا زندہ ہونا، موت، نیند اور اونگھ سے سلامتی ہے۔

☆ اس کا قیوم ہونا، حاجت، تھکاوٹ وغیرہ سے محفوظ ہونا ہے۔

☆ اس کا علم، نسیان، بھول چوک یا غور و فکر سے سالم ہے۔

☆ اس کے کلمات، جھوٹ اور وعدہ خلافی سے محفوظ ہیں۔

☆ اس کی الوھیت، شراکت وغیرہ سے حفاظت میں ہے۔

☆ اس کی بادشاہت ہر قسم کے شریک و معاون سے محفوظ ہے۔

☆ اس کا عذاب، انتقام اور ظلم سے محفوظ ہے بلکہ سراسر عدل اور حکمت پر مبنی ہے الغرض اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، تعطیل تشبیہ اور تاویل سے پاک اور محفوظ ہیں اس حدیث میں بھی سلامتی کی صفت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ حدیث قائم کردہ عنوان کے عین مطابق ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام مؤمن بھی ہے اور امن کا معنی خوف وخطر سے محفوظ ہونا اس بناء پر مومن کا معنی دوسروں کو امان دینے والا اور امن عطا کرنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایسا قانون دینے والا ہے جس سے فساد فی الارض کے بجائے امن وامان قائم ہو نیز اللہ کی مخلوق اس کی طرف سے ہر قسم کی حق تلفی، زیادتی یا ظلم کے خوف سے مکمل طور پر امن میں رہے اس کا دوسرا معنی تصدیق کرنے والا بھی ہے یعنی اپنی اور اپنے رسولوں کی زبانی اور عملی طور پر تصدیق کرنے والا یا اہل ایمان کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا ہے۔

علامہ جوزی نے مومن کے چھ معنی ذکر کیے ہیں اور پھر ان معانی کا انطباق ذات باری پر کیا ہے یہ بحث بھی قابل مطالعہ ہے۔(زاد المسیر: ص۲۲۵، ج ۸)

ہم لوگ جو ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ اہل زمین کے استعمال کے لیے وضع کیا ہے لہٰذا تم اسے آپس میں ملاقات کے وقت بکثرت استعمال کیا کرو۔ (الادب المفرد: ص۳۴۳)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے۔

سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

پھر آپ نے مذکورہ حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔(صحیح بخاری، الاستیذان: ۶۲۳۰)

علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ ملاقات کے وقت جب لوگ لفظ سلام استعمال کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔(معالم السنن: ص۲۳ ج ۱)

ہمارا رجحان یہ ہے کہ سلام کے لفظ کا اطلاق مخلوق کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ واللہ اعلم

(٦) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾

فِيهِ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ارشاد باری تعالیٰ: لوگوں کا بادشاہ (الناس:۲)

اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی معلق روایت کو امام بخاری نے متصل سند سے بیان کیا ہے الفاظ یہ ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں بند کر لے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے پھر کہے گا میں بادشاہ ہوں۔(صحیح بخاری: التوحید، ۷۴۱۲)

ملک اللہ کا صفاتی نام ہے اس کے متعلق دو وجہیں ہیں

☆ یہ صفات ذاتیہ سے ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے اس صفت سے متصف ہے، اس صورت میں قدرت کے معنی میں ہے

☆ اس سے صفت فعلیہ مراد ہے یعنی اس کا صدور اس کی مشیت و ارادہ پر موقوف ہے، اس صورت میں قہر کا معنی دیتا ہے اور لوگوں کے ارادوں کو اپنے ارادہ کی طرف پھیرنا مراد ہے۔

ہمارے رجحان کے متعلق ملک صفات فعلیہ سے ہے، یعنی اپنی مشیت و ارادہ سے کائنات میں اس طرح تصرف کرے کہ اس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہ ہو اور نہ ہی اس کے فیصلے پر کوئی نظر ثانی کرنے والا ہو، لوگوں کا بادشاہ اس معنی میں ہے کہ انسانوں پر پورا اقتدار اور اختیار بھی رکھتا ہے اور ظاہری اسباب پر بھی اس کا پورا کنٹرول ہے دوسرے الفاظ ہیں وہ پوری کائنات کا بادشاہ ہے، اور اس میں اپنے احکام کو بزور نافذ کرنے والا ہے، جب کسی چیز کو پیدا کرنے یا تباہ کرنے کا ارادہ کر لے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

۷۳۸۲۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدٍ هُوَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((يَقْبِضُ اللَّهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟))

۷۳۸۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے گا اور تمام آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں، آج دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں؟

وَقَالَ شُعَيْبٌ وَالزُّبَيْدِيُّ وَابْنُ مُسَافِرٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى عَنِ الزُّهْرِيِّ

شعیب، زبیدی، ابن مسافر اور اسحاق بن یحییٰ نے امام زہری سے انہوں نے ابوسلمہ

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ مِثْلَهُ. [راجع: ٤٨١٢] سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔

فوائد: اللہ تعالیٰ کی عظمت، کبریائی اور پوری کائنات پر کلی تصرف کا یہ عالم ہوگا کہ قیامت کے دن کائنات کی ہر چیز اس کے ہاتھوں میں بالکل بے بس ہوگی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔'' (الزمر: ٦٧)

رسول اللہ ﷺ سے اس ہولناک منظر کی مزید وضاحت منقول ہے، آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا میں بادشاہ ہوں، کہاں ہیں جبار؟ اور کہاں ہیں متکبرین؟ پھر بائیں ہاتھ میں زمینوں کو لپیٹ لے گا پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں، جبار کہاں ہیں؟ متکبرین کہاں ہیں؟

(صحيح مسلم: صفات المنافقين: ٧٠٥١)

''جس دن سب لوگ کھلے میدان میں ہوں گے اور ان کی کوئی بات بھی اللہ سے چھپی نہ رہے گی، (کہا جائے گا) آج حکومت کس کی ہے؟ (پھر اللہ خود ہی فرمائے گا) اللہ اکیلے کی جو سب پر غالب ہے۔'' (المومن: ١٦)

قیامت کے دن ایک وقت ایسا آئے گا جب ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی، سب قیامت کی ہولناکیوں سے دہشت زدہ ہوں گے کسی کو کلام کرنے کی جرأت وفرصت نہ ہوگی، ہر طرف سناٹا چھایا ہوگا اللہ تعالیٰ دنیا کے بادشاہوں کو مخاطب کرکے پوچھے گا، آج دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں؟ جابر اور متکبر حکمران کہاں ہیں؟ آج کس کی بادشاہی ہے؟ کسی طرف سے کوئی جواب نہیں آئے گا پھر خود ہی اس کا جواب دے گا کہ آج بادشاہی صرف ایک اللہ کی ہے جو ہر چیز کو دبا کر رکھے ہوئے ہے، رسول اللہ ﷺ جب اس کی منظر کشی کر رہے تھے تو آپ پر طاری کیفیت کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بایں الفاظ بیان کرتے ہیں۔

''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پرجوش بیان کے وقت منبر نیچے کی سے حرکت کررہا تھا حتی کہ مجھے خطرہ محسوس ہوا مبادا آپ کو لے کر گر پڑے گا۔''

(صحيح مسلم: صفات المنافقين، ٧٠٥٢)

امام بخاری کا اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے یہ مقصود ہے کہ الملک اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے ہے اگر چہ اس کا اطلاق مخلوق کے لیے بھی ہوتا ہے لیکن اس میں کسی بھی پہلو سے تشبیہ کا شائبہ نہیں کہ اس کا انکار یا تاویل کی جائے، اللہ تعالیٰ مالک الملک، اس کی بادشاہت مکمل اور مطلق نیز اس میں کوئی بھی شریک نہیں اور نہ ہی اس کے لئے کسی کا محتاج ہے جبکہ بندوں کی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، بندے اسے قائم رکھنے کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

آپ کہہ دیں، اے اللہ! ملک کے مالک! جسے تو چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے تو ہی جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کرتا ہے ہر قسم کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران: ٢٦)

حدیث اور عنوان میں مطابقت بایں طور ہے کہ لوگوں میں بادشاہ اور جابر حکمران ایسے موجود ہیں جن کے لیے ان کی رعایا عاجزی کے ساتھ آداب واحترام بجا لاتی ہے بعض اوقات ایسے آداب بجا لاتے ہیں جو صرف اللہ کے شایان شان ہوتے ہیں، یہ سب ملوک وسلاطین اللہ کے ماتحت اور اس کے دباؤ میں ہیں وہ ان میں جیسے چاہے تصرف کرتا ہے، یہ تصرف قیامت کے دن نمایاں حیثیت اختیار کرلے گا جبکہ اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے ہاتھ میں لپیٹ کر شانِ بے نیازی سے کہے گا آج میں بادشاہ ہوں، دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں؟ اس وقت ان بادشاہوں کا راز فاش ہوگا جب ذلت ورسوائی نے انہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہوگا۔ (شرح كتاب التوحيد: ص١١٤، ج١)

(٧) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [٣٠/ الروم: ٢٧] ﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ [٣٧/ الصافات: ١٨٠] ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهِ﴾ [٦٣/ المنافقون: ١٨٠] وَمَنْ حَلَفَ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَصِفَاتِهِ.

وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((تَقُوْلُ جَهَنَّمُ قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ)) وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((يَبْقَى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ

فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ! اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا)) قَالَ أَبُو سَعِيْدٍ: إِنَّ رَسُوْلَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ: لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ)) وَقَالَ أَيُّوْبُ: ((وَعِزَّتِكَ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ)).

ارشاد باری تعالیٰ

☆ غالب حکمت والا ہے۔(النحل: ٦٠)

☆ آپ کا پروردگار جو عزت کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ (الصافات: ١٨٠)

☆ تمام تر عزت تو اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے لئے ہے۔(المنافقون :٨)

اور جس نے اللہ کی عزت اور اس کی صفات کی قسم اٹھائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دوزخ کہے گی قط، قط تیری عزت کی قسم! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت اور دوزخ کے درمیان ایک آدمی باقی رہ جائے گا جو جہنم سے آخر میں نکلے گا اور جنت میں سب سے آخر داخل ہوگا وہ کہے گا اے میرے رب! میرا چہرا دوزخ سے ایک طرف کر دے، مجھے تیری عزت کی قسم! میں اس کے علاوہ تجھ سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے خطاب کرتے ہوئے فرمائے گا تیرے لیے جنت کا یہ مقام اور اس سے دس گنا مزید ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! مجھے تیری عزت کی قسم، میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں۔

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت عزت کو ثابت کیا ہے کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عزت کے بغیر عزیز ہے جس طرح علم کے بغیر علیم ہے، اس عنوان سے ان کی تردید مقصود ہے۔(فتح الباری: ص ٤٥٢، ج ١٣)

عزیز اس ذات کا نام ہے جو عزت تام اور قوتِ کامل کا مالک ہو جسے کوئی چیز عاجز نہ کر سکے کائنات کی ہر چیز پر غالب ہو اور کسی وقت بھی مغلوب نہ ہو، صفت عزت میں قوت کا

معنی بھی پایا جاتا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ عزیز وہ ہے جو ہمیشہ غالب رہے کسی وقت بھی مغلوب نہ ہو اور جو عزت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ حقیقی، قابل تعریف اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، بعض اوقات عزت کا لفظ قومی حمیت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس وقت کافر اور فاسق کے لیے اس کا اطلاق ہوتا ہے جو کسی صورت میں قابل تعریف نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اسکی انانیت اسے گناہ پر جما دیتی ہے۔ (البقرہ: ۲۰۶)

نیز فرمانِ الٰہی ہے، جو شخص عزت چاہتا ہے تو عزت تو تمام تر اللہ ہی کے لیے ہے۔
(الفاطر: ۱۰)

اس کا مطلب یہ ہے کہ عزت تو صرف اسے ملے گی جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو کیونکر تمام تر عزت کا سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ ذاتِ گرامی ہے۔ یہی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے رسول اور اہل ایمان کے لیے ثابت کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے تمام تر عزت تو اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے لیے ہے بعض اوقات لفظ عزت گراں اور صعوبت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے اگر تمہیں تکلیف پہنچے تو رسول پر بڑی گراں گزرتی ہے۔ (التوبہ: ۱۲۸)

غلبہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور گفتگو میں بھی اس نے مجھے دبا لیا ہے (ص: ۲۳) بعض اوقات قلت کا معنی بھی دیتا ہے۔

(فتح الباری: ص ۴۵۲ ج ۱۳)

امام بخاری نے اس سلسلہ میں تین آیات کا حوالہ دیا ہے، پہلی آیت میں العزیز صفت عزت کو مشتمل ہے، یہ صفتِ ذات ہے جس کا معنی قدرت اور عظمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ اس صفت سے متصف ہے اور مخلوق کے اعتبار سے یہ صفتِ فعل ہے جب چاہے وہ اپنی مخلوق کو عزت اور غلبہ دے، دوسری آیت میں عزت کو رب کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس کا معنی قہر اور غلبہ ہے، ممکن ہے کہ رب، مالک اور صاحب کے معنی میں ہو اس صورت میں صفت ذات ہے یعنی وہ ہمیشہ عزت والا ہے تیسری آیت میں لفظ عزت غلبہ کے معنی میں ہے کیونکہ اس کا پس منظر اس شخص کے دعوی کی تردید ہے جس نے کہا تھا کہ وہ بہت عزت والا ہے اور اس

کا مخالف ذلیل تر ہے، اس کی بایں طور تردید فرمائی کہ عزت اور غلبہ صرف اللہ اس کے رسول اور اہل ایمان کے لیے ہے حتی رسول اور اہل ایمان ہی اللہ کے ہاں عزیز ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اللہ تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے بلاشبہ وہ اللہ بڑا زور آور اور غالب ہے۔(المجادلہ: ۲۱)

پھر امام بخاری نے آخر میں فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کی عزت اور اس کی صفات کی قسم اٹھائی، آپ نے کتاب الایمان والنذور میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے "اللہ کی عزت اور اس کی صفات کی قسم اٹھانا۔(کتاب الایمان والنذور: باب رقم ۱۲،) دراصل اللہ کی عزت کی قسم اٹھانا دو طرح سے ہے۔

(أ) اگر اس سے مراد صفت ذات ہے تو حانث ہوگا کیونکہ اللہ کی صفات کی قسم اٹھانا جائز ہے۔

(ب) اگر اس سے مراد صفت فعل ہے جو مخلوق میں پیدا کی جاتی ہے تو اس کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے لیکن جب قسم اٹھانے والا مطلق طور پر عزت اللہ کی قسم اٹھائے تو اس سے مراد صفت ذات کی قسم ہوتی ہے بشرطیکہ اس کا خلاف مقصود نہ ہو۔(عمدة القاری: ص ٥٩٥، ج١٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کتاب النذور میں متصل سند سے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کا کلام نقل کیا ہے جب اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا تو وہ کہے گی اے اللہ! مجھے تیری عزت کی قسم! بس بس اب میں بھر گئی ہوں۔

(صحیح بخاری: النذور الایمان، ٦٦٦١)

ہمارے نزدیک جہنم خود کلام کرے گی اور اس وقت اللہ تعالیٰ اس میں قوت نطق پیدا فرمائے گا۔ اس کی مزید وضاحت آئندہ ہوگی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بھی امام بخاری نے متصل سند سے بیان کیا ہے (صحیح بخاری الرقاق: ٦٥٧٣) اس میں ہے کہ وہ آدمی اللہ کی عزت کی قسم اٹھائے گا، مذکورہ حدیث کو بیان کرنے میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موافقت کی ہے لیکن دس گنا کا اضافہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر ٦٥٧٤)

آخر میں حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم کا بیان ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت دی اور

سونے ٹڈیاں برسیں تو انہیں اکٹھا کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تجھے غنی نہیں کیا، اس پر حضرت ایوب علیہ السلام نے مذکورہ جواب دیا امام بخاری نے اسے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ (صحیح بخاری: الغسل، ۲۷۹)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی قدرت وعزت اور دیگر صفات کی قسم اٹھانا اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانے کے مترادف ہے نیز اللہ کی صفات مخلوق نہیں ہیں کیونکہ مخلوق کی قسم اٹھانا شرعاً ناجائز ہے۔ امام بخاری کا مقصود صفات باری تعالیٰ کو ثابت کرنا ہے اور معتزلہ کی تردید کرنا ہے جو صفات سے انکار کرتے ہیں یا انہیں تاویل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔

(شرح کتاب التوحید ص، ۱۵۰، ج۱)

۷۳۸۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ: ((أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوتُونَ)).

۷۳۸۳: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر کہا کرتے تھے اے اللہ! میں تیری عزت کی پناہ چاہتا ہوں، تیرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، تجھے موت نہیں آئے گی جبکہ جن وانس سب مر جائیں گے۔

[مسلم: ٦٧٩٩]

فوائد: خوفناک چیز سے بھاگ کر کسی بچانے والے کی پناہ میں آنے کو عوذ کہا جاتا ہے جبکہ خیر کی تلاش میں تگ ودو کرنے کو لوذ کہتے ہیں۔ استعاذہ کی یہی حقیقت ہے کہ ہر شرارتی کی شرارت سے اللہ کی پناہ لی جائے رسول اللہ ﷺ کی اکثر عادت مبارک تھی کہ وہ رب العزت کی پناہ مانگتے تھے اور پناہ لیتے وقت اللہ تعالیٰ کی صفت عزت کا حوالہ دیتے تھے، اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالہ سے پناہ مانگنا عبادت بلکہ بہترین عبادت ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے درج ذیل حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔

"اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں تم اللہ تعالیٰ کو انہیں ناموں سے پکارا کرو۔"

(الاعراف: ١٨٠)

اس کی صفات کی پناہ لینا بھی اس کی قسم اٹھانے کی طرح ہے امام بخاری کا مقصد اللہ تعالیٰ کی صفت عزت کو ثابت کرنا ہے، اس حدیث میں اس کا واضح ثبوت ہے۔

٧٣٨٤۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الأَسْوَدِ: قَالَ: حَدَّثَنَا حَرَمِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا يَزَالُ] يُلْقَى فِي النَّارِ)) [ح] وَ قَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ.

ح وَعَنْ مُعْتَمِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا يَزَالُ يُلْقَى فِيهَا ﴿وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ﴾ حَتَّى يَضَعَ فِيهَا رَبُّ الْعَالَمِينَ قَدَمَهُ فَيَنْزَوِي بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ ثُمَّ تَقُولُ: قَدْ قَدْ بِعِزَّتِكَ وَكَرَمِكَ وَلَا تَزَالُ الْجَنَّةُ تَفْضُلُ حَتَّى يُنْشِئَ اللَّهُ لَهَا خَلْقًا فَيُسْكِنَهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ)).

٧٣٨٤: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا لوگوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

دوسری سند کے ساتھ یہ روایت بایں الفاظ ہے کہ لوگوں کو مسلسل دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جہنم کہتی رہے گی، میرے اندر ڈالنے کے لیے کچھ اور ہے؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا تو اس کا ایک حصہ دوسرے سے مل جائے گا، اس وقت وہ کہے گی، تیری عزت اور تیرے کرم کی قسم! بس، بس اور جنت میں بھی جگہ بچ رہے گی یہاں تک اللہ تعالیٰ اس کے لیے موقع پر کوئی مخلوق پیدا کرے گا، جس سے جنت کے باقی ماندہ حصہ کو بھرا جائے گا۔

[راجع: ٤٨٤٨][مسلم: ٧١٧٩]

فوائد: ارشاد باری تعالیٰ ہے "اس دن ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی ہے؟ تو وہ جواب دے گی کیا کچھ اور بھی ہے"۔ (ق: ٣٠)

مذکورہ حدیث اس آیت مبارکہ کی تشریح ہے، اس حدیث میں ہے کہ جب اللہ رب العزت اپنا قدم جہنم میں رکھے گا تو جہنم اللہ تعالیٰ کی عزت اور اس کے کرم کی قسم اٹھا کر کہے گی

بس، بس میں بھر گئی ہوں امام بخاری نے اللہ کی صفات میں سے صفت عزت کو ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کو پیش کیا ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے یہ واقعہ بیان ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس صفت باری تعالیٰ کو برقرار رکھا ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی صفات مخلوق نہیں ہیں کیونکہ مخلوق کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔

واضح رہے کہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین کا قدم ہے جسے وہ جہنم میں رکھیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات سے ہے، اللہ کی صفات کے سلسلہ صرف اسی صفت کا اعتبار ہوگا جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان کیا ہو یا رسول اللہ ﷺ نے اس کی نشاندہی کی ہو، اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کے اثبات کے لیے قرآن وحدیث میں تین صورتیں ممکن ہیں۔

(ا) اللہ تعالیٰ کی صفت قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہو مثلاً العزۃ اور قدم وغیرہ۔

(ب) اللہ تعالیٰ کے اسماء قرآن وحدیث میں مذکور ہوں، ان اسماء کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہوتی ہے۔ مثلاً السمیع اللہ کا نام ہے اس کے ضمن میں صفت سمع ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ کا کوئی وصف صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں مذکور ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا یا آسمان دنیا کی طرف نزول فرمانا۔

ان صفات کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان صفات کو ظاہر پر محمول کیا جائے اور کسی قسم کی تحریف سے کام نہ لیا جائے اور نہ ہی اس کی دور از کار تاویل کرنا چاہیئے اور ظاہر سے مراد اس کا وہ معنی ہے جو لفظ کے سامنے آتے ہی فوراً ذہن میں آجائے، بعض اوقات کسی لفظ کا معنی سیاق کلام یا اضافت کی مناسبت سے معلوم ہوتا ہے، الفاظ کا ظاہری معنی وہی مراد ہوگا جو ذات باری تعالیٰ کے شایانِ شان ہو جیسا کہ مذکورہ حدیث میں قدم کا اثبات ہے اس لفظ سے مراد وہی معنی ہے جو لفظ کے سنتے ہی ذہن میں آتا ہے جسے ہم اپنی زبان میں پاؤں کہتے ہیں لیکن اس قدم سے مراد وہ قدم نہیں جو مخلوق کے لائق ہے بلکہ وہ قدم جو اللہ رب العالمین کے لائق شان ہو، صفات کے متعلق تین اعتقادی گناہوں سے اجتناب ضروری ہے۔

① ۔ تمثیل اس سے مراد یہ اعتقاد ہے کہ جو صفات ثابت ہیں وہ مخلوق کی صفات کے مماثل ہیں، یہ عقیدہ باطل ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ (الشوریٰ:١١)

② ۔ تکییف: اس سے مراد صفات باری تعالیٰ کی کیفیت بیان کرنا ہے یعنی بندے کا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی صفات کی کیفیت اس طرح ہے یہ عقیدہ بھی باطل ہے ارشاد باری تعالی ہے مخلوق کا علم اس کا احاطہ نہیں کرسکتا (طٰہٰ:١١٠) نیز فرمایا کہ جس بات کا تجھے علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔ (الاسراء:٣٦)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی صفات کی اطلاع دی ہے، اس کی کیفیت سے ہمیں آگاہ نہیں کیا، لہٰذا اپنی طرف سے اس کی کیفیت بیان کرنا ایسی بے مقصد گفتگو ہے جس کا نہ تو ہمیں علم ہے اور نہ ہی ہمارے لئے اس کا احاطہ ممکن ہے۔

③ ۔ تاویل اس سے مراد اللہ کی صفات کا ایسا معنی بیان کرنا جو اللہ اور اس کے رسول کی مراد کے خلاف ہو اور لغت عرب میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہ ہو، قدم کے متعلق درج ذیل تاویلات کی گئی ہیں۔

☆ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مستحق عذاب ہوں، جہنم کے مطالبہ پر انہیں جھونک دیا جائے گا۔ اس تاویل کی تردید خود حدیث کے الفاظ سے ہوتی ہے۔

☆ اس سے مراد ایسی مخلوق ہے جس کا نام قدم ہوگا، اس کے متعلق کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے، محض ایک گپ ہے جسے ہانک دیا گیا ہے۔

☆ اس سے مراد زجر و توبیخ اور جہنم کو خاموش کرانا مقصود ہے جیسا کہ کسی چیز کو مٹانے کا ارادہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ میں نے اسے قدموں تلے روند ڈالا ہے، لغت عرب میں اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہمارے رجحان کے مطابق صفت قدم کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اس کا ظاہر معنی مراد لیا جائے اس کی کوئی تاویل نہ کی جائے نیز اس مسئلہ میں تمثیل و تکییف سے اجتناب کیا جائے۔ (واللہ اعلم)

(٨) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ﴾. [٦/ الانعام: ٧٣]

ارشار باری تعالیٰ ہے وہی تو ہے جس نے آسمان اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے

زمین وآسمان کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کے کئی ایک معنی ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

☆ زمین وآسمان کھیل تماشے اور شغل کے طور پر نہیں بلکہ اس سے تعمیری نتائج حاصل کرنا مقصود ہے۔

☆ زمین وآسمان کی پیدائش کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ نہایت منصوبہ بندی اور دانائی کے ساتھ انہیں پیدا کیا ہے۔

☆ زمین وآسمان کو کلمہ کن سے پیدا کیا ہے یہ کلمہ کن حق ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے جس دن وہ کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا، اس کی بات برحق ہے۔(الانعام: ٧٣)

امام بخاری کے نزدیک آخری معنی راجح معلوم ہوتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں گویا امام بخاری نے اس عنوان سے اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ میں حق سے مراد کلمہ حق ہے جسے کن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(فتح الباری: ص٤٥٤، ج١٣)

واضح رہے کہ الحق اسماء حسنیٰ سے بھی ہے جس کا معنی حکمت کے تقاضے کے مطابق اشیاء کو وجود بخشنے والا ہے جسے نہ زوال ہے اور نہ تغیر وہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک قائم رہے گا۔

٧٣٨٥۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو مِنَ اللَّيْلِ: ((اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ

٧٣٨٥۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے ''اے اللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے، تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، حمد وثناء تیرے ہی لیے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قَوْلُكَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللَّهُمَّ!لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ أَنْتَ إِلَهِي لَا إِلَهَ لِي غَيْرُكَ)) حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍقَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهَذَا وَقَالَ: ((أَنْتَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ)).

[راجع: ١١٢٠]

ہے تو آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کو قائم کرنے والا ہے، تعریف تجھے ہی سزاوار ہے تو آسمان وزمین کا نور ہے تیرا قول برحق، تیرا وعدہ مبنی برحقیقت ہے، تیری ملاقات برحق، جنت سچ، دوزخ برحق اور قیامت بھی حق ہے، اے اللہ! میں نے تیرے حضور کا سر جھکا دیا، میں تجھ ہی پر ایمان لایا میں نے تجھ پر توکل کیا اور تیری طرف رجوع کیا، میں تیری ہی مدد سے باطل کے خلاف برسر پیکار ہوں اور تجھ ہی سے انصاف کا طلبگار ہوں، میرے ان تمام گناہوں کو معاف کر دے جو اس پہلے کر چکا ہوں اور جو بعد میں مجھ سے صادر ہوں، وہ گناہ بھی معاف کر دے جو میں نے پوشیدہ طور پر کیے ہیں اور جو میں نے علانیہ کیے ہیں تو ہی میرا معبود ہے تیرے علاوہ کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے۔ سفیان ثوری نے اس حدیث کو بایں الفاظ بیان کیا ہے تو حق ہے اور تیرا کلام سچ ہے۔

فوائد: امام بخاری اس امر کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں حق سے مراد کلمہ کن ہے یہ اللہ کی کلام اور اس کی صفت ہے، کیونکہ جو چیز کلمہ کن سے پیدا ہوگی وہ مخلوق اور کلمہ کن غیر مخلوق ہے، جس کلمہ سے مخلوق کو پیدا کیا ہے وہ کسی صورت میں مخلوق سے مماثل نہیں ہو سکتا، اس لیے اللہ کے قول اور اس کی مخلوق کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے، اللہ کی کلام اس کی صفت ہے اور جو چیز اس کے باعث معرض وجود میں آئی ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے، اسی اللہ

تعالیٰ نے کائنات کو کلمہ کن سے پیدا کیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے اس نے آسمان اور زمین سے کہا کہ وجود میں آ جاؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو دونوں نے کہا ہم فرمانبرداروں کی طرح آ گئے۔ (حم السجدہ: ۱۱)

اس حدیث سے امام بخاری کا محل استشہاد ''قولک الحق'' ہے، آپ نے مسئلہ کلام اللہ میں فرقہ جہمیہ اور اشاعرہ کا رد کیا ہے، کلام اللہ کے متعلق جہمیہ کا نظریہ حسب ذیل ہے۔

کلام، اللہ کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ہوا یا جس جگہ سے سنائی دیتی ہے وہاں پیدا فرمایا اللہ کی طرف اس کی نسبت اضافتِ خلق جیسا کہ ناقۃ اللہ یا اضافتِ تشریف ہے جیسا کہ بیت اللہ میں ہے۔

اس کے متعلق اشاعرہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اس کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کی مشیت سے متعلق نہیں ہے، سنے جانے والے حروف واصوات اللہ کی مخلوق ہیں جو اس نے اپنی ذاتی صفتِ کلام کی تعبیر کے لیے پیدا فرمائے ہیں، اِن دونوں فرقوں کے موقف کا جائزہ ہم آئندہ پیش کریں گے، اس مسئلہ میں ہمارا رجحان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام کو بلا تحریف وتعطیل اور بلا تکییف وتمثیل ثابت کیا جائے اور اسے مبنی پر حقیقت تسلیم کیا جائے جیسا کہ اس کی ذات کے شایانِ شان ہے اور اس کا کلام فرمانا اس کی مشیت کے تابع ہے اور وہ حروف اور سنے جانے والی آواز کے ساتھ کلام فرماتا ہے، اس موقف پر سلف صالحین کا اتفاق ہے۔ واللہ اعلم

امام بخاری نے حدیث کے آخر میں حضرت سفیان ثوری کے حوالہ سے کچھ زائد الفاظ بیان کیے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی حدیث قبیصہ نے جب اس حدیث کو سفیان ثوری سے بیان کیا تو اس سے قولک الحق سے پہلے انت الحق کے الفاظ ساقط ہو گئے ہیں جبکہ ثابت بن محمد نے حضرت سفیان سے ان الفاظ کو بیان کیا ہے۔ یہ الفاظ مکمل سیاق کے ساتھ آ گے بیان ہوں گے۔ (صحیح بخاری: ۷٤٤۲)

(٩) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

[٤/ النساء: ١٣٤]

وَقَالَ الْأَعْمَشُ عَنْ تَمِيمٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾. [المجادلة: ١]

ارشاد باری تعالیٰ ''اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

امام اعمش حضرت تمیم سے وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کے کان ہر قسم کی آواز کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی:

''اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات کو سن لیا جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے جھگڑتی ہے۔''

(المجادلہ: ١)

وضاحت: امام بخاری نے اس عنوان کے تحت اللہ تعالیٰ کی دو صفات سمع اور بصر کو ثابت کیا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے اس طرح اللہ تعالیٰ تمام صفات بھی کاملہ ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی نقص یا عیب نہیں ہے، ان صفات کاملہ میں سے ایک صفت سمع اور دوسری صفت بصر ہے، اس بناء پر اس کے صفاتی نام سمیع اور بصیر قرآنی آیات میں آئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غیر اللہ کے معبود ہونے کا ابطال اس دلیل سے کیا ہے کہ وہ سمع اور بصر سے محروم ہیں چنانچہ آپ نے اپنے باپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے ابو جان! آپ ایسے معبود کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو سنتا اور دیکھتا نہیں ہے اور نہ ہی آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ (مریم: ۴۳) اس کا معنی یہ ہے کہ کس ذات کا سمع اور بصر سے محروم ہونا عجز اور نقص پر دلالت کرتا ہے۔ اگر مخلوق میں کچھ صفات کمال ہیں تو محض اللہ کی عطا ہیں۔ اس میں مخلوق کی ذاتی کوشش کو کوئی دخل نہیں۔ بہر حال سمع اور بصر اللہ تعالیٰ کے لیے اعلیٰ درجہ کی صفات ہیں جو مبنی بر حقیقت اور کمال و مدح پر مشتمل ہیں۔

اس عنوان سے امام بخاری نے صفات باری کے متعلق دو غالی فرقوں کی تردید کی ہے

☆ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمع کے بغیر سمیع اور بصر کے بغیر بصیر ہے کیونکہ سمع کان کی جھلی سے آواز کی لہروں کے ٹکرا جانے کا نام ہے اور بصر آنکھ کی شعاع کا بالمقابل چیز پر پڑنے کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیزوں کا ثابت کرنا اس کی شان کے خلاف ہے۔

☆ کچھ لوگوں نے ان صفات کی تاویل کی ہے کہ وہ جاننے والا ہے یعنی سننے اور دیکھنے سے مراد اشیاء کے بارے میں معلومات رکھنا ہے۔

امام بخاری نے ان دونوں گروہوں کی تردید فرمائی ہے معتزلہ کی تردید بایں طور ہے کہ کان کی جھلی سے آواز کے ٹکرانے سے صفت سمع کا پیدا ہونا اور آنکھ کی شعاع کا سامنے کسی چیز پر پڑنے سے صفت بصر کا وجود میں آنا یہ مخلوق کے لئے ہے کہ وہ ان صفات کے لیے وسائط اور ذرائع کی محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ آواز کے ٹکرانے اور شعاعوں کے نکلنے سے پاک ہے وہ ان کے بغیر سنتا اور دیکھتا ہے اس طرح دوسرے گروہ کے مطابق لازم آتا ہے کہ نابینا اور بہرہ رب العالمین کے مساوی ہو کیونکہ نابینا جانتا ہے کہ آسمان نیلا ہے حالانکہ وہ دیکھتا نہیں ہے اور بہرہ جانتا ہے کہ کائنات میں آوازیں ہیں حالانکہ وہ ان کو سنتا نہیں ہے۔ اس بناء یہ عقیدہ ظاہر البطلان ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ سمیع اور بصیر کے لیے عالم ہونے کے علاوہ ایک زائد معنیٰ کو ثابت کیا جائے اور وہ سمع اور بصر ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ سمیع وہ ہوتا ہے جو کان کے ذریعے مسموعات کو سنے اور بصیر وہ ہوتا ہے جو آنکھ کے ذریعے کسی مرئی چیز کو دیکھے یہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کان اللہ سمیعاً بصیرً ا پڑھا اور اپنے انگوٹھے کو کان پر اور ساتھ والی انگلی کو اپنی آنکھ پر رکھا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ نے اس طرح اپنی انگلیاں کان اور آنکھ پر رکھی تھیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے نیز اس کی آنکھیں اور کان ہیں ان صفات کا معنیٰ ''جاننے والا نہیں'' ہے اگر ایسا ہوتا تو آپ اسے ثابت کرنے کے لیے دل کی طرف اشارہ کرتے جو علم کا محل ہے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا ہے۔

(فتح الباري: ص٤٥٦، ج١٣)

امام بخاری کی پیش کردہ معلق روایات کو امام احمد نے متصل سند سے ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کے کانوں نے ہر قسم کی آوازوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ایک جھگڑنے والی (حضرت خولہ رضی اللہ عنہا) آئی اور رسول اللہ ﷺ سے کسی معاملہ میں جھگڑنے لگی اور میں گھر کے ایک کونے میں موجود تھی لیکن مجھے اس کی باتیں سنائی نہ دیتیں تھیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو سنا کہ یہ آیت نازل فرمائی۔ (مسند امام احمد: ص٤٦، ج٦)

اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت سمع ثابت ہے اس طرح ایک حدیث میں صفت بصر کی بھی صراحت ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حجاب نور ہیں اگر وہ انہیں دور کر دے تو اس کے چہرے کی کرنیں اس کی حد بصر تک مخلوق کی ہر چیز کو بھسم کر دیں۔ (صحيح مسلم: الايمان، ٤٤٥)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام صفات باری تعالیٰ کے سلسلہ میں نصوص کے ظاہری معنی پر ایمان لائے اور ان کی کوئی تاویل نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی یہی ہے کہ انہیں مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جائے کیونکہ اگر اس سلسلہ میں صحابہ کرام کا موقف غلط ہوتا تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول انہیں ضرور متنبہ کرتا اور انہیں صحیح راستہ اختیار کرنے کے متعلق کہا جاتا لیکن کسی صحیح یا ضعیف احادیث میں ان کے متعلق کوئی تاویل منقول نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صفات کے متعلق تاویل کا سہارا لینا رسول اللہ ﷺ کا منہج نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام یا تابعین عظام نے اسے اختیار کیا ہے۔ (شرح كتاب التوحيد: ص١٨٩، ج١)

٧٣٨٦۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَكُنَّا إِذَا عَلَوْنَا كَبَّرْنَا فَقَالَ: ((ارْبَعُوا عَلَى

٧٣٨٦: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب ہم کسی پہاڑ کی بلندی پر چڑھتے تو آواز بلند اللہ اکبر کہتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! اپنے

أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا قَرِيبًا)) ثُمَّ أَتَى عَلَيَّ وَأَنَا أَقُولُ فِي نَفْسِي لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَقَالَ لِي: ((يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ! قُلْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ)) أَوْ قَالَ: ((أَلَا أَدُلُّكَ بِهِ؟)).

[راجع: ۲۹۹۲]

آپ پر رحم کھاؤ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو بلکہ تم بہت سننے والے، دیکھنے اور قریب رہنے والے کو بلاتے ہو پھر رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے جبکہ میں اپنے دل میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہہ رہا تھا آپ نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس! تم لا حول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے یا آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں نے جنت کے خزانہ کی راہنمائی نہ کروں؟

فوائد: اللہ تعالیٰ غائب نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر جگہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ ہر آواز کو سن رہا ہے وہ اس قدر دور نہیں کہ اسے بآواز بلند پکارنے کی ضرورت پیش آئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو انہیں کہہ دو کہ میں قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار کو ہر آن سنتا ہوں۔'' (البقرۃ: ۱۸۶)

آواز کیا چیز ہے وہ تو دل کی بات اور آنکھ کی خیانت کو جانتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ تم بہت سننے والے دیکھنے والے اور قریب رہنے والے کو پکارتے ہو، بندہ بھی ان صفات سے متصف ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے انسان کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا ہے۔ (الدھر: ۲)

لیکن بندے کی سمع اور بصر ناقص ہے جو دور سے سن نہیں سکتا یا دیکھ نہیں سکتا بلکہ قریب بھی اگر پردہ یا اوٹ حائل ہو تو اس کی سماعت و بصارت کام نہیں آتی لیکن اللہ تعالیٰ کامل طور پر ان صفات سے متصف ہے اس کی سمع سے کوئی حرکت فوت نہیں ہوتی خواہ وہ کتنی پوشیدہ ہو وہ رات کے اندھیرے میں سیاہ پتھر پر چلنے والی چیونٹی کے قدموں کی آہٹ کو سنتا ہے بلکہ اس

سے بھی مخفی چیزوں کو سنتا ہے، سانس کی آمد ورفت سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ اسے بھی سنتا ہے جبکہ خود انسان اسے نہیں سن سکتا، اللہ کی بصر کائنات کی تمام حرکات وسکنات کو دیکھتی ہے، اتنا انسان اپنے قریب نہیں جتنا وہ انسان کے قریب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ہم تم سے بھی زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں۔(الواقعہ: ۸۵)

ایک مقام پر اللہ کے قرب کو بایں الفاظ بیان کیا

ہم تو اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔(ق: ۱۶)

واضح رہے کہ یہ قرب علم اور قدرت کے اعتبار سے ہے ورنہ ذات باری تعالیٰ مستوی علی العرش ہے، بعض نے اس قسم کی آیات سے یہ فلسفہ کشید کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ بذات خود موجود ہے پھر وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود جیسی ناپاک اصطلاحات کو وضع کر ڈالا کچھ لوگوں نے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام خود رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بلکہ حضرت علی بھی ہر جگہ موجود ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اپنے پیروں اور مرشدوں کے ہر جگہ موجود ہونے کی صراحت کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک ہے، اللہ کے حاضر وناظر کے متعلق ہم آئندہ تفصیل سے بحث کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی مذکورہ صفات کے پیش نظر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم اپنے آپ پر رحم کرو اور ترس کھاؤ، نعرہ تکبیر کہتے وقت اپنی آوازوں کو اونچا کرنے کا تکلف نہ کرو، اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ جس ذات کی تم کبریائی اور تسبیح بیان کرتے ہو وہ سمیع اور بصیر ہے وہ پوشیدہ آواز کو بھی اسی طرح سنتا ہے جس طرح اونچی آواز کو سنتا ہے اور مخفی اشیاء کو اس طرح دیکھتا ہے جس طرح برسر عام پڑی چیز کو دیکھتا ہے۔ اس پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔(کتاب التوحید: ص ۱۹۱، ج ۱)

۷۳۸۸، ۷۳۸۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو

۷۳۸۷، ۷۳۸۸: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسی دعا سکھائیں جسے میں دوران نماز پڑھا کروں،

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ رضی اللہ عنہ قَالَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُوْ بِهِ فِي صَلَاتِي قَالَ: ((قُلْ: اللّٰهُمَّ! إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيْرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مِنْ عِنْدِكَ مَغْفِرَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)). [راجع: ٨٣٤]

آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو، اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا ہے، تیرے علاوہ کوئی بھی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا فرما، یقیناً تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

فوائد: کچھ شارحین نے کہا کہ مذکورہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سمیع اور بصیر ہونے کا ذکر نہیں ہے، اس کا جواب علامہ کرمانی نے دیا ہے کہ کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جنہیں دیکھا یا سنا جاتا ہے اس دعا کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان گناہوں کو دیکھتا اور سنتا ہے، پھر بندے کی دعا کے مطابق اس کی مغفرت عمل میں آتی ہے۔

(فتح الباری: ص٤٥٩ ، ج١٣)

اس مقام پر حدیث سے مقصود یہ ہے کہ جس ذات کو پکارنے والا پکارتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سمیع ہوتا کہ پکارنے والے کی پکار کو ہر آن سنے اور وہ بصیر ہوتا کہ اس کی حالت کو دیکھ کر اپنی قدرت کاملہ سے اس کے مطلوب کو اس تک پہنچائے، اگر وہ ایسا نہیں ہوگا تو دعا کرنے والے کی پکار ضائع اور بے کار ہے بندے کی دعا اور اللہ کی طرف سے شرف قبولیت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سمیع، بصیر، قادر، زندہ اور جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے معبودانِ باطلہ کی بے بسی بایں الفاظ بیان کی ہے جو سنتے یا دیکھتے نہیں ہیں۔

''اور اس شخص سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ایسی ذات کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے۔ بلکہ اس قسم کے معبودانِ باطلہ تو ان کی دعا پکار سے ہی بے خبر ہیں۔'' (الاحقاف: ٥)

نیز جس سے دعا کی جائے اس کے چند ایک لوازمات حسب ذیل ہیں۔

ا۔ وجود، کیونکہ جو موجود نہ ہو اس سے دعا نہیں کی جاتی۔

۲۔ غنی، کیونکہ فقیر محتاج سے کوئی نہیں مانگتا۔

۳۔ سمیع، کیونکہ بہرے کو کوئی نہیں پکارتا۔

۴۔ الکریم، کیونکہ بخیل سے کوئی سوال نہیں کرتا۔

۵۔ رحیم، کیونکہ سنگدل سے کوئی التجاء نہیں کرتا۔

۶۔ قادر کیونکہ عاجز اور بے بس کو کوئی نہیں پکارتا۔(شرح کتاب التوحید: ص١٩٦، ج١)

ان حقائق کی بناء پر مذکورہ حدیث عنوان کے عین مطابق ہے کیونکہ اس دعا میں انسان اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر عرض کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہونا اسی وقت صحیح ہوگا جب وہ سنتا، دیکھتا اور حاضر ہو بصورت دیگر غائب کو کون مخاطب کرتا ہے؟

٧٣٨٩۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها حَدَّثَتْهُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ جِبْرِيلَ [عَلَيْهِ السَّلَام] نَادَانِي قَالَ: إِنَّ اللَّهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ)).

[راجع: ٣٢٣١]

٧٣٨٩: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیل نے مجھے آواز دے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی بات کو سن لیا اور جو کچھ انہوں نے آپ کو جواب دیا ہے اسے بھی سن لیا ہے۔

فوائد: امام بخاری نے انتہائی اختصار کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا احد کے دن سے زیادہ گراں دن بھی کبھی آپ پر آیا ہے تو آپ نے جواب دیا ''ہاں'' تمہاری قوم سے مجھے جن جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان میں سب سے سنگین مصیبت وہ تھی جس سے میں عقبہ کے دن دوچار ہوا جب میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل بن عبد کلال کے صاحبزادے پر پیش کیا۔ مگر اس نے میری بات قبول نہ کی، میں غم والم سے نڈھال ہو کر اپنے رخ پر چل پڑا مجھے قرن ثعالب پہنچ کر ہی افاقہ وہاں میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ

فگن ہے۔ میں نے بغور دیکھا تو اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے انہوں نے مجھے آواز دے کر کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا کلام اور ان کا جواب سن لیا ہے، اب اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تا کہ آپ ان کے متعلق اسے جو حکم دیں اس کی تعمیل ہو، اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی اور سلام کرنے کے بعد کہا اے محمد! بات یہی ہے اب آپ جو چاہیں میں کرنے کے لیے حاضر ہوں اگر آپ چاہیں تو میں انہی دو پہاڑوں کے درمیان انہیں کچل دوں؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گی۔ (صحيح بخاري: بدء الخلق، ۳۲۳۱)

اس حدیث میں واضح طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتوں کو سنتا ہے اور انہیں دیکھتا ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے، سمع اور بصر اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں جس کے متعلق ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں جو شخص ان صفات کا انکار کرتا ہے، انہیں ان سے آگاہ کیا جائے اور دلائل و براہین سے اسے قائل کیا جائے اگر وہ اپنے انکار پر جما رہے اور حق کی وضاحت کے باوجود اسے قبول نہ کرے تو اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ اس نے ایک ایسی چیز کا انکار کیا ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کے اجماع سے ثابت ہے۔

(شرح كتاب التوحيد: ص۱۹۹ ج۱)

حافظ ابن حجر نے کرمانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان احادیث سے اللہ تعالیٰ کی دو ذاتی صفات سمع اور بصر کا ثبوت ملتا ہے، جب کوئی مسموع یا مرئی چیز وجود میں آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذاتی قدیم صفات کا تعلق ان سے قائم ہو جاتا ہے جبکہ معتزلہ ان صفات کو حادث کہتے ہیں قرآنی آیات اور احادیث ان کے موقف کی تردید کرتی ہیں بہر حال اس سلسلہ میں اسلاف کا موقف ہی صحیح اور درست ہے۔ (فتح الباري: ص۴۵۹، ج۵٤)

(۱۰) بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ﴾ [٦/ الانعام: ٦٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہہ دیجئے! وہی (اللہ) قدرت والا ہے

امام بخاری نے اس عنوان کے تحت اللہ تعالیٰ کے لئے صفت قدرت کو ثابت کیا ہے،

یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، تمام اہل اسلام اور دیگر اہل مذاہب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے لیکن بعض لوگوں نے اس صفت میں بھی کجروی کا پہلو اختیار کیا ہے۔ مثلاً

☆ امکان کذب باری تعالیٰ یعنی کیا اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے؟ حالانکہ اللہ کی طرف ایسی بری صفات کا انتساب صریح کفر ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے اور وہ تمام بُری صفات سے پاک ہے۔

☆ کیا اللہ تعالیٰ خود کو ختم کرنے پر قادر ہے؟ ایسا کہنا بھی کفر ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی توہین لازم آتی ہے اس نے خود اپنے بارے میں فرمایا اس کی ذات کے بغیر ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔(القصص: ۸۸)

☆ کیا اللہ تعالیٰ ظلم کرنے پر قادر ہے؟ ایسا کلمہ اللہ کی توہین پر مبنی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اچھی اچھی صفات ہیں جو کمال مدح پر مبنی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا'' (الکھف: ۴۹) اللہ کی طرف ظلم کی نسبت کرنا اس کی توہین ہے۔

☆ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کسی کو آن واحد میں مارے اور زندہ کرے یعنی وہ بیک وقت مرا ہوا اور زندہ بھی ہو، حالانکہ اس قسم کے ممتنع لذاتہ کو شئی نہیں کہا جاتا نہ ہی اس کا کوئی خارجی وجود ہے بلکہ ذہن میں بھی اس کا تصور نہیں لایا جا سکتا لہٰذا اس پر شئی کا اطلاق نہیں ہوتا۔

دراصل اللہ کی قدرت کا تعلق اس کی مشیت سے ہے، جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جسے نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور ہر چیز اس کی قدرت کا کرشمہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور وہی جب چاہے انہیں اکٹھا کر لینے پر قادر ہے۔(الشوریٰ: ۲۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قدرت کو اپنی مشیت پر موقوف رکھا ہے۔

اللہ کی آیات میں الحاد اور کجروی کے عام طور پر تین اسباب ہیں۔

☆ ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق علم نہیں رکھتا بلکہ جہالت کی وجہ سے خلاف حق موقف اختیار کرتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار ہوتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے عناد رکھتے ہوئے ان کے عقائد کو خراب کرنا چاہتا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متعدد مقام پر اپنی قدرت کو بیان فرمایا ہے اور جملہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو ثابت کرتے ہیں۔

۷۳۹۰۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِي قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُنْكَدِرِ يُحَدِّثُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ السُّلَمِيُّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُ أَصْحَابَهُ الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ: ((إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ: اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ! فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ هَذَا الْأَمْرَ ثُمَّ تُسَمِّيهِ بِعَيْنِهِ خَيْرًا لِي فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ قَالَ أَوْ فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ اللَّهُمَّ! وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ شَرٌّ

۷۳۹۰: حضرت جابر بن عبداللہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تمام مباح کاموں میں استخارہ کرنے کی تعلیم دیتے تھے جس طرح آپ انہیں قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے، آپ فرماتے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا قصد کرے تو اسے چاہیے کہ فرض کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھے پھر یوں کہے اے اللہ! میں تیرے علم کے طفیل اس کام میں خیریت طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے طفیل میں طاقت مانگتا ہوں اور تیرے فضل کا طلبگار ہوں کیونکہ تجھے قدرت ہے مجھے نہیں، تو جانتا ہے میں نہیں جانتا، تو غیوب کو اچھی طرح جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (یہاں اس کام کا بعینہٖ نام لے) میرے لیے دنیا و آخرت میں یا اس طرح فرمایا کہ میرے دین، میری زندگی اور میرے ہر انجام کے اعتبار سے بہتر ہے۔ تو مجھے اس کی قدرت دے اور میرے لیے اسے آسان کر دے، اے اللہ! اگر تو جانتا

لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ))۔ [راجع: ١١٦٢]

ہے کہ یہ کام (یہاں اس کام کا بعینہ نام لے) میرے لیے دنیا وآخرت میں یا اس طرح فرمایا کہ میرے دین، میری زندگی اور میرے ہر انجام کے اعتبار سے برا ہے تو مجھے اس کام سے دور رکھ اور میرے لیے بھلائی مقدر کر دے جہاں بھی وہ ہو پھر مجھے اس پر راضی اور خوش کر دے۔

فوائد: مستقبل میں قسمت آزمائی کے متعلق قبل از اسلام مختلف طریقے رائج تھے مثلاً:

- ☆ تیروں اور پانسوں سے قسمت آزمائی اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جاتا۔
- ☆ قیافہ شناسی کو بھی بڑی اہمیت حاصل تھی، اسے بطور پیشہ اختیار کیا جاتا تھا۔
- ☆ پرندوں کو اڑا کر پیش آمدہ امور کے متعلق فیصلہ کیا جاتا کہ وہ کس طرف جاتا ہے۔
- ☆ اس سلسلہ میں کاہنوں اور نجومیوں کا کام بھی عروج پر تھا۔

اسلام نے ان طریقوں کو غلط ٹھہرا کر امت اسلامیہ کے لیے صرف استخارہ کو جائز ٹھہرایا، اس میں انسان اپنی عاجزی اور بے بسی کا اظہار کرتا ہے، اس کے آداب وشرائط اور فوائد بھی احادیث میں بیان ہوئے ہیں لیکن بعض اوقات انسان اس مسنون عمل کے بجائے خودساختہ طریقوں کو اختیار کر لیتا ہے، جن کا کتاب وسنت میں کوئی ثبوت نہیں ہے، اس مسنون عمل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے عقیدہ کی اصلاح ہوتی ہے کیونکہ اس میں توحید الوہیت کا اظہار اور صرف اپنے اللہ پر توکل کرنا ہوتا ہے، نیز استخارہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے، استخارہ کن کاموں میں جائز اور کن امور میں ناجائز ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ☆ وہ معاملات جن پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے، ایسے امور میں استخارہ کرنا جائز نہیں ہے۔
- ☆ جن امور سے اجتناب کرنا ضروری ہے، ان میں بھی استخارہ کرنا صحیح نہیں ہے۔
- ☆ جو کام شریعت کی نظر میں پسندیدہ ہیں، ان میں استخارہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

☆ جو کام شریعت میں ناپسندیدہ ہیں، ایسے امور میں بھی استخارہ کرنا درست نہیں ہے۔

☆ جن امور کے کرنے یا نہ کرنے کا انسان کو اختیار دیا گیا ہے یعنی جو کام مباح کے دائرہ میں ہیں ایسے کاموں میں استخارہ جائز اور فائدہ مند ہے۔

شادی جیسے اہم معاملہ میں بھی استخارہ کرنا چاہیے، اس کی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو استخارہ کا حکم دیا تھا۔ (مستدرك حاكم: ص٣١٤، ج١)

واضح رہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خواب آنا ضروری نہیں کہ اس میں انسان کو وہ کام کرنے یا نہ کرنے کا اشارہ ملے بلکہ قلبی رجحان اور طبعی میلان جس طرف ہو جائے اس پر عمل کیا جائے۔

استخارہ میں انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حوالہ سے اپنی بے بسی اور عاجزی کو اللہ کے حضور پیش کرتا ہے کہ اے اللہ! تو ہی قدرتِ کاملہ کا سزاوار ہے، میں تو بے بس اور لاچار ہوں، تو اپنی قدرت سے مجھے وہ چیز مہیا کر جسے میں حاصل کرنا چاہتا ہوں، اس کے تمام اسباب و وسائل پیدا کر دے، تو ہی معاملات کے نتائج و عواقب کو جاننے والا ہے، اے اللہ! تجھ پر ماضی، حال اور مستقبل کا کوئی واقعہ مخفی نہیں ہے، تیرا علم ہر چیز پر حاوی ہے جبکہ میں اس سلسلہ میں بالکل تہی دست ہوں، میں تو وہی کچھ جانتا ہوں جس سے تو نے مجھے آگاہ کیا ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کو ثابت کیا ہے اور اس کی قدرت ہر مقدور کو شامل ہے، اس سے معتزلہ قدریہ کی تردید مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں مانتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اپنے خودساختہ اصولوں میں مقید کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ نے آیت کریمہ میں اتنا حصہ ہی ذکر کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے، جو چیز بھی ذاتی طور پر ممکن ہے وہ اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جس چیز کا ارادہ کر لیتا ہے اس کے متعلق ہونے کا فیصلہ کر دیتا ہے، اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں اور نہ ہی کسی کو اس کے فیصلے میں رخنہ اندازی کی ہمت ہے، کچھ بے دین ملحدین نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو غلط رنگ دیا ہے۔ مثلاً:

☆ آیا اللہ تعالیٰ اپنے جیسا پیدا کرنے پر قادر ہے؟ حالانکہ اس نے خود اس بات کی نفی کی

ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ (الاخلاص:۴)

نیز فرمایا کہ کیا آپ اللہ کا کوئی ہم نام جانتے ہیں۔ (مریم:۶۵)

☆ کیا اللہ تعالیٰ اپنی بیوی اور بچے بنانے پر بھی قادر ہیں؟ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اور کیا توہین ہوسکتی ہے کہ اس نے خود اپنے لیے بیوی اور اولاد کی نفی کی ہے لیکن اس کی قدرت کے حوالہ سے اس کی طرف بیوی اور اولاد کی نسبت کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اور ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے اس نے کبھی کسی کو بیوی یا بیٹا نہیں بنایا۔ (الجن: ۳)

بہر حال قدرت، اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اور ہر مقدور کو شامل ہے۔ واللہ المستعان۔

(۱۱) بابُ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ﴾ (۶/ الانعام:۱۱۰)

اللہ تعالیٰ دلوں کو پھیرنے والا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پھیرتے ہیں۔''

وضاحت: دلوں کو پھیرنے کا معنی ان کا ایک رائے سے دوسری رائے کی طرف پھیر دینا ہے، اس سے دل کو الٹا کر دینا مراد نہیں ہے، پوری آیت کریمہ بایں طور ہے۔

اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو ایسے ہی پھیر دیں گے جیسے وہ پہلی بار بھی اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں ہی بھٹکتے چھوڑ دیں گے۔

اس آیت کریمہ میں دلوں کو پھیرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے جبکہ قدریہ کا کہنا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ بندہ ہی اپنے ارادے اور قدرت میں مستقل ہے، ان کے برعکس جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال واعمال میں مجبور محض ہے اسے کوئی اختیار نہیں ہوتا، لیکن اہل سنت کا موقف اعتدال پر مبنی ہے کہ بندہ چونکہ اپنے افعال واعمال کو اپنے اختیار وارادہ سے سرانجام دیتا ہے اس لیے قیامت کے دن اسی اختیار کی بناء پر اسے باز پرس ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ بندے کے افعال کا خالق ہے اس لیے

بندے کے افعال کی نسبت اللہ کی طرف بھی کی جاتی ہے۔ چنانچہ پیش کردہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی گمراہی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دیں گے، چونکہ اسباب کا اختیار کرنا انسان کے اپنے بس میں ہے اور اسی اختیار پر انسان کا مؤاخذہ ہوگا ان اسباب سے نتائج پیدا کرنا اللہ کے اختیار میں ہے لہٰذا نتائج کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہوسکتی ہے اور عمل کرنے والوں کی طرف بھی جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کردیئے۔

(الصف: ٥)

امام بخاری کا اس عنوان سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی اپنی مخلوق میں تصرف کا مالک ہے حتی کہ بندوں کے دل جوان کی نیتوں اور مختلف آراء پر مشتمل ہوتے ہیں، ان میں بھی اللہ کا اختیار چلتا ہے، وہی ان میں تصرف کرتا ہے، اللہ کی مشیت کے بعد ہی انہیں قدرت حاصل ہوتی ہے گویا یہ عنوان سابق عنوان کا تکملہ ہے۔ جس میں اللہ کی قدرت کو بیان کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم

٧٣٩١۔ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: أَكْثَرُ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَحْلِفُ: ((لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ)). [راجع: ٦٦١٧]

٧٣٩١: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت یہ قسم اٹھایا کرتے تھے دلوں کو پھیرنے والے کی قسم!

فوائد: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت اس طرح قسم اٹھاتے تھے "لا ومصرف القلوب" دلوں میں تصرف کرنے والے کی قسم! (ابن ماجہ، الکفارات: ٢٠٩٢)

حافظ ابن حجر اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قلب کے جتنے اعمال ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں مثلاً دل کا ارادہ کرنا، اس میں کسی خواہش کا پیدا ہونا نیز ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنا، نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے

پیش نظر اس کے مطابق اللہ کے شایان شان نام بھی رکھا جاسکتا ہے۔

(فتح الباری: ص٦٤٢، ج١١)

قلب کو قلب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بکثرت ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرتا رہتا ہے، اگرچہ دل کا پھرنا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں گویا وہ ایک دل کی طرح ہیں اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے انہیں پھیرتا رہتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ یوں کہتے اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(صحیح مسلم: القدر: ٢٦٥٤)

دلوں کو پھیرنے کی صفت فعلی ہے جس کا مرجع قدرت ہے، فعلی صفات نوعیت کے لحاظ سے قدیم ہیں، لیکن بندے سے تعلق کے اعتبار سے حادث ہیں، اللہ تعالیٰ ازل سے ہی دلوں کو پھیرنے والا تھا ایسا نہیں کہ وہ پہلے ان صفات فعلیہ سے متصف نہ تھا بعد میں ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے خالق ہے، اس کے سوا ہر چیز مخلوق ہے، اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت مخلوق یا حادث نہیں ہیں، البتہ فعلی صفات کا بندے سے تعلق حادث ہوتا ہے، فعلی صفات اللہ کی مشیت کے تحت ہوتی ہیں۔ بہر حال مذکورہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کے دلوں کا مالک ہے، انہیں جب چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے پھیرنے کا اختیار رکھتا ہے، کوئی بھی اس صفت میں اس کا شریک نہیں ہے، کائنات میں کوئی چیز اس کے ارادہ کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہوتی، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بندہ ہر آن اللہ کا محتاج ہے، ایک لحظہ کے لیے بھی اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، اگر اسے اللہ کی طرف سے ہدایت اور توفیق ہدایت نہ ملے تو دنیا میں بھی ذلیل وخوار اور آخرت میں سخت ترین عذاب میں گرفتار ہوگا، اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ بندہ بااختیار اور مکلّف ہے اور اسی ارادہ واختیار پر قیامت کے دن جزا وسزا مرتب ہوگی۔ (شرح کتاب التوحید: ٢١٤، ج١)

(۱۲) بَابُ إِنَّ لِلَّهِ مِائَةَ اسْمٍ إِلَّا وَاحِدًا

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ذُو الْجَلَالِ﴾ [۵۵/ الرحمن: ۲۷] الْعَظَمَةِ ﴿الْبَرُّ﴾ [۵۲/ الطور: ۲۸] اللَّطِيْفُ.

اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ذوالجلال کا معنی عظمت والا ہے اور البرّ کا معنی لطیف اور باریک بین ہے۔

وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کو ابن ابی حاتم نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔

(فتح الباری: ص۷٦٦، ج۸)

۷۳۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) ﴿أَحْصَيْنَاهُ﴾ حَفِظْنَاهُ. [راجع: ۲۷۳٦]

۷۳۹۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی سو سے ایک کم، جو کوئی انہیں یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اَحْصَيْنَاهُ کا معنی حَفِظْنَاهُ ہے۔ یعنی ہم نے اسے محفوظ کیا۔

فوائد: اس عنوان کی غرض اللہ تعالیٰ کے اسماء کو ثابت کرنا ہے جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، یہ نام اس توحید کا حصہ ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور اپنی امت کو اسے اختیار کرنے کی دعوت دی اللہ کے جتنے بھی نام ہیں وہ اس کی جلالت وعظمت پر دلالت کرتے ہیں اسی لیے انہیں حسنیٰ کہا جاتا ہے۔ مثلاً

☆ العلیم اس ذات کو کہتے ہیں جس کا علم تمام کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہو اور زمین وآسمان میں ایک ذرہ بھی اس سے اوجھل نہ ہو۔

☆ القدیر اس ہستی کو کہا جاتا ہے جو ایسی زبردست طاقت کی مالک ہو جسے کوئی عاجز نہ کر سکے۔

☆ الرحیم کا لفظ اللہ کی اس عظیم الشان رحمت پر دلالت کرتا ہے جو ہر چیز سے وسیع ہے۔

یہ حدیث اللہ کے اسماء کو ننانوے میں منحصر کرنے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اللہ کے نام اس تعداد سے کہیں زیادہ ہیں، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے اسماء میں سے ننانوے نام ایسے ہیں جنہیں یاد کر لینے سے جنت کا پروانہ مل جاتا ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ میرے پاس سو کتابیں ہیں جو میں نے غریب طلباء میں تقسیم کرنا ہیں، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس کے پاس زیادہ کتابیں نہیں ہیں، ان میں سے کچھ نام ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو آگاہ کیا ہے اور بعض ایسے ہیں جنہیں علم غیب میں رکھا ہے کیونکہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مصیبت یا پریشانی میں مبتلا ہو تو وہ درج ذیل دعا پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے رنج والم کو دور کر دے گا اور اس کے بدلے اسے خوشی عطا فرمائے گا۔

اے اللہ! بے شک میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا فرزند ہوں، تیری بندی کا لخت جگر ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرا حکم مجھ پر جاری ہے، میرے متعلق تیرا فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی ہے، میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنے لیے رکھا ہے یا وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اسے تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اسے اپنے پاس علم غیب میں ہی رکھ لیا ہے۔ تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے غم کا مداوا اور میری پریشانی کا علاج بنا دے۔ (مسند امام احمد: ص۳۹۱، ج۱)

اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ کے کچھ نام ایسے ہیں جو اس نے اپنی مخلوق کو سکھائے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہیں اپنے پاس علم غیب میں رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کی تعداد بیان کرنے کے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، سنن ترمذی میں ایک روایت میں ننانوے نام بیان ہوئے ہیں (حدیث نمبر ۳۵۰۷) لیکن یہ روایت ولید بن مسلم کی تدلیس کی بنا پر ضعیف ہے البتہ کچھ علماء نے اجتہاد کر کے کتاب وسنت سے ننانوے نام بیان کئے ہیں واضح رہے کہ یہ وہی نام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے یا اس کے رسول ﷺ نے اللہ کے لیے ثابت کیا ہے، یہ نام اللہ کی شان کے شایان تکییف وتمثیل اور تحریف وتعطیل کے بغیر ثابت ہیں، ان کے متعلق کوئی تاویل کرنے کے بجائے انہیں مبنی بر

حقیقت تسلیم کیا جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔'' (الشوریٰ: ۱۱)

اللہ تعالیٰ کے یہ نام حسن کے بلند ترین اور اعلیٰ ترین مقام پر پہنچے ہوئے ہیں، اللہ کے ذاتی نام کے علاوہ باقی نام مشتق ہیں جو اس کی صفات پر دلالت کرتے ہیں مثلاً عزیز عزت پر اور حکیم حکمت پر اللہ کے ناموں میں کوئی نام جامد نہیں اسی لیے ''الدھر'' اللہ کا نام نہیں ہے، اللہ کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نمبر شمار	نام	معنی	دلیل
1	اللہ	ذاتی نام	البقرہ:۲۰
2	الآخر	آخر	الحدید:۳
3	الاحد	ایک	الاخلاص:۱
4	الاعلیٰ	بہت بلند	الاعلیٰ:۱
5	الاکرام	زیادہ کرم کرنے والا	العلق:۳
6	الالہ	معبود برحق	النحل:۵۱
7	الاول	پہلا	الحدید:۳
8	الباری	پیدا کرنے والا	الحشر:۲۴
9	الباطن	باطن	الحدید:۳
10	البرّ	بڑا محسن	الطّور:۲۸
11	البصیر	دیکھنے والا	الشوریٰ:۱۱
12	التواب	توبہ قبول کرنے والا	الحجرات:۱۲
13	الجبار	تلافی کرنے والا	الحشر:۲۳
14	الجمیل	خوبصورت	صحیح مسلم:۱۴۷
15	الحافظ	نگہبان	یوسف:۶۴
16	الحسیب	حساب لینے والا	النساء:۶

17	الحفیظ	حفاظت کرنے والا	ھود:۵۷
18	الحق	برحق	الحج:۶۲
19	الحکم	فیصلہ کرنے والا	ابوداود:۴۹۵۵
20	الحکیم	حکمت والا	الحشر:۱
21	الحلیم	بردبار	البقرہ:۲۲۵
22	الحمید	تعریف کے سزاوار	الشوریٰ:۲۸
23	الحی	زندہ جاوید	المؤمن:۶۵
24	الحیّی	حیا کرنے والا	ابوداود:۴۰۱۲
25	الخالق	پیدا کرنے والا	الحشر:۲۴
26	الخبیر	خبر رکھنے والا	التحریم:۳
27	الخلاق	بہترین پیدا کرنے والا	الحجر:۸۶
28	الدیان	بدلہ دینے والا	مستدرک حاکم ص ۴۳۸، ج ۲
29	الرب	پروردگار	یٰس:۵۸
30	الرحمٰن	بہت رحم کرنے والا	فاتحہ:۲
31	الرحیم	انتہائی مہربان	البقرہ:۱۶۳
32	الرزاق	رزق دینے والا	الذاریات:۵۸
33	الرفیق	نرمی کرنے والا	بخاری:۶۹۲۷
34	الرقیب	محافظ	الاحزاب:۵۲
35	الرؤوف	بہت مہربان	النحل:۷
36	السبوح	ہر عیب سے پاک	صحیح مسلم:۴۸۷
37	الستیر	پردہ پوش	ابوداود:۴۰۱۲
38	السلام	سلامتی والا	الحشر:۲۳
39	السمیع	سننے والا	المجادلہ:۱

40	السید	سردار	ابوداود:۴۸۰۶
41	الشافی	شفا دینے والا	بخاری:۵۷۴۲
42	الشاکر	قدردان	النساء:۱۴۷
43	الشکور	بہت قدردان	فاطر:۳۴
44	الشہید	گواہ	حم السجدہ:۵۳
45	الصمد	بے نیاز	الاخلاص:۲
46	الطیب	پاک	صحیح مسلم:۱۰۱۵
47	الظاہر	غالب	الحدید:۳
48	العزیز	زبردست	الحشر:۲۴
49	العظیم	بہت عظمت والا	البقرہ:۲۵۵
50	العفو	معاف کرنے والا	المجادلہ:۲
51	العلیم	بہت علم والا	التحریم:۲
52	العلی	بلند	الشوریٰ:۵۱
53	الغالب	غالب	یوسف:۲۱
54	الغفار	گناہ معاف کرنے والا	نوح:۱۰
55	الغفور	بخشنے والا	الزمر:۵۳
56	الغنی	غنی	محمد:۳۸
57	الفتاح	در رحمت کھولنے والا	سبا:۲۶
58	القادر	قدرت والا	الانعام:۶۵
59	القاہر	غالب	الانعام:۱۸
60	القدوس	عیوب سے پاک	الجمعہ:۱
61	القدیر	قدرت والا	الملک:۱
62	القریب	قریب	البقرہ:۱۸۶

63	القہار	دباؤ رکھنے والا	ابراہیم:۴۸
64	القوی	زیادہ قوت والا	الشوریٰ:۱۹
65	القیوم	بذات خود قائم ودائم	البقرہ:۲۵۵
66	الکبیر	سب سے بڑا	الحج:۶۲
67	الکریم	کرم پیشہ	الانفطار:۶
68	الکفیل	ضامن	النحل:۹۱
69	اللطیف	باریک بین	الملک:۱۴
70	المبین	واضح کرنے والا	النور:۲۵
71	المتعال	بہت بلند	الرعد:۹
72	المتکبر	کبریائی والا	الحشر:۲۳
73	المتین	مضبوط، طاقتور	الزاریات:۵۸
74	المجیب	جواب دینے والا	ہود:۶۱
75	المجید	بزرگی والا	ہود:۷۳
76	المحسن	احسان کرنے والا	صحیح الجامع الصغیر:۱۸۱۹
77	المحیط	احاطہ کرنے والا	حم السجدہ:۵۴
78	المصور	تصویر بنانے والا	الحشر:۲۴
79	المعطی	عطا کرنے والا	صحیح بخاری:۳۱۱۶
80	المقتدر	قدرت رکھنے والا	الکہف:۴۵
81	المقدم	آگے لانے والا	صحیح بخاری:۱۱۲۰
82	المقیت	خوراک دینے والا	النساء:۸۵
83	الملک	بادشاہ	الحشر:۲۳
84	الملیک	بادشاہ	القمر:۵۵
85	المنان	احسان کرنے والا	ابوداود:۱۴۹۵

86	المهيمن	نگہبان	الحشر:۲۳
87	المؤخر	پیچھے ہٹانے والا	صحیح بخاری:۱۱۲۰
88	الولی	کارساز	الانفال:۴۰
89	المؤمن	امن دینے والا	الحشر:۲۳
90	النصیر	مددگار	النساء:۴۵
91	الھادی	ہدایت دینے والا	الفرقان:۳۱
92	الواحد	اکیلا	الرعد:۱۶
93	الوارث	وارث	الحجر:۲۳
94	الواسع	وسعتوں والا	البقرہ:۱۱۵
95	الوتر	ایک	صحیح بخاری:۶۴۱۰
96	الودود	محبت کرنے والا	البروج:۱۴
97	الوکیل	معاش کا ضامن	آل عمران:۱۷۳
98	الولی	مددگار	الشوریٰ:۹
99	الوہاب	عطا کرنے والا	آل عمران:۸

واضح رہے کہ بعض نام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، مخلوق کے لیے ان کا استعمال صحیح نہیں ہے مثلاً رحمٰن، رزاق، الصمد اور خالق وغیرہ اور بعض نام ایسے ہیں جو مخلوق پر بھی ان اطلاق ہوتا ہے مثلاً رؤوف رحیم اللہ تعالیٰ کے لئے بھی اور رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی ان کا استعمال ہوا ہے (التوبہ: ۱۲۸) اسی طرح سمیع بصیر اللہ کے لیے بھی ہیں اور انسان کے لیے بھی بولے جاتے ہیں (الدھر: ۲) یہ صرف لفظی اشتراک ہے معنوی اعتبار سے خالق، مخلوق کے مشابہ نہیں اور نہ مخلوق اپنے خالق کے مشابہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے ناموں کے ساتھ موسوم ہے اور اس نے اپنا کوئی نام ایسا نہیں رکھا جس کے ساتھ وہ پہلے سے موسوم نہ ہو، اسی طرح اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہمیشہ تک موصوف ہے۔ اس کی بعض صفات ذاتی ہیں جو ازل سے ابد تک اس کے ساتھ قائم ہیں مثلاً

الوجہ، الید، السمع ، البصر وغیرہ اور بعض صفات فعلی ہیں جو مشیئت اور ارادے سے متعلق ہیں جیسے الخلق ، الرزق ، النزول وغیرہ ان صفات کی نوعیت قدیم لیکن ان کا نفاذ جدید ہے۔

امام بخاری نے حدیث کے آخر میں مناسبت کی بنا پر ایک قرآنی لفظ کی لغوی تشریح فرمائی ہے، اس سے بعض شارحین نے یہ نکتہ کشید کیا ہے کہ امام بخاری کی مراد اسماء حسنی کو زبانی یاد کرنا ہے، حالانکہ زبانی طور پر بعض اوقات منافقین بھی انہیں پڑھتے ہیں جیسا کہ خوارج کے متعلق حدیث میں ہے وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، ہمارے نزدیک احصاء کی دو صورتیں ہیں۔

☆ عملی: اسماء حسنی کے معانی کے مطابق انسان خود کو ڈھالے مثلاً الرحیم، رحم کرنے والا، الکریم سخاوت کرنے والا، العفو معاف کرنے والا، انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں پر رحم کرے، سخاوت کرے اور درگزر سے کام لے۔

☆ قولی: انہیں یاد کرلے، ورد کے طور پر پڑھے، ان کے طفیل اللہ تعالیٰ سے سوال کرے، اس میں مؤمن کے علاوہ دوسرے بھی شریک ہیں تاہم اہل ایمان، ان کے مطابق عقیدہ رکھنے اور عمل کرنے میں دوسروں سے ممتاز ہیں۔(فتح الباری: ص ٤٦٢ ، ج ١٣)

(١٣) بَابُ السُّؤَالِ بِأَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى وَالِاسْتِعَاذَةِ بِهَا.

اسماء اللہ کے وسیلہ سے سوال کرنا اور ان کے ذریعے پناہ مانگنا

شارح بخاری ابن بطال نے کہا کہ اس عنوان سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ اسم عین مسمی ہے اور مسمی کی طرح غیر مخلوق ہے جبکہ جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ کے اسماء مخلوق ہیں کیونکہ اسم مسمی کا غیر ہے ان کا دعوی ہے کہ اللہ تھا اور اسماء کا وجود نہ تھا پھر انہیں پیدا کیا اور ان کو اپنا نام بنایا، امام بخاری نے اس عنوان کے ذریعے جہمیہ کی تردید کی ہے کہ اگر اسم مخلوق ہوتا اور مسمی کا غیر ہوتا تو غیر اللہ کے ذریعے پناہ مانگنا جائز ہوتا حالانکہ اللہ کے علاوہ کسی مخلوق کے ذریعے پناہ مانگنا جائز نہیں ہے۔(فتح الباری: ص ٤٦٤ ، ج ١٣)

اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں تم انہی ناموں سے اسے پکارا کرو۔(الاعراف: ١٨٠)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اسے اسماء حسنی کے ذریعے پکارا جائے اور ان کے حوالہ سے اس کی عبادت کی جائے رسول اللہ ﷺ نے اپنے معمولات اور فرمودات سے اسی بات کی وضاحت فرمائی ہے جیسا کہ اس عنوان کے تحت پیش کی جانے والی احادیث میں اس کا بیان ہے ہمارے رجحان کے مطابق امام بخاری کا اس عنوان اور پیش کردہ احادیث سے یہی مقصد ہے جو ہم نے بیان کیا ہے، البتہ یہ مسئلہ کہ اسم، مسمی کا عین یا غیر، اس کے متعلق ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اس طرح کی حماقت آمیز اور مضحکہ خیز باتیں بعد کی پیداوار ہیں، احادیث وآثار میں اس کے متعلق کوئی نشان نہیں ملتا اور نہ ہی آئمہ ھدی نے اس کے متعلق کچھ کہا ہے، اس کے متعلق بحث کرنا فضول اور سکوت ہی باعث خیر و برکت ہے، اسلام میں اس طرح کے مباحث جہمیہ جیسے گمراہ فرقوں کے پیدا کردہ ہیں۔ (شرح کتاب التوحید: ۲۲۳، ج ۱)

اللہ تعالیٰ نے اسماء حسنٰی کے ذریعے دعا کرنے کا حکم دیا ہے، دعا کی دو اقسام حسب ذیل ہیں۔

☆ دعاء عبادت ☆ دعاء سوال

قرآن کریم میں دعا کے یہ دونوں معانی وارد ہیں، بہر حال اللہ کی عبادت اور اس کی تعریف اس کے اچھے ناموں اور بلند پایہ صفات کے ذریعے کی جائے اس طرح ہر مطلوب انہی کے وسیلہ سے مانگا جائے۔ (بدائع الفوائد: ص١٦٤ ج١)

۷۳۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ فِرَاشَهُ فَلْيَنْفُضْهُ بِصَنِفَةِ ثَوْبِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلْيَقُلْ: بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَاغْفِرْ لَهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا

۷۳۹۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر آئے تو اسے چاہیے کہ اپنے کپڑے کے کنارے سے اس کو تین مرتبہ جھاڑے اور یہ دعا پڑھے اے اللہ! تیرے نام سے میں نے اپنا پہلو رکھا اور تیری ہی رحمت سے میں اسے اٹھاؤں گا۔ اگر تو نے میری روح کو

تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ)).

تَابَعَهُ يَحْيَى وَبِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَزَادَ زُهَيْرٌ وَأَبُو ضَمْرَةَ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَرَوَاهُ ابْنُ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

[راجع ٦٣٢٠]

روک لیا تو اسے معاف کرنا اور اگر اسے چھوڑ دیا تو اس کی حفاظت کرنا جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

یحییٰ اور بشر بن مفضل نے عبیداللہ سے اس نے سعید سے اس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کرنے میں متابعت کی ہے۔ نیز زہیر ابوضمرہ اور اسماعیل بن زکریا نے عبیداللہ سے یہ اضافہ کیا ہے، ان سے سعید نے ان سے ان کے والد نے ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس روایت کو ابن عجلان نے سعید سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فوائد: ابن بطال نے کہا ہے کہ اس روایت میں وضع کی نسبت اسم کی طرف اور رفع کی نسبت ذات کی طرف ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے اسم سے مراد ذات ہے، وضع اور رفع میں ذات سے استعانت کی جاتی ہے لفظ سے نہیں۔ (فتح الباری: ص ٤٦٤، ج ١٣)

ابن بطال نے اپنے انداز سے اس حدیث کی مناسبت کشید کی ہے جبکہ امام بخاری کا قطعاً یہ مقصد نہیں ہمارے رجحان کے مطابق بندہ مخلص ہر آن اللہ کی عبادت کرتا ہے، زندگی کے تمام معاملات اپنے رب کی مرضی کے مطابق بجالاتا ہے، اپنے گھر سے نکلتے وقت اپنے گھر میں داخل ہوتے، اپنے کھانے پینے، نیند و بیداری اور لوگوں سے میل جول رکھنے میں اللہ کی رضا کا طالب رہتا ہے، اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نیند کے وقت اور اس سے بیدار ہوتے وقت عبادت کرنے کی راہنمائی کی ہے کہ وہ کس طرح اللہ کے نام کے ذریعے اپنا پہلو

بستر پر رکھے اور اللہ کے ناموں کے حوالہ سے اس سے سوال کرے، درحقیقت نیند موت ہی کی ایک قسم ہے، بعض اوقات انسان نیند کی حالت میں فوت ہو جاتا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ اللہ کا نام لے کر اس سے التجا کی جائے اگر موت آ جائے تو اللہ اسے معاف کر دے اور اگر اپنی قدرت کاملہ سے بدن میں اسے واپس کر دے تو شیطان اور دیگر موذی اشیاء سے اس کی حفاظت کرے، اس حدیث کے مطابق نیند کے وقت اللہ کا ذکر کرنا مشروع ہے تاکہ انسان کی چھوٹی موت اللہ کے نام پر ہو اور اس آیت کی زندہ تصویر بن جائے۔

''کہہ دیجئے! میری نماز، میرے مراسم عبودیت، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔'' (الانعام: ١٦٢)

اس انداز سے انسان خود کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کی طرف اپنی عاجزی، بے بسی اور محتاجی کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ سے ہر چیز کا سوال کرتا ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہے، یہ سب کچھ اللہ کی عبادت اور اس کے ناموں کے واسطہ سے اسے پکارنا ہے گویا اس آیت کی تفسیر ہے۔

''اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، تم انہی ناموں سے اسے پکارا کرو۔'' (الاعراف: ١٨٠)

اس مناسبت کی بنا پر امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں بیان کیا ہے، شارحین نے اپنے ذوق سے مناسبت بیان کی ہے جس سے امام بخاری کا مزاج ابا کرتا ہے۔

٧٣٩٤۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: ((اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَحْيَا وَأَمُوتُ)) وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ: ((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ)). [راجع: ٦٣٢١]

٧٣٩٤: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے بستر پر تشریف لاتے تو دعا کرتے اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ زندہ ہوں اور اسی کے ساتھ فوت ہوں گا اور جب صبح ہوتی تو یہ دعا کرتے تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں فوت کرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

٧٣٩٥۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ: ((بِاسْمِكَ نَمُوتُ وَنَحْيَا)) فَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: ((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ)). [راجع: ٦٣٢٥]

۷۳۹۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جب رسول اللہ ﷺ رات کے وقت اپنے بستر پر تشریف لاتے تو دعا کرتے ہم تیرے ہی نام سے مریں گے اور اسی سے زندہ ہوں گے۔ اور جب بیدار ہوتے تو کہتے تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔

فوائد: ان احادیث میں بھی اللہ کے ناموں کے وسیلہ سے دعا کرنے کا طریقہ بیان ہوا ہے کہ انسان نیند اور بیداری کے وقت اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہے اور اللہ کے حضور عرض کرتا ہے کہ میں حالت بیداری میں تیرا ہی نام یاد کرتا ہوں، اور اسی کی بدولت مجھے نفع بخش زندگی میسر ہوگی، اس طرح حالتِ نیند میں تیرا ہی نام لیتا ہوں، اس کی بدولت مجھے ہر حالت میں سکون واطمینان مہیا فرما، چونکہ نیند، موت کی ایک قسم ہے اور اس کے مقابلہ میں بیداری ایک زندگی ہے اور بندوں پر اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، ممکن ہے کہ بعض اوقات نیند کی حالت روح واپس نہ آئے، لیکن جب نیند کے بعد زندگی ملتی ہے تو نشاط وقوت واپس آ جاتی ہے، اندریں حالات اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے مذکورہ دعا پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر نیند کو موت قرار دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> "اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو نہ مرا ہو اس کی روح بھی نیند کی حالت میں قبض کر لیتا ہے پھر جس کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہو اس کی روح کو روک لیتا ہے اور دوسری روحیں ایک مقررہ وقت تک کے لیے واپس بھیج دیتا ہے غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔" (الزمر: ٤٢)

٧٣٩٦۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمٍ

۷۳۹۶: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے

عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ فَقَالَ: بِاسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ! جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا)). [راجع: ١٤١]

فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھ لے۔ شروع اللہ کے نام سے اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور رکھنا، اور جو کچھ ہمیں عطا کرے اس سے بھی شیطان کو دور رکھ، اگر اس صحبت میں ان دونوں سے کوئی بچہ نصیب ہوگا تو شیطان اسے کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

فوائد: اس حدیث میں اسماء اللہ کے واسطہ سے اللہ کو پکارنے اور اس سے دعا کرنے کی ایک دوسری قسم بیان ہوئی ہے کہ انسان جب اپنی جنسی پیاس بجھانے کے لیے بیوی کے پاس جاتا ہے تو اگر اس وقت اللہ کا نام لے اور اس ذکر سے اس کی عبادت کرے نیز اللہ کے نام کے ذریعے شیطان مردود سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا مطلوب عطا کرتے ہیں، ایسے حالات میں اللہ پر اعتماد اور یقین نیز اس کے رسول کی صداقت پر ایمان ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو شیطان کے بہکاوے سے محفوظ رکھتے ہیں بہر حال اس حدیث میں ایک دوسرے انداز سے اس آیت کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں تم انہی ناموں سے اس کو پکارا کرو۔ (الاعراف: ١٨٠)

٧٣٩٧ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ قُلْتُ: أُرْسِلُ كِلَابِي الْمُعَلَّمَةَ؟ قَالَ: ((إِذَا أَرْسَلْتَ كِلَابَكَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَأَمْسَكْنَ فَكُلْ وَإِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْ)).

٧٣٩٧: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں شکار پر سکھائے ہوئے کتے چھوڑتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم سدھائے ہوئے کتے چھوڑو اور چھوڑتے وقت اللہ کا نام بھی لو، پھر اگر شکار پکڑ کر اسے روک لیں، اس سے خود نہ کھائیں تو تم اسے کھا سکتے ہو، اس طرح اگر تم بے پرو پیکان تیر

[راجع: ۱۷۵] پھینکو اور وہ جانور کا گوشت چیر دے تو ایسا شکار بھی کھا سکتے ہو۔

فوائد: معراض اس تیر کو کہتے ہیں جس کے آگے پھل نہ ہو، اگر وہ عرض کے بل لگے جس سے جانور کا گوشت دب جائے اور خون وغیرہ نکلے بغیر مر جائے تو ایسا جانور کھانا جائز نہیں ہے ہاں اگر زخم کے بعد اسے زندہ پکڑ لیا جائے اور اللہ کا نام لے کر اسے ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے، اگر وہ لکڑی نوک کے بل لگے جس سے گوشت پھٹ جائے اور اس سے خون نکل آئے تو اگر اسے پھینکتے وقت اللہ کا نام لیا گیا تھا ایسے حالات میں اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے یعنی اللہ کے نام کی برکت سے اس قسم شکار حلال ہے۔

اس حدیث میں اللہ کے ناموں کے وسیلہ سے اس کی عبادت کرنے کا ایک اور انداز بیان ہوا ہے کہ اگر شکاری کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا گیا تھا اور وہ شکاری کتا جانور سے خود نہ کھائے بلکہ اسے مکمل طور پر روک لے تو ذبح کے بغیر اس کا گوشت کھانا جائز ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت ہے، اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کتا چھوڑتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا تو ایسا جانور استعمال میں لانا جائز نہیں ہے خواہ کتا اس سے خود نہ بھی کھائے۔

بہر حال امام بخاری کا مقصد اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں تم انہی ناموں سے اسے پکارا کرو۔(الاعراف: ۱۸۰)

اسے پکارنے کی ایک صورت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

۷۳۹۸۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ قَالَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ هَا هُنَا أَقْوَامًا حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ يَأْتُونَنَا بِلُحْمَانٍ لَا نَدْرِي يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا أَمْ لَا قَالَ:

۷۳۹۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہاں کچھ لوگ ہیں جن کا زمانہ اسلام شرک کے قریب ہے وہ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں؟ (تو کیا ہم اسے کھا سکتے ہیں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

((اذْكُرُوا أَنْتُمُ اسْمَ اللّٰهِ وَكُلُوا)) تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ وَأُسَامَةُ بْنُ حَفْصٍ . [راجع: ٥٠٥٧]

فرمایا تم اس پر اللہ کا نام لے کر اسے کھا لیا کرو۔

اس روایت کو بیان کرنے میں محمد بن عبدالرحمٰن، دراوردی اور اسامہ بن حفص نے ابو خالد کی متابعت کی ہے۔

فوائد: صحابہ کرام کے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور ابھی ذبح وغیرہ کے احکام سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں ممکن ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیتے ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کے متعلق اچھا گمان کرنا چاہیے کہ وہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتے ہوں گے تاہم استعمال کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اللہ کا نام لے کر اسے کھا لے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ بسم اللہ پڑھ کر کھا لینا جائز ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو اسے مت کھاؤ۔(الانعام: ١٢١)

اس حدیث میں اسماء اللہ کے وسیلہ سے اللہ کو پکارنے کا ایک اور انداز بیان ہوا ہے کہ ذبح کرتے اور کھاتے وقت اللہ کا نام لینا چاہیے اس میں خیر و برکت کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے، امام بخاری نے اس مقصد کے لیے مذکورہ حدیث کو بیان کیا ہے، احکام ذبح بیان کرنا مقصود نہیں ہیں۔

٧٣٩٩۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: ضَحَّى النَّبِيُّ ﷺ بِكَبْشَيْنِ يُسَمِّي وَيُكَبِّرُ. [راجع: ٥٥٥٣]

٧٣٩٩: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھوں کی قربانی دی۔ آپ نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہا۔

٧٤٠٠۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدَبٍ قَالَ: أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ

٧٤٠٠: حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ قربانی کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے آپ نے نماز پڑھی،

النَّحْرِ صَلَّى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ: ((مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللَّهِ)). [راجع: ٩٨٥]

خطبہ دیا اور فرمایا جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کر دی وہ اس کی جگہ اور قربانی کرے اور جس نے ابھی تک قربانی ذبح نہ کی ہو تو وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

فوائد: اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قربانی ایک بہترین ذریعہ ہے، اس کے متعلق حکم ہے کہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے تا کہ یہ عبادت اور قربانی صرف اللہ تعالیٰ کی شمار ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ عبادت کرتے وقت کسی مخلوق کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کیا جائے، قربانی کے متعلق خاص حکم ہے ''کہہ دیجئے! میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے۔'' (الانعام: ١٦٢، ١٦٣)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے

''آپ صرف اپنے رب لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔'' (الكوثر: ٢)

امام بخاری کا ان احادیث کو بیان کرنے سے یہی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے وقت اس کے نام کا وسیلہ دیا جائے اور اس کے نام سے اللہ کی مدد حاصل کی جائے، جب اللہ کا نام اس قدر بابرکت ہے تو خود اللہ تبارک وتعالیٰ کس قدر خیر و برکت کا سرچشمہ ہوگا، یہ بات امام بخاری کے مزاج کے خلاف ہے کہ وہ ایک فضول بات ثابت کرنے کے لیے احادیث ذکر کریں کہ اسم، مسمی کا عین ہے یا اس کا غیر ہے ہمارے نزدیک نام اور مسمی الگ الگ دو حقیقتیں ہیں تا کہ اس کے متعلق کسی قسم کا ابہام پیدا نہ ہو اس تفصیل کے باوجود یہاں نام سے مراد مسمی ہے۔ واللہ اعلم

٧٤٠١۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ وَمَنْ كَانَ حَالِفًا

۷۴۰۱: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے باپ دادا کی قسم نہ کھاؤ، جو کوئی قسم اٹھانا چاہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائے۔

فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ)). [مسلم: ٤٢٥٩]

فوائد: دور جاہلیت میں لوگ بکثرت اپنے باپ دادا کی قسم اٹھایا کرتے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے باپ دادا کی قسم اٹھانے سے منع کر دیا کیونکہ جس کی قسم اٹھائی جاتی ہے۔ اس سے مقصود اس کی عظمت کو بجالانا ہے اور عظمت تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھایا کرو حدیث میں اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھانے سے سخت ممانعت ہے فرمان نبوی ہے کہ جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھائی اس نے اللہ کے ساتھ کفر یا شرک کیا۔ (مسند امام احمد: ص ١٢٥، ج ٢)

امام بخاری نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ کسی بات کی تاکید کے لیے اللہ کا نام یا اس کی کسی صفت کا حوالہ دنیا شریعت میں مشروع ہے، یہ صرف اللہ کے نام یا اس کی صفت کے حوالہ سے ہوسکتا ہے گویا ایسا کرنا اسماء اللہ کو پکارنے کے باب سے ہے اس حدیث میں ایک دوسرے انداز سے اللہ کا نام پکارنے اور اس حوالہ سے اس کی عبادت کرنے کا ذکر ہے، قسم اٹھاتے وقت یہ آیت پیش نظر رہنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، تم انہی ناموں سے سے پکارا کرو۔ (الاعراف: ١٨٠)

(١٤) بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الذَّاتِ وَالنُّعُوتِ وَأَسَامِي اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.

وَقَالَ خُبَيْبٌ: وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الإِلَهِ فَذَكَرَ الذَّاتَ بِاسْمِهِ تَعَالَى.

اللہ کی ذات وصفات اور اس کے اسماء کے متعلق جو ذکر کیا جاتا ہے

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت کہا یہ سب تکلیف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے لیے ہے، انہوں نے اللہ کے نام کے ساتھ ذات کا لفظ استعمال کیا۔

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے نام منسوب ہوئے ہیں اس طرح اس کی صفات بھی منسوب کی جاسکتی ہیں مثلاً عزة اللہ،

قدرۃ اللہ، علم اللہ، خلق اللہ وغیرہ، نیز لفظ ذات کی نسبت بھی اللہ کی طرف صحیح ہے، جیسا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا تو آپ نے اس استعمال کو برقرار رکھا، اگر غلط ہوتا تو آپ اس کی تصحیح فرما دیتے، آپ کا انکار نہ کرنا اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

لغوی اعتبار سے ذات کا لفظ ذو کی تانیث ہے اور دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے، ا۔ ذات بمعنی صاحبہ، ۲۔ ذات بمعنی الّتی موصول چنانچہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''لفظ ذات، ذو کی تانیث ہے اور یہ لفظ مضاف کے طور پر استعمال ہوتا ہے مثلاً فلان ذو علم، فلان ذو قدرۃ یا نفس ذات علم و نفس ذات قدرۃ، قرآن وحدیث میں لفظ ذو یا ذات اضافت کے ساتھ ہی استعمال ہوا ہے جیسا کہ ''علیم بذات الصدور اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا قول ''وذالک فی ذات الالہ'' متکلمین کے ہاں بھی یہ لفظ اضافت کے ساتھ استعمال ہوا ہے وہ کہتے ہیں ذات قدرۃ و علم پھر انہوں نے اضافت سے منقطع کر کے معرفہ کے طور اسے ''الذاتؔ'' کہا ہے، چونکہ ذات کے متعلق یہ انداز اہل عرب کے ہاں معروف نہیں اس لیے بعض اہل علم نے اس کا انکار کیا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ واقعی یہ لفظ اہل عرب کے ہاں معروف نہیں بلکہ اسے لفظ موجود، ماہیت اور کیفیت کی طرح عربی زبان میں داخل کیا گیا ہے، لفظ ذات صفات کا تقاضا کرتا ہے جن کی طرف اسے مضاف کیا جائے مثلاً ذات علم، ذات قدرۃ، ذات کلام وغیرہ کیونکہ کسی ایسی چیز کا وجود ممکن نہیں جو خارج میں خود بخود قائم ہو اور اس کے ساتھ کسی صفت کو استعمال نہ کیا گیا ہو، اس لیے لفظ ذات کے ساتھ کسی صفت کا استعمال ضروری ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ: ص۹۸، ج٦)

بہر حال لفظ ذات کا استعمال باری تعالیٰ کے لیے جائز ہے جیسا کہ دیگر آثار و روایات سے معلوم ہوتا ہے امام بخاری نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے، جس کی تفصیل آئندہ متصل حدیث میں ذکر کرتے ہیں۔

٧٤٠٢ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيُّ حَلِيفٌ لِبَنِي زُهْرَةَ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ عَشَرَةً مِنْهُمْ خُبَيْبٌ الْأَنْصَارِيُّ فَأَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عِيَاضٍ أَنَّ ابْنَةَ الْحَارِثِ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهُمْ حِيْنَ اجْتَمَعُوا اسْتَعَارَ مِنْهَا مُوْسَى يَسْتَحِدُّ بِهَا فَلَمَّا خَرَجُوْا مِنَ الْحَرَمِ لِيَقْتُلُوْهُ قَالَ خُبَيْبٌ الْأَنْصَارِيُّ:

وَلَسْتُ أُبَالِي حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلَى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلَّهِ مَصْرَعِي
وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلَهِ وَإِنْ يَشَأْ
يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

فَقَتَلَهُ ابْنُ الْحَارِثِ فَأَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْحَابَهُ خَبَرَهُمْ يَوْمَ أُصِيبُوْا.

[راجع: ٣٠٤٥]

٧٤٠٢: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی مہم پر روانہ کیا، ان میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے، حارث کی بیٹی نے بتایا کہ جب حارث کے بیٹوں نے انہیں قتل کرنے کا پروگرام بنایا تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے استرا مانگا تا کہ اپنے زیر ناف بال صاف کر لے۔ جب وہ انہیں قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے گئے تو انہوں نے یہ شعر پڑھے:

جب مسلمان بن کے دنیا سے چلوں
مجھ کو کیا ڈر ہے کس کروٹ گروں
میرا مرنا ہے اللہ کی ذات میں
وہ اگر چاہے نہ ہوں گا میں زبوں
تن جو ٹکڑے ٹکڑے اب ہو جائے گا
اس کے ٹکڑوں میں وہ برکت دے فزوں

پھر حارث کے بیٹے (عقبہ) نے اسے قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی دن اطلاع کر دی جس دن یہ حضرات شہید کیے گئے تھے۔

فوائد: بنولحیان نے ان دس جاں نثاروں کو اپنے گھیرے میں لے کر سات کو شہید کر دیا اور تین کو قید کر کے لے گئے، ان قیدیوں میں سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے جسے بنو حارث نے خرید لیا اور ایک مدت تک انہیں قید رکھنے کے بعد شہید کیا، اس واقعہ کی تفصیل خود امام بخاری

نے کتاب المغازی میں بیان کی ہے۔(حدیث نمبر:۴۰۸۶)اس حدیث میں لفظ ذات اللہ کے اسم مبارک کے ساتھ بطور مضاف استعمال ہوا ہے،خود رسول اللہ ﷺ نے اسے برقرار رکھا،اگر غلط ہوتا تو آپ اس کا انکار کر دیتے،اس طرح دیگر احادیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

حضرت ابراہیم نے زندگی میں صرف تین دفعہ خلاف واقعہ بات کی ان میں سے دو مرتبہ تو اللہ کی ذات کے متعلق تھی۔(صحیح بخاری: الانبیاء، ۳۳۵۸)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ہر چیز کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے غور وفکر کرو لیکن اللہ کی ذات کے متعلق اس انداز سے غور وخوض نہ کرو،اس کی سند بھی جید ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تمہیں فقاہت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اللہ کی ذات کے بارے میں لوگوں کی ناراضگی مول نہ لو۔

(فتح الباری: ص۴٦٨، ج٦)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں ”ذات کا لفظ اس چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کی صفات ہوں پھر اسے ان صفات کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔اگرچہ نحوی حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ لفظ ذات معرفہ استعمال نہیں ہوتا تاہم اگر اسے کسی چیز کی حقیقت بیان کرنے کے لئے استعمال کیا جائے تو اسے معرفہ استعمال کیا جاسکتا ہے،متکلمین کی اپنی اصطلاح ہے جس کا لغت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (بدائع الفوائد ۷، ص۲)

بہر حال لفظ ذات کا استعمال باری تعالیٰ کے لئے جائز ہے اور اس سے مراد نفس شئ کا بیان ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے ذات اور نعوت کو الگ الگ بیان کیا ہے۔

(شرح کتاب التوحید، ص٢٤٣، ج١)

(١٥) بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾[آل عمران: ٢٨]وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾[٥/ المائدة: ١١٦]

ارشاد باری تعالیٰ:

''اللہ انہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔'' (آل عمران: ۲۸)

نیز فرمانِ الٰہی

''جو میرے نفس میں ہے وہ تو جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے میں نہیں جانتا ہوں'' (مائدہ: ۱۱۶)

امام بخاری نے اس عنوان سے ثابت کیا ہے کہ ذات باری تعالیٰ پر نفس کا اطلاق ہوسکتا ہے جیسا کہ پیش کردہ آیات میں اس کی صراحت ہے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے اگرچہ اضافت، مغایرت کا تقاضا کرتی ہے لیکن معنی کے اعتبار سے دونوں سے مراد ایک ذات ہے کیونکہ وہ دوئی سے پاک اور منزہ ہے، اس سے مراد ایسی ذات جو صفات علیا سے متصف ہو، صرف ذات جو صفات کے بغیر یا ذات کی صفت قطعاً مراد نہیں ہے، جب ہم اللہ تعالیٰ کے لیے نفس کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے مراد مخلوق جیسا نفس نہیں کیونکہ وہ تمثیل سے بالاتر ہے اور نہ اسے نفس کے بغیر محض معدوم خیال کرتے ہیں بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جس حقیقت کو ثابت کیا ہے ہم اسے مبنی بر حقیقت تسلیم کرتے ہوئے بلا تمثیل وتکییف ظاہر معنی پر محمول کرتے ہیں اور اس کی تاویل کرنے سے بھی اجتناب کرتے ہیں، آخری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو تیرے نفس میں ہے اسے میں نہیں جانتا ہوں، حافظ ابن حجر نے اس کے متعلق تین اقوال ذکر کیے ہیں۔

① میں تیری ذات کی حقیقت کو نہیں جانتا ہوں۔

② میں تیرے غیب کے خزانوں کو نہیں جانتا ہوں۔

③ جو کچھ تیرے پاس ہے میں اس سے ناواقف ہوں۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ ان آیات میں اللہ رب العزت کے لیے نفس کا اثبات ہے، لغوی اعتبار سے اس کے کئی ایک معانی ہیں، لیکن اس مقام پر اس سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے جو صفات علیا سے متصف ہے، اس سے کوئی اور چیز مراد نہیں ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہی

ہو۔ (فتح الباری ص ٤٧٠، ج١٣)

حافظ ابن تیمیہ نے بھی کہا ہے کہ آیت کریمہ میں نفس سے مراد ذات مقدسہ ہے۔

(مجموع الفتاوی ص١٩٦، ج١٤)

٧٤٠٣۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللَّهِ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ وَمَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللَّهِ)).

٧٤٠٣: حضرت عبداللہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی بھی غیرت مند نہیں ہے، اسی لیے اس نے فواحش کو حرام قرار دیا ہے نیز اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو مدح وتعریف پسند نہیں ہے۔

[راجع: ٤٦٣٤]

فوائد: آدمی کے لئے یہ عیب اور نقص ہے کہ وہ اپنی تعریف خود کرے یا کسی سے اپنی تعریف پسند کرے لیکن اللہ کے حق میں یہ عیب نہیں کیونکہ وہ تعریف کے سزاوار ہے، اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، مخلوق میں سے کوئی بھی کماحقہ اس کی تعریف نہیں کرسکتا خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے اللہ! میں تیری اس طرح تعریف نہیں کرسکتا جس قدر تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔" (سنن الترمذی: الدعوات: ٣٥٦٢)

اس حدیث کے عنوان سے بایں طور مطابقت ہے کہ امام بخاری نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے آپ نے کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کی ہے۔ (صحیح بخاری: التفسیر، ٤٦٣٤)

اس روایت میں نفس کا اطلاق پروردگار پر ہوا ہے، علامہ کرمانی نے مذکورہ روایت پر غور نہیں کیا بلکہ وہ اسے بھول گئے ہیں اس لیے انہوں نے مطابقت بایں الفاظ بیان کی کہ اس روایت میں احد کا لفظ نفس کی طرح ہے۔ (فتح الباری: ص ٤٧٠، ج ١٣)

کتاب التفسیر میں مروی روایت میں ذات باری تعالیٰ کے لیے لفظ نفس کا استعمال ہوا

ہے اس سے مراد ذات مقدسہ ہے بعض لوگوں نے اس کی صفات کے بغیر صرف ذات مراد لی ہے یا اس سے مراد صفت باری تعالیٰ ہے۔ یہ دونوں باتیں حقیقت کے خلاف ہیں۔

(مجموع الفتاویٰ: ص ۲۹۲، ج ۹)

۷۴۰۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ وَهُوَ يَكْتُبُ عَلَى نَفْسِهِ وَهُوَ وَضْعٌ عِنْدَهُ عَلَى الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي)). [راجع: ۳۱۹٤]

۷۴۰۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں لکھا ہے اس نے اپنے نفس پر لازم قرار دیا ہے کہ میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے، یہ نوشتہ اس نے اپنے پاس عرش پر رکھا ہوا ہے۔

فوائد: صحیح مسلم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں لکھا اور وہ نوشتہ اس کے پاس عرش پر ہے "میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔"

(صحیح مسلم: حدیث نمبر، ٦٩٦٩)

اس حدیث میں بھی ذات مقدسہ کے لیے لفظ نفس استعمال ہوا ہے اس سے مراد ذات عالی صفات کے سمیت ہے اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لکھا "میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔" ارشاد باری تعالیٰ ہے تیرے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کو لکھ لیا ہے یعنی اسے لازم کر لیا ہے۔ (الانعام: ٥٣)

اس کتابت کے تین معنی ہیں۔

☆ اسے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے خود تحریر کیا چنانچہ فرمان نبوی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے ہاتھ سے نوشتہ تقدیر لکھا۔ (ابن ماجه: الزهد، ٤٢٩٥)

☆ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو لکھنے کا حکم دیا ہو اس کی بھی حدیث میں صراحت ہے۔

☆ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ "کن" سے ایسا کیا ہو یعنی کن کہا اور نوشتہ تحریر ہو گیا یہ تینوں معانی صحیح ہیں اور کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔

٧٤٠٥۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً)). [طرفاه في: ٧٥٠٥، ٧٥٣٧] [مسلم: ٦٨٠٥، ٦٨٣٢، ٢٩٥٢؛ ترمذي: ٢٣٨٨]

۷۴۰۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرمان الٰہی ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔ جب مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر اس نے مجھے اپنے نفس میں یاد کیا تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجھے بھری محفل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں اگر وہ میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کی جانب ایک گز نزدیک ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک گز مجھ سے قریب ہو تو میں دو گز اس سے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چلتا ہوا آئے تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں۔

فوائد: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرا بندہ میرے متعلق یہ گمان رکھتا ہے کہ میں اس کے گناہ معاف کر دوں تو اس کے گمان کے مطابق بندے کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہوں اور اگر میرے متعلق اس کے برعکس یہ گمان رکھتا ہے کہ میں اسے سزا دوں تو میں اسے سزا سے دوچار کر دیتا ہوں اس میں یہ اشارہ ہے کہ خوف پر امید کی جانب راجح ہے۔

(فتح الباری: ص ۴۷۱، ج ۱۳)

اس حدیث میں لفظ نفس کو ذات باری تعالیٰ کے لیے ثابت کیا گیا ہے، اس حدیث کے مطابق اگر بندہ پوشیدہ طور پر اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی اور اگر بندہ علانیہ طور پر بھری مجلس میں اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ

تعالیٰ بھی اس مجلس سے اعلیٰ اور افضل مجلس میں اس کا تذکرہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے معزز فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی لمحہ بھر بھی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہی کچھ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے، بندے کی طرف سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اپنے آپ کو بڑا اونچا خیال کرے اور اپنے رب کو فراموش کر دے، اس کے برعکس جب بندہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر خود کو گرا دیتا ہے تو اس سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے بہت قریب ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے، جس قدر بندہ اپنے رب کی طرف رجوع کرے گا اسی قدر دل اللہ کے قریب ہوگا، اگرچہ اس کا بدن زمین پر ہوتا ہے لیکن اس کا دل اللہ کے قرب وجوار میں پہنچ جاتا ہے ایک دوسرے کے قریب ہونے کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ دونوں اپنے بدن سے حرکت کریں بلکہ ایک کا دوسرے کے قریب ہونا یہ اس بات کو لازم ہے کہ دوسرا بھی اس کے قریب ہو جائے جیسا کہ انسان جب مکہ کے قریب پہنچ جاتا ہے تو یوں کہا جاتا ہے کہ مکہ اس کے بالکل قریب آ گیا ہے بہرحال اس قسم کے قرب کے لیے دونوں جانب سے حرکت ضروری نہیں ہے۔(شرح کتاب التوحید: ص۲۶۹، ج۱)

مختلف احادیث کے پیش نظر بندے سے اللہ کے قرب کی دو انواع ہیں۔

☆ اللہ کا اہل ایمان کے دلوں کے قریب ہونا اور اہل ایمان کے دلوں کا اللہ کے قریب ہونا، یہ ایسی حقیقت ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، دلوں میں جس قدر ایمان، معرفت الہیہ، اللہ کی خشیت ہوگی اسی قدر وہ اللہ کے قرب کی منازل طے کریں گے۔

☆ اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کا ایک خاص قرب معلوم ہوتا ہے جس طرح عرفہ کے دن اور ہر رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہوتا ہے، یہ ایسا قرب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مستوی رہتے ہوئے بندوں کے قریب ہو جاتا ہے، جہمیہ، معتزلہ اور اشاعرہ اس قرب خاص کا انکار کرتے ہیں اور ان کے انکار کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے۔

(شرح کتاب التوحید: ۲۷۰، ج۱)

(١٦) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [٢٨/ القصص: ٨٨]

ارشاد باری تعالیٰ:

"اللہ کے چہرہ کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔"

امام بخاری اس عنوان کے تحت اللہ تعالیٰ کے لیے وجہ کا اثبات کیا ہے، چنانچہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ رہنے والا، زندہ جاوید جسے موت نہیں آئے گی جبکہ دنیا کی ہر چیز فنا ہو جائے گی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہمیشہ سے ہمیشہ تک کے لیے بقا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اس زمین پر موجود ہر چیز فنا ہونے والی ہے صرف آپ کے پروردگار کا چہرہ ہی باقی رہ جائے گا جو بزرگی اور عزت والا ہے۔(الرحمن: ٢٧، ٢٨)

اللہ تعالیٰ نے ذات کے بجائے وجہ کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ ذات وجہ کے تابع ہے، متعدد احادیث میں اس وجہ کا ذات باری تعالیٰ اثبات کے لئے ہے۔

امام بخاری نے سورۃ قصص کی تفسیر میں وجہ سے مراد اس کا ملک لیا ہے، ہمارے نزدیک یہ تأویل صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے، اس تاویل کے پیش نظر اس آیت کا یہ معنی ہوگا۔

"ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے مگر ہر چیز۔"

یہ معنی کسی طرح بھی درست نہیں ہے، البتہ امام بخاری کتاب التوحید میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ سلف صالحین کے مؤقف کے عین مطابق ہے۔

(شرح كتاب التوحيد: ص٢٧٦، ج١)

حافظ ابن حجر نے امام بیہقی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قرآن مجید اور سنت صحیحہ میں وجہ کا لفظ متعدد مرتبہ آیا ہے بعض مقامات پر صفتِ ذات کے طور پر مثلاً حدیث میں ہے کہ کبریا کی چادر اس کے چہرے پر ہے جبکہ کچھ مقامات پر اجل کا معنی دیتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ہم تمہیں صرف اللہ کے لیے کھلاتے ہیں۔" (الدھر: ٩)

یہ لفظ رضا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے قرآن کریم میں ہے وہ اللہ کی رضا کے طلبگار

ہیں۔(الکھف: ٢٨)

علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ آیت اور حدیث میں وجہ سے مراد ذات یا وجود یا یہ لفظ زائد ہے، چونکہ عضوِ معروف پر محمول کرنا محال ہے اس لیے تاویل کرنا ہوگی یا اسے اللہ کے حوالے کرنا ہوگا یعنی اللہ ہی اس کی مراد جانتا ہے۔ (فتح الباری: ص٤٧٥، ج١٣)

ہمارے اسلاف نے اللہ تعالیٰ کے لیے وجہ کا اثبات کیا ہے اور اسے حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اس کا متبادر معنی مراد لیا ہے۔تاویل یا تفویض کا موقف محل نظر ہے جسکی آئندہ وضاحت ہوگی باذن اللہ تعالیٰ۔

٧٤٠٦۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ﴾ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَعُوذُ بِوَجْهِكَ)) فَقَالَ: ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَعُوذُ بِوَجْهِكَ)) قَالَ: ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((هَذَا أَيْسَرُ)). [راجع: ٤٦٢٨]

٧٤٠٦: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی کہہ دیجئے! اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تم پر تمہارے اوپر سے کوئی عذاب نازل کرے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تیرے چہرے کی پناہ چاہتا ہوں۔پھر یہ الفاظ نازل ہوئے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب آجائے تو رسول اللہ ﷺ نے پھر دعا کی اے اللہ! میں تیرے چہرے کی پناہ چاہتا ہوں، اس کے بعد یہ الفاظ نازل ہوئے یا تمہیں فرقہ بندی میں مبتلا کر دے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ آسان ہے۔

فوائد: اس آیت مین عذاب کی تین اقسام بیان ہوئی ہیں۔

1. سماوی عذاب مثلاً طوفان بادوباراں، کڑک، بجلی کا گرنا، تیز آندھی آنا اور پتھروں کی بارش وغیرہ۔
2. ارضی عذاب مثلاً دریاؤں کا سیلاب، آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا، زلزلے اور زمین

میں دھنس جانا۔

3 فرقہ بازی، خواہ یہ مذہبی قسم کی ہو یا سیاسی یا قبائلی۔

یہ تینوں قسم کے عذاب پہلی امتوں پر آتے رہے ہیں البتہ اس امت کے لیے پہلی دو قسم کے عذابوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جو قبول ہوگئی اور پہلی دو قسم کا عذاب اس امت کے کلی استیصال کے لیے نہیں آئے گا البتہ جزوی طور پر آ سکتا ہے۔ تیسری قسم کا عذاب امت میں موجود ہے جس نے ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے مسلمانوں کو مغلوب قوم بنا رکھا ہے اور یہ عذاب سرکشی اور اللہ کے احکام کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث سے ذات باری تعالیٰ کے لئے وجہ کا اثبات کیا ہے لیکن اس کا چہرہ لوگوں کے چہروں جیسا نہیں، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے اس کے چہرے پر کبریائی کی چادر حائل ہے۔ (صحیح مسلم: الایمان، ٤٤٨)

اگر اللہ تعالیٰ ان نورانی پردوں کو دور کر دے تو اس کے چہرے کی کرنیں حد نگاہ تک ہر چیز کو بھسم کر دیں۔ (صحیح مسلم: الایمان، ٤٤٥)

خود رسول اللہ ﷺ اللہ کے محترم چہرے کے وسیلہ سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، قرآنی آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کے چہرے کا اثبات ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ ''الوجہ'' ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، اس بنا پر صفتِ ''الوجہ'' کو بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکییف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی چہرہ ہے جو اس ذات باری تعالیٰ کے شایان شان ہے، اس صفت کو تسلیم کرنا، اس پر ایمان لانا گویا اللہ پر ایمان لانا ہے۔ (شرح کتاب التوحید: ص ٢٨٠، ج ١)

(١٧) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي﴾ [٢٠/ طه: ٨٩] تُغَذّٰى وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾ [٥٤/ القمر: ١٤]

ارشاد باری تعالیٰ:

''تاکہ تو میری آنکھوں کے سامنے پرورش پائے۔''

یعنی تیری غذا وغیرہ کا اہتمام کیا جائے، نیز ارشاد باری تعالیٰ:

''وہ کشتی ہمارے لیے آنکھوں کے سامنے تیر رہی تھی۔''

اس عنوان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لیے صفت عین کا ثابت کرنا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے (النساء: ٥٨) تو آپ نے اپنا انگوٹھا کان پر اور ساتھ والی انگلی آنکھ پر رکھی پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے اپنی انگلیاں اسی طرح رکھی تھیں۔

(ابو داود: السنة، ٤٧٢٨)

راوی حدیث عبداللہ بن یزید المقری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا سمیع بصیر ہونا یہ ہے کہ اس کے کان اور آنکھیں ہیں (ابو داود: حوالہ مذکور) امام بیہقی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے سمع اور بصر کا اثبات اور ان کے محل کی وضاحت کرنا ہے۔(الاسماء والصفات: للبیهقی، ص۱۷۹)

امام بیہقی نے اس حدیث کی تائید میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا ہمارا رب سمیع بصیر ہے اور آپ نے اپنی دونوں آنکھوں کی طرف اشارہ فرمایا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

(فتح الباری: ص٤٥٦، ج١٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت کی ان کی کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔(القمر: ١٤) پھر آپ اپنے ہاتھ سے دونوں آنکھوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(شرح كتاب التوحيد: ١٨٧، ج١)

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پروردگار کی دو آنکھیں ہیں جن سے ساتوں زمینوں کی تہہ کے نیچے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اسے دیکھتا ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ سمندر کے تھپیڑوں اور اس کی موجوں میں سب کچھ اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح اس عرش کو دیکھتا ہے جس پر وہ مستوی ہے۔(كتاب التوحيد: ابن خزيمه، ص٥٠)

بہر حال اللہ کی آنکھیں ہیں لیکن مخلوق کی آنکھوں جیسی نہیں بلکہ جو اس کے شایان شان ہیں۔

٧٤٠٧ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: ذُكِرَ الدَّجَّالُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَى عَلَيْكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى عَيْنِهِ وَإِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ)). [راجع: ٣٠٥٧]

۷۴۰۷: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دجال کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تم پر مخفی نہیں، اللہ تعالیٰ یک چشم نہیں اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھ کی طرف اشارہ فرمایا اور مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا گویا اس کی آنکھ ایک اٹھا ہوا انگور ہو۔

٧٤٠٨ـ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا قَتَادَةُ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَا بَعَثَ اللَّهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَ قَوْمَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ)). [راجع: ٧١٣١]

۷۴۰۸: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی نبی مبعوث کیے ہیں ان سب نے اپنی قوم کو کانے کذاب سے ضرور خبردار کیا ہے۔ وہ (دجال) کانا ہے اور تمہارا رب یک چشم نہیں ہے، دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا۔

فوائد: دجال اپنے رب ہونے کا دعویٰ کرے گا، اس کے رب ہونے کی نفی کی گئی ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا، یہ ایک ایسی محسوس علامت ہے جس کو عوام الناس بھی محسوس کر سکتے ہیں، اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت بیان کی گئی ہے کہ اس کے شایان شان بے عیب آنکھ ہوگی، اسے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جائے گا جس کی اور کوئی تاویل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اسے مخلوق سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، اس صفت کا انکار کرنا کفر ہے، امام بخاری نے رب العالمین کے لیے صفت عین ثابت کرنے کے لیے دو آیات اور دو احادیث پیش کی ہیں، آیات میں مفرد اور جمع کے الفاظ اللہ کی طرف

منسوب ہیں، مفرد لفظ میں صفت عین کو ثابت کیا گیا ہے جبکہ جمع میں ضمیر جمع کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ احادیث میں کذاب دجال کی علامت بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ عنوان کو اسی جملہ سے ثابت کیا گیا ہے کیونکہ عربی زبان میں ''عور'' یہ ہے کہ دونوں آنکھوں میں سے ایک کی بینائی ختم ہو جائے اس بناء پر دونوں احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں، جو مخلوق کی آنکھوں سے مشابہ نہیں ہیں بلکہ جس طرح اللہ رب العزت کے شایان شان ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھ پر ہاتھ رکھ کر اس امر کی مزید وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی دونوں آنکھیں صحیح سالم تندرست اور ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہیں۔(شرح کتاب التوحید: ص۲۸۵، ج۱)

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رب العالمین کے متعلق وضاحت فرمائی ہے کہ اس کی دو آنکھیں ہیں، اور آپ کا یہ بیان قرآن کریم کی صراحت کے عین مطابق ہے پھر انہوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے، انہوں نے یہ تلاوت کی اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔(النساء: ۱۳٤)

پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اس آیت کو تلاوت کرتے وقت اپنا انگوٹھا کان پر اور ساتھ والی انگلی اپنی آنکھ پر رکھی تھی۔

(کتاب التوحید: ابن خزیمه، ص٤٢، ٤٣)

(۱۸) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ [٥٩/ الحشر: ٢٤]

ارشاد باری تعالیٰ: وہ اللہ ہی ہے جو پیدا کرنے والا، سب کا موجد اور صورتیں عطا کرنے والا ہے

آیت کریمہ میں تینوں صفات ہم معنی نہیں ہیں، بلکہ ان کے الگ الگ معانی ہیں:

1. الخالق، الخلق سے مشتق ہے اور تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے

☆ کسی چیز کو بنانے کے لیے اس کا اندازہ لگانا یا خاکہ تیار کرنا

☆ نمونہ کے بغیر کسی چیز کو پہلی بار بنانا اور انوکھی شے تیار کرنا

☆ ایک چیز سے دوسری چیز تیار کرنا یعنی پہلے مادہ موجود ہو اس سے کوئی چیز بنانا

2 الباری برأ سے ہے، اس کا معنی کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا، جامہ خلقت پہنانا، بغیر مادہ کے تخلیق کرنا، یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

3 المصور، تصویر بنانے والا اس کے کئی پہلو ہیں مثلاً رحم مادر میں نطفہ پر نقش ونگار بناتا ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر جاندار کی شکل وصورت الگ الگ ہے تیسرا پہلو نباتات اور مختلف قسم کے پھولوں کی شکل وصورت ہے الغرض ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے ایک صورت عطا فرمائی اور وہ بڑی اچھی صورت گری کرنے والا ہے۔

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کے ساتھ ازل سے متصف ہے وہ مخلوق کے وجود سے پہلے ہی خالق، ایجاد کردہ اشیاء سے پہلے ہی باری اور تصویروں کے وجود سے پہلے ہی مصور ہے اور خلق اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا وصف ہے جو غیر مخلوق ہے البتہ اس کا نتیجہ مخلوق ہے وہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک اپنی صفات کے ساتھ متصف ہے۔

٧٤٠٩۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى هُوَ ابْنُ عُقْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ: أَنَّهُمْ أَصَابُوْا سَبَايَا فَأَرَادُوْا أَنْ يَسْتَمْتِعُوْا بِهِنَّ وَلَا يَحْمِلْنَ فَسَأَلُوا النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ: ((مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ كَتَبَ مَنْ هُوَ خَالِقٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَنْ قَزَعَةَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيْدٍ فَقَالَ: قَالَ

٧٤٠٩: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں غزوہ بنی مصطلق میں کچھ لونڈیاں بطور غنیمت ملیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاہا کہ ان سے ہم بستری کریں لیکن انہیں حمل نہ ٹھہرے چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عزل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم عزل نہ بھی کرو تو کوئی قباحت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ لکھ دیا ہے جو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بھی جان جس کا پیدا ہونا مقدر

النَّبِيُّ ﷺ: ((لَيْسَتْ نَفْسٌ مَخْلُوقَةٌ إِلَّا اللّٰهُ خَالِقُهَا)). [راجع: ٢٢٢٩] [مسلم: ٣٥٥٣؛ ابو داود: ٢١٧٠؛ ترمذي: ١١٣٨]

ہے اللہ ضرور اسے پیدا کر کے رہے گا۔

فوائد: عزل کا معنی بیوی سے صحبت کرتے وقت اندام نہانی سے باہر انزال کرنا ہے، بعض حالات میں اس کی اجازت ہے لیکن خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کے لیے اس کو بنیاد قرار دینا نری حماقت ہے کیونکہ عزل، بیوی خاوند کا ایک پرائیویٹ معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھا ہے بلکہ بعض اوقات اسے خفیہ طور پر زندہ درگور کرنا قرار دیا ہے، مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے انداز بیان سے بھی اس عمل کی کراہت معلوم ہوتی ہے صحیح مسلم کی روایت میں صراحت ہے کہ اگر تم عزل نہ کرو تو تم پر کوئی الزام نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جس مخلوق کے پیدا کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔

(صحیح مسلم: حدیث نمبر:٣٥٤٤)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس میں نفی حرج، عدم فعل پر مرتب ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ عزل کرنے میں حرج ہوگا، اگر عزل کرنے میں نفی حرج ہوتا تو یہ انداز اختیار نہ کیا جاتا بلکہ صاف کہہ دیا جاتا کہ عزل کرنے میں چنداں حرج نہیں ہے۔ (فتح الباری: ص ٣٠٧، ج٩)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے عزل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس نفس کو وجود میں لانے کا فیصلہ کر لیا ہے وہ وجود میں آ کر رہے گا خواہ عزل کیا جائے یا نہ کیا جائے اور جس کا پیدا کرنا مقدر نہیں وہ کسی صورت میں پیدا نہیں ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ نے بیوی سے مباشرت کے نتیجہ میں کسی بچے کی پیدائش کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ ہو کر رہے گا خواہ اس کے روکنے کے لیے کتنے ہی ذرائع و وسائل استعمال کر لیے جائیں، اللہ کے فیصلے پر کوئی غالب آنے والا نہیں ہے وہ اکیلا ہی خالق و مالک ہے۔

امام بخاری نے بھی اسی بات کو ثابت کیا ہے کہ وہ اللہ اکیلا ہی خالق، موجد اور تصویر گری کرنے والا ہے میاں بیوی کو اس میں ذرا بھر بھی اختیار نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو

پیدا کرنے کا فیصلہ کرنے والا ہے، اس میں لوگوں کے چاہنے یا نہ چاہنے کو کوئی دخل نہیں، وہی اسے عدم سے وجود میں لانے والا پھر شکم مادر میں اس کی صورت گری کرنے والا ہے، دنیا کے تمام ماہرین اکٹھے ہو جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے نقشہ میں سرمو فرق نہیں لا سکتے، تبارک اللہ احسن الخالقین۔ (شرح کتاب التوحید: ص۲۹۵، ج۱)

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فعل خلق، غیر مخلوق ہے اور اس کا نتیجہ مخلوق ہے، رسول اللہ ﷺ اپنے پروردگار کے افعال اور اس کی صفات کے وسیلہ سے پناہ طلب کرتے تھے جیسا کہ آپ سے ایک دعا مروی ہے:

اے اللہ! میں آپ کی رضا کے وسیلہ سے آپ کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی رضا جو اس کی صفت ہے، اس کی بدولت اللہ کی ناراضی سے پناہ مانگی ہے اور اللہ کی رضا غیر مخلوق ہے کیونکہ اس کے طفیل پناہ طلب کی ہے اگر یہ فعل مخلوق ہوتا تو اس کے ذریعے پناہ نہ طلب کی جاتی کیونکہ مخلوق کے وسیلہ سے پناہ مانگنا جائز نہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی کلام بھی غیر مخلوق ہے۔ (مجموع الفتاوىٰ: ص۲۲۹، ج٦)

ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث کے مطابق خالق کا معنی مخلوق کو ازسرنو پیدا کرنے والا اور اشیاء کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اللہ تعالیٰ کی یہ ایک ایسی صفت ہے جس میں اور کوئی مخلوق شریک نہیں۔ (فتح الباری: ص٤٧٩، ج١٣)

(١٩) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾. [٣٨/ ص: ٧٥]

ارشاد باری تعالیٰ:

”جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔“

پوری آیت کریمہ اس طرح ہے اللہ تعالیٰ نے اس (ابلیس) سے پوچھا، جس انسان کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا اسے سجدہ کرنے سے تجھے کس بات نے روک دیا؟ کیا تو بڑا بننا چاہتا ہے یا تو اونچا درجہ رکھنے والوں سے ہے۔ (ص: ٧٥)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی صراحت سے فرمایا ہے کہ میں نے آدم کے پتلے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا، اس آیت کو پیش کرنے سے امام بخاری کا مقصد ذات باری تعالیٰ کے لیے دو ہاتھوں کا اثبات ہے، اور یہ ظاہری الفاظ کے اعتبار سے مبنی بر حقیقت ہیں، انہیں تشبیہ وتمثیل اور تکییف وتاویل کے بغیر تسلیم کرنا ہمارے لیے ضروری ہے، اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں وغیرہ ہونے کے یکسر منکر ہیں یا قدرت اور نعمت سے ان ہاتھوں کی تاویل کرتے ہیں، ان کی بنائے استدلال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا ایسی آیات اور ایسے الفاظ کی تاویل کرنا ضروری ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں کا ذکر صراحت سے کیا ہے تو دوسرا کون اس سے بڑھ کر اس کی تنزیہ کر سکتا ہے رہی یہ بات کہ اس کے ہاتھ کیسے ہیں؟ تو یہ بات ہم سمجھنے کے نہ مکلّف ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں، ہماری عافیت اسی میں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے جوں کا توں تسلیم کر لیا جائے۔

امام بخاری نے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے اس آیت کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اس صفت باری تعالیٰ کی تاویل قدرت یا نعمت سے کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے حضرت آدم علیہ السلام کی ابلیس لعین کے مقابلہ میں برتری ثابت کی ہے کہ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے اگر ان سے مراد قدرت لی جائے تو پھر اس میں ابلیس بھی شریک ہے کیونکہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو ہاتھوں سے بنانے میں ان کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے جو ابلیس کے لیے نہیں ہے۔

بہرحال کتاب وسنت اور اجماع سلف سے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت ''الیدین'' یعنی دو ہاتھ ثابت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ (المائدہ: ٦١)

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، دن رات مسلسل خرچ کرنے کے باوجود کمی نہیں آتی، اس کے دوسرے ہاتھ میں قبض کرنا یعنی رزق کو روکنا اور پھیلانا ہے وہ اسے اونچا کرتا ہے اور نیچے جھکاتا ہے۔ (صحیح مسلم: الزکوٰۃ، ۹۹۳)

معطلہ نے اس کا معنی نعمت اور قدرت کیا ہے لیکن یہ قول ظاہر نصوص کے خلاف ہے اور طریقہ سلف سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی کسی صحیح دلیل سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے، آیت کا سیاق بھی اس معنی کا انکار کرتا ہے کیونکہ سیاق آیت واضح طور پر تثنیہ ہے، اس کے تثنیہ کے پیش نظر یہ معنی صحیح نہیں ہے۔

قرآن کریم میں یہ صفت تین طرح سے استعمال ہوتی ہے۔

1 مفرد: ارشاد باری تعالیٰ ہے بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔ (الملك: ١)

2 تثنیہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ (المائدہ: ٦٤)

3 جمع: فرمان الٰہی ہے، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہیں ان میں سے ان کے لیے چوپائے بھی پیدا کیے ہیں۔ (یس: ٧١)

ان میں تطبیق بایں طور ہے کہ اصل تثنیہ یعنی اللہ کے دو ہاتھ ہیں، مفرد کا لفظ ہر ہاتھ کو شامل ہے اور جمع تعظیم کے لیے ہے، اس لیے ان مختلف صیغوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

٧٤١٠۔ حَدَّثَنِي مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((يَجْمَعُ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ فَيَقُولُونَ: لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: يَا آدَمُ! أَمَا تَرَى النَّاسَ؟ خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا فَيَقُولُ: لَسْتُ

۷۴۱۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو اکٹھا کرے گا تو وہ کہیں گے کاش! ہم کسی کی سفارش اللہ کے حضور لے جائیں تا کہ ہمیں وہ اس حالت سے آرام دے دے چنانچہ وہ سب مل کر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، ان سے عرض کریں گے اے آدم! آپ لوگوں کی حالت کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس بلا میں گرفتار ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا پھر فرشتوں سے سجدہ کرایا اور تمام اشیاء

هُنَاكَ وَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطِيْئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ وَلَكِنِ ائْتُوْا نُوْحًا فَإِنَّهُ أَوَّلُ رَسُوْلٍ بَعَثَهُ اللَّهُ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَيَأْتُوْنَ نُوْحًا فَيَقُوْلُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ وَلَكِنِ ائْتُوْا إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلَ الرَّحْمَنِ فَيَأْتُوْنَ إِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطَايَاهُ الَّتِي أَصَابَهَا وَلَكِنْ ائْتُوْا مُوْسَى عَبْدًا آتَاهُ اللَّهُ التَّوْرَاةَ وَكَلَّمَهُ تَكْلِيْمًا فَيَأْتُوْنَ مُوْسَى فَيَقُوْلُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطِيْئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ وَلَكِنِ ائْتُوْا عِيْسَى عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُوْلَهُ وَكَلِمَتَهُ وَرُوْحَهُ فَيَأْتُوْنَ عِيْسَى فَيَقُوْلُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلَكِنِ ائْتُوْا مُحَمَّدًا ﷺ عَبْدًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ. فَيَأْتُوْنِي فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ لَهُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ لِي: ارْفَعْ مُحَمَّدُ! وَقُلْ يُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ

کے نام آپ کو سکھائے، آپ ہماری پروردگار کے حضور سفارش کر دیں تا کہ وہ ہمیں اس حالت سے نجات دے، حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے میں اس منصب کے لائق نہیں ہوں وہ ان کے سامنے اس غلطی کا ذکر کریں گے جو ان سے سرزد ہوئی تھی لیکن تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کی طرف سے پہلے رسول ہیں جنہیں اہل زمین کی طرف بھیجا گیا تھا، چنانچہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں اور وہ اپنی اس غلطی کو یاد کریں گے جو ان سے سرزد ہوئی تھی، وہ کہیں گے تم ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ چنانچہ وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی فرمائیں گے میں اس لائق نہیں ہوں اور اپنی وہ خطائیں یاد کریں گے جو ان سے سرزد ہوئیں تھیں ہاں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کا بندہ ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے تورات دی اور بلا واسطہ ان سے کلام کیا، یہ سن کر وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں اور اپنی اس خطا کو یاد کریں گے جو

وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَحْمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ عَلَّمَنِيْهَا ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَرْجِعُ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ: ارْفَعْ مُحَمَّدُ! وَقُلْ يُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَحْمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ عَلَّمَنِيْهَا رَبِّي ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَرْجِعُ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ: ارْفَعْ مُحَمَّدُ قُلْ يُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَحْمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ عَلَّمَنِيْهَا ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَرْجِعُ فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ وَوَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ

ان سے دنیا میں سرزد ہوئی تھی ہاں تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول اس کا کلمہ اور خاص روح ہیں چنانچہ وہ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں لیکن تم سب حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے چنانچہ میں روانہ ہوں گا اور اللہ کے حضور حاضر ہونے کی اجازت مانگوں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی میں اپنے پروردگار کو دیکھتے ہی سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور جب تک اسے منظور ہوگا وہ مجھے سجدہ ہی میں پڑا رہنے دے گا اس کے بعد ارشاد ہوگا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ تم جو کہو گے اسے سنا جائے گا جو سوال کرو گے تمہیں دیا جائے گا اور جو سفارش کرو گے اسے قبول کیا جائے گا چنانچہ میں اس وقت اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا پھر سفارش کروں گا تو میرے لیے مخصوص لوگوں کی حد مقرر کی جائے گی میں انہیں جنت میں لے

بُرَّةٌ ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مَا يَزِنُ مِنَ الْخَيْرِ ذَرَّةٌ)). [راجع: ٤٤]

جاؤں گا پھر لوٹ کر اپنے پروردگار کے حضور آ ؤں گا، اسے دیکھتے ہی سجدہ میں گر جاؤں گا جب اللہ تعالیٰ چاہے گا مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دے گا۔ اس کے بعد مجھے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، تم جو کہو گے اسے بغور سنا جائے گا جو سوال کرو گے وہ پورا کیا جائے گا اور جو سفارش کرو گے اسے قبول کیا جائے گا پھر اپنی پروردگار کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے الہام کرے گا، اس کے بعد میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں بہشت میں لے جاؤں گا پھر لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہوں گا عرض کروں گا اے میرے پروردگار! اب دوزخ میں وہی لوگ باقی رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے اور ان پر جہنم ہمیشہ کے لیے واجب کر چکا ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آخر کار دوزخ سے وہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے جنہوں نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہوگا اور ان کے دل میں ایک جو کے برابر ایمان ہوگا پھر وہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے جنہوں نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہوگا اور ان کے دلوں میں ایک ذرہ برابر ایمان ہوگا۔

فوائد: یہ حدیث "حدیث سفارش" کے نام سے مشہور ہے امام بخاری نے اسے متعدد مقامات پر تفصیل اور اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے قبل ازیں یہ حدیث کتاب التفسیر رقم: ۴۴۷۶ میں گزر چکی ہے، اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی صفتِ ید کو ثابت کرنے کے لیے لایا گیا ہے چنانچہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنانے کا ذکر ہے اور اسے حضرت آدم کا امتیاز شمار کیا گیا ہے، اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ید کا ظاہری مفہوم مبنی بر حقیقت مراد ہے اگر یہاں قدرت کا مجازی معنی لیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا کیونکہ دیگر تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے، حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے بعض اشعری ائمہ کے اقوال نقل کئے ہیں اور لغت سے اس لفظ کے تقریباً پچیس معانی ذکر کئے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں جو نصوص وارد ہیں ان کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے لیے دو حقیقی ہاتھ مراد ہیں جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہیں۔ اشعری حضرات نے اس کی تاویل کی ہے اور وہ صفت ید سے مراد نعمت اور قدرت لیتے ہیں، لیکن صفت ید کا یہ معنی ائمہ سلف سے ثابت نہیں۔ (شرح كتاب التوحيد: ص ۳۰۵، ج ۱)

واضح رہے کہ صفات باری تعالیٰ کے متعلق اہل تاویل کا مذہب باطل ہے اور صفات میں سب سے زیادہ تاویلیں اشاعرہ کی ہیں، جو خود کو ابو الحسن اشعری کے پیروکار خیال کرتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ متاخرین اشاعرہ صحیح معنی میں اپنے امام کی پیروی کا حق ادا نہ کر سکے چنانچہ عقیدہ کے متعلق ابو الحسن اشعری کی زندگی تین مراحل پر مشتمل ہے۔

1 پہلا مرحلہ اعتزال کا ہے انہوں نے چالیس سال تک اعتزال کا موقف اختیار کئے رکھا، اس کے اثبات کے لیے مناظرے کرتے اور اسے بڑی شد و مد سے پیش کرتے تھے۔

2 انہوں نے مذہب معتزلہ سے رجوع کر کے خالص اعتزال اور خالص سنت کے درمیان درمیان موقف اختیار کیا یہ ابو محمد عبد اللہ بن سعید بن کلاب کا منہج تھا وہ اس کے پیروکار بن گئے۔

3 تیسرا اور آخری مرحلہ یہ ہے کہ انہوں نے ان تمام مذاہب سے رجوع کر کے خالص کتاب و سنت پر مبنی مسلک کو اختیار کیا اور اس سلسلہ میں ایک معیاری کتاب "الابانة فی اصول

الدیانہ" تالیف کر کے اپنے موقف کو پیش کیا، افسوس کہ متأخرین اشاعرہ نے ان کے اختیار کردہ دوسرے مرحلہ کو اپنایا اور بیشتر صفات میں تاویل کی روش کو تھام لیا، اس سلسلہ میں وہ سات صفات کو تاویل کے بغیر مانتے ہیں وہ صفت حیات، علم، قدرت، کلام، ارادہ، سمع اور بصر ہے، ان صفات کے اثبات میں بھی اہل سنت کے منہج سے کچھ انحراف پایا جاتا ہے۔

شارحین بخاری کی اکثریت اشاعرہ سے متعلق ہے، اس لیے وہ صفات کے متعلق تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہیں، صفت ید کے متعلق بھی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد قدرت اور نعمت ہے، جبکہ اس سے مراد حقیقی ہاتھ ہیں جن کی انگلیاں بھی ہیں، البتہ یہ ہاتھ مخلوق کے ہاتھوں جیسے نہیں ہیں۔

٧٤١١۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((يَدُ اللَّهِ مَلْأَىٰ لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ)) وَقَالَ: ((أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ)) وَقَالَ: ((عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَبِيَدِهِ الْأُخْرَى الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ)). [راجع: ٤٦٨٤]

٧٤١١: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا ہاتھ بھرپور ہے رات اور دن کا خرچ کرنا اسے کم نہیں کرتا. کیا تم نے دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے اب تک وہ کتنا خرچ کر چکا ہے لیکن اس سخاوت نے جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اسے کم نہیں کیا، نیز آپ نے فرمایا کہ اس کا عرش پانی پر تھا، اس کے دوسرے ہاتھ ترازو ہے جسے وہ نیچے اوپر کرتا رہتا ہے۔

فوائد: یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بکواس کی تھی کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بندھے ہوئے تو ان کے اپنے ہاتھ ہیں اور اس بکواس کی وجہ سے ان پر پھٹکار پڑ گئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جو چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ (المائدہ: ٦٤)

مذکورہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے، اس حدیث اور ذکر کردہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ید کا اثبات ہے، جس کی تاویل کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں

ید اللہ کے بجائے یمین اللہ کے الفاظ ہیں (صحیح بخاری: حدیث نمبر ۷۴۱۹) ان الفاظ پر حافظ ابن حجر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس لفظ سے ان لوگوں کا خوب تعاقب ہوسکتا ہے جو صفتِ ید کی تفسیر نعمت سے کرتے ہیں اور وہ لوگ تو بہت دور کی کوڑی لائے ہیں جو اس کی تفسیر ''خزائن'' سے کرتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ خزائن میں تصرف ہاتھ کرتا ہے اس لیے صفت ید کا اطلاق خزائن پر کیا گیا ہے۔

(فتح الباری: ص ٤٨٣، ج١٣)

حافظ ابن حجر نے اشعری ہونے کے باوجود صفت ید کے متعلق تاویل کرنے والوں کی تردید کی ہے جیسا کہ مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

''اللہ کے ہاتھ بھرپور ہیں'' اس سے حقیقی ہاتھ مراد ہیں، اس کی تفسیر قدرت سے کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ قدریہ کا موقف ہے کیونکہ اس حدیث میں دوسرے ہاتھ کا بھی ذکر ہے کہ اس میں ترازو ہے، ہاتھ کو قدرت کا معنی تسلیم کرنے صورت میں دو قدرتوں کا اثبات لازم آتا ہے، لہٰذا ید کا معنی حقیقی ہاتھ ہی ہے، اسی طرح اس کا معنی نعمت کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ چونکہ تمام نعمتیں مخلوق ہیں اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک مخلوق نے اسی طرح کی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور جس نے اس کا معنی خزائن کیا ہے وہ تو بہت دور جا بھٹکا ہے۔

(عمدة القاری: ص٦٠٨، ج١٦)

٧٤١٢ـ حَدَّثَنَا مُقَدَّمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنِي عَمِّي الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ يَقْبِضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَرْضَ وَتَكُونُ السَّمٰوَاتُ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ)) [راجع: ٣١٩٤]

۷۴۱۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے گا جبکہ آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے پھر کہے گا کہ میں بادشاہ ہوں۔

اس حدیث کو سعید نے حضرت مالک سے بیان کیا ہے۔

٧٤١٣۔ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ سَمِعْتُ سَالِمًا سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ بِهَذَا وَرَوَاهُ سَعِيدٌ عَنْ مَالِكٍ وَقَالَ أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((يَقْبِضُ اللَّهُ الْأَرْضَ)). [راجع: ٤٨١٢]

۷۴۱۳: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا۔

فوائد: ان احادیث میں لفظ قبض ہے جس کا معنی کسی چیز کا مٹھی میں لے لینا ہے، یہ مٹھی ہاتھ کی ہوتی ہے جبکہ اس حدیث میں دائیں ہاتھ کا بھی صراحت کے ساتھ ذکر آیا ہے صحیح مسلم میں مزید وضاحت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں میں پکڑے گا اور کہے گا آج میں بادشاہ ہوں، ظلم وتشدد کرنے والے کہاں ہیں؟ فخر وغرور کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے لے گا اور کہے گا آج میں بادشاہ ہوں، ظلم وتشدد کرنے والے کہاں ہیں؟ فخر وغرور کرنے والے کہاں ہیں؟ (صحیح مسلم: صفات المنافقین، ۷۰۵۱)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے دونوں میں لے لے گا اور فرمائے گا کہ میں اللہ ہوں (رسول اللہ ﷺ اس منظرکشی کے وقت اپنی انگلیوں کو بند کرتے اور کبھی انہیں کھول دیتے) میں بادشاہ ہوں۔

راوی کہتا کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت پرجوش انداز میں اس حدیث کو بیان کر رہے تھے حتی کہ آپ کا منبر نیچے سے حرکت کرتا نظر آیا، مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا رسول اللہ ﷺ کو گرا دے۔ (مسند امام احمد: ص۸۸، ج۲)

ایک طویل حدیث میں مرحلہ وار حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر کے حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے، ان دونوں

میں سے ایک کو اختیار کرلو، حضرت آدم دائیں مٹھی کو اختیار کریں گے۔ میرے رب کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں اور خیر و برکت سے بھرپور ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اس مٹھی کو کھول دے گا تو اس میں آدم کی تمام اولاد ہوگی۔(سنن الترمذی: تفسیر القرآن، ٣٣٦٨)

ان احادیث میں اللہ تعالی کے دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے بلکہ بائیں ہاتھ کی بھی صراحت ہے، البتہ خیر و برکت کے اعتبار دونوں ہاتھ ایک جیسے ہیں اور دونوں ہی خیر و برکت سے بھرپور ہیں، جس روایت میں اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کو دایاں کہا گیا ہے وہ خیر و برکت کے اعتبار سے ہے، مخلوق کا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے کمزور ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا بایاں ہاتھ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ قوت وطاقت اور خیر و برکت میں دائیں ہاتھ جیسا ہے۔

احادیث میں ہاتھوں کو پھیلانے، کھولنے، سمیٹنے، اور ان کے دائیں، بائیں دو ہونے کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے، یہ حقائق اس امر کی پرزور تردید کرتے ہیں کہ اس سے مراد قدرت یا نعمت ہو۔

٧٤١٤۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ سَمِعَ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ وَسُلَيْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ يَهُودِيًّا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْجِبَالَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْخَلَائِقَ عَلَى إِصْبَعٍ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ [٦/ الانعام: ٩١]

٧٤١٤: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے محمد! اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر روک لے گا، تمام زمینوں کو دوسری انگلی پر پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور دیگر مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں رسول اللہ ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے یہاں تک آپ کی ڈاڑھیں دکھائی دینے لگیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

انہوں نے اللہ کی قدر کرنے کا حق ادا نہیں کیا۔(الانعام: ٩١)

۹۱] [راجع: ٤٨١١]

قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: وَزَادَ فِيهِ فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ: فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَعَجُّبًا وَتَصْدِيقًا لَهُ. [راجع: ٤٨١١]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہودی کی بات پر تعجب کرتے ہوئے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنس پڑے تھے۔

٧٤١٥ـ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالشَّجَرَ وَالثَّرَى عَلَى إِصْبَعٍ وَالْخَلَائِقَ عَلَى إِصْبَعٍ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ أَنَا الْمَلِكُ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾. [راجع: ٤٨١١]

[مسلم: ٧٠٤٨، ٧٠٤٩]

۷۴۱۵: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے انہوں نے کہا اہل کتاب میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابو القاسم! اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا، تمام زمینوں کو ایک انگلی پر، درخت اور گیلی مٹی ایک انگلی پر اور دیگر تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ کر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ہنس دیئے حتی کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا۔ ''انہوں نے اللہ کی قدر کرنے کا حق ادا نہیں کیا۔'' (الانعام: ۹۱)

فوائد: مذکورہ عنوان اور پیش کردہ احادیث سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں اور ہاتھوں کی انگلیاں ہیں، جن کی صراحت ان احادیث میں ہے لیکن علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ انگلیوں کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور نہ ہی کسی قطعی الثبوت حدیث میں ان کی

وضاحت ہے، علاوہ ازیں ہاتھ سے مراد بھی عضو نہیں کہ اس کے ثابت ہونے سے انگلیوں کا ثبوت فراہم ہو، مذکورہ احادیث میں انگلیوں کا ذکر یہودی عالم کارستانی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا اس کی بات پر ہنسنا یہ انکار کے طور پر تھا، راوی کا یہ اپنا گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنسے تھے، اس گمان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(اعلام: ص۱۹۰۳، ج۳)

ہمیں علامہ خطابی جیسے محدث سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ صفات باری تعالیٰ کے متعلق تاویل کرنے والوں کی ہمنوائی میں اس حد تک تجاوز کر جائیں گے، ہمارے نزدیک انگلیوں کا ذکر بایں طور قرآن مجید میں ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

جو چیز تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کردے اس سے رک جاؤ۔ (الحشر:۷)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں، ہتھیلی، دائیں، بائیں ہاتھ اور مٹھی وغیرہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، اس کے علاوہ دیگر آیات بھی پیش کی جا سکتی ہیں، پھر مذکورہ قطعی الثبوت احادیث میں انگلیوں کا ذکر ہے، جب صحیح احادیث میں کسی بات کا ذکر ہو تو اس کا قبول کرنا ضروری ہے خواہ اس کا تعلق اعمال سے ہو یا عقائد سے، لیکن اہل بدعت کا کہنا ہے کہ صفات باری تعالیٰ کا ذکر قرآن میں یا متواتر احادیث میں ہونا ضروری ہے، ان کا یہ قاعدہ خود ساختہ ہے جو اصول محدثین کے خلاف ہے، علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے جب ان صفات کا ذکر کیا ہے تو آپ کے مخاطب وہی تھے جو عربی زبان سمجھتے اور اس کے ظاہری مفہوم کے مطابق عمل کرنے والے تھے، کسی ضعیف حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے اپنے مخاطبین کو نصوص کے ظاہری مفہوم کے مطابق عمل نہ کرنے کی تلقین کی ہو، کیا اللہ اور اس کے رسول کے متعلق یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ بندوں سے ایسا خطاب کریں جس کا ظاہری مفہوم کفر ہو جیسا کہ مؤولین حضرات کا کہنا ہے، عافیت اسی میں ہے کہ ہم تسلیم و رضا پر عمل کرتے ہوئے ان نصوص کے ظاہری مفہوم کے مطابق عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے دو حقیقی ہاتھ ہیں جو اس کے شایانِ شان ہیں، ان ہاتھوں کی انگلیوں پر قیامت کے دن زمین و آسمان اور دیگر مخلوقات کو رکھ کر انہیں جھٹکا دے کر اپنی

بادشاہت کا اعلان کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے سامنے ایک باطل اور غلط بات بیان کی جائے اور آپ اس کی تکذیب کرنے کے بجائے اس پر ہنس دیں، ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا یہودی عالم کی بات سن کر ہنس دینا آپ کی رضا اور اسے تسلیم کرنے کی علامت ہے چنانچہ امام خزیمہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نبی اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اس کے حضور اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی صفت بیان کی جائے جو اس کے شایان شان نہ ہو، پھر آپ اس کی تردید کرنے کے بجائے وہاں ہنس دیں، رسول اللہ ﷺ کا یہ منصب ہرگز نہیں ہے۔(کتاب التوحید: ص۷٦)

رسول اللہ ﷺ کا یہودی عالم سے یہ بیان سن کر ہنسنا انکار کے طور پر نہیں بلکہ اس کے بیان کی تصدیق تھا جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی صراحت کی ہے، اس جلیل القدر صحابی کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا اپنا گمان ہے، بہت دلیری اور جرأت ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیان کی تصدیق کرتے ہوئے درج ذیل آیت کریمہ کو تلاوت فرمایا:

"ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ ان باتوں سے پاک اور بالاتر ہے جو یہ لوگ اس کے شریک ٹھہراتے ہیں۔" (الزمر: ٦٧)

گویا مشرکین کے تمام معبودان باطلہ بھی اللہ کی مٹھی میں ہوں گے جنہیں آج یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر دیگر احادیث میں بھی ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اولاد آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جیسا کہ ایک ہی دل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا پڑھتے۔

اے دلوں کے پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(مسند امام احمد: ص۱٦۸، ج۲)

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ قرآن مجید، احادیث نبویہ اور صحابہ و تابعین کے اقوال میں لفظ

"ید" سو مرتبہ سے زیادہ ذات باری تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے، ان کی صفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد حقیقی ہاتھ ہے مثلاً پکڑنا، لپیٹنا، پھیلانا، سکیڑنا، مصافحہ کرنا، خمیر گوندنا، لکھنا، اس کا دایاں بایاں ہونا، ان کا خیر و برکت سے بھرپور ہونا اور جنت عدن مین درخت لگانا وغیرہ ان تمام اعمال وصفات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے حقیقی دو ہاتھ ہیں، جن کی اور کوئی تاویل نہیں ہوسکتی اور یہ ہاتھ مخلوق کے ہاتھوں سے قطعاً مشابہت نہیں رکھتے بلکہ انہیں اللہ کے شایان شان تسلیم کرنا اور ان پر یقین کرنا ضروری ہے۔(مختصر صواعق: ص ۴۳۸)

(۲۰) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ:

((لَا شَخْصَ أَغْيَرُ مِنَ اللَّهِ)).

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی:

"اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی شخص نہیں ہے۔"

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ لفظ شخص کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر صحیح ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس صفت کو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیا ہے اور آپ سے زیادہ اللہ کی معرفت اور کسی کو نہیں ہے لغوی اعتبار سے جو ذات اونچی، غالب اور بلند ہو اسے شخص کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کائنات میں سب سے زیادہ اونچا، بڑا، بلند اور غالب ہے، لہٰذا اس صفت کے اطلاق سے شرعی طور پر کوئی امر مانع نہیں ہے۔(شرح كتاب التوحيد: ص۳۳۹، ج۱)

٧٤١٦۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ [التَّبُوذَكِيُّ] قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْمَلِكِ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ: قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ: لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ:

۷۴۱۶: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ دیکھوں تو سیدھی تلوار سے اسے قتل کر دوں، جب رسول اللہ ﷺ کو ان جذبات کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا تم سعد کی غیرت پر اظہار تعجب

((أَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ؟ وَاللّٰهِ! لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّي وَمِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ الْمُبَشِّرِيْنَ وَالْمُنْذِرِيْنَ وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ)). [راجع: ٦٨٤٦]

کرتے ہو، اللہ کی قسم! یقیناً میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے اللہ تعالیٰ نے غیرت ہی کی وجہ سے بے حیائی کی ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو حرام قرار دیا ہے، کسی شخص کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذرخواہی محبوب نہیں ہے، اسی لیے اس نے خوشخبری سنانے والے اور برے انجام سے ڈرانے والے اپنے رسول بھیجے ہیں نیز کسی کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح وثنا محبوب نہیں ہے اسی وجہ سے اس نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ (تاکہ لوگ اس کی تعریف کر کے اسے حاصل کریں)

وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ لَا شَخْصَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ .

[راجع: ٦٨٤٦]

راوی حدیث عبیداللہ بن عمرو نے عبدالملک کے حوالے سے یہ الفاظ بیان کئے ہیں: اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی شخص نہیں ہے۔

فوائد: امام بخاری کی پیش کردہ متصل روایت میں ذات باری تعالیٰ کے لیے شخص کا اطلاق نہیں ہوا ہے بلکہ آپ نے عبیداللہ بن عمرو کے حوالہ سے اس لفظ کو نقل کیا ہے امام مسلم نے اپنی بیان کردہ اس روایت میں تین مرتبہ اس لفظ کو ذکر کیا ہے۔ (صحيح مسلم: اللعان، ٣٧٦٤)

امام احمد بن حنبل نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد راوی حدیث عبیداللہ القواریری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ حدیث فرقہ جہمیہ کے لیے گراں ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس میں لفظ شخص کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر کیا گیا ہے جبکہ یہ فرقہ اسے تسلیم نہیں کرتا۔

(مسند امام احمد: ص٢٤٨، ج٤)

ہمیں شارحین سے شکوہ ہے کہ انہوں نے کتاب التوحید کی تشریح کرتے ہوئے بخاری

کا حق ادا نہیں کیا ہے چنانچہ ابن بطال مالکی اشاعرہ کی ترجمان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس لفظ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ کے لیے صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے۔“

(شرح بخاری: لابن بطال، ص٤٤٢، ج١٠)

ابن بطال کا یہ صرف دعوی ہے کیونکہ اس اجماع امت کی متقدمین میں سے کسی نے بھی صراحت نہیں کی ہے البتہ جو حضرات اہل کلام سے متاثر ہیں انہوں نے ضرور اس طرح کی باتیں کی ہیں، چنانچہ ایک دوسرے شارح بخاری علامہ خطابی کہتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ شخص کا اطلاق صحیح نہیں کیونکہ شخص وہ ہے جو مرکب جسم رکھتا ہو لہٰذا اس طرح کی صفت اللہ کے شایان شان نہیں ہے۔ جن احادیث میں یہ لفظ اللہ کے لیے وارد ہے وہ راویوں کی تصحیف کا نتیجہ ہے۔“

(اعلام الحدیث: ص٢٣٤٤، ج٤)

واضح رہے کہ جب علمی قواعد کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ کوئی بات ثابت ہو جائے تو اسے قبول کرنا ضروری ہے خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے، رسول اللہ ﷺ سے یہ لفظ ذات باری تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے جیسا کہ قبل ازیں وضاحت ہو چکی ہے، ایسے حالات میں خود ساختہ اجماع کی آڑ میں اس کا انکار کرنا یا اسے راویوں کی تصحیف قرار دینا مؤمن کی شان کے خلاف ہے حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام بخاری نے جزم و وثوق کے ساتھ اس لفظ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ کے لئے برقرار نہیں رکھا بلکہ احتمال کے طور پر اسے بیان کیا ہے جبکہ لفظ شی کے متعلق صراحت کی ہے کہ ذات باری تعالیٰ پر اس کا اطلاق صحیح ہے جیسا کہ آئندہ باب میں آئے گا۔ (فتح الباری: ص٤٩٢، ج١٣)

حافظ ابن حجر کے اس موقف سے ہمیں اتفاق نہیں کیونکہ امام بخاری نے اپنے انداز اور اسلوب کے مطابق جو لکھا ہے اس کی صحیح احادیث سے تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

(٢١) بَابٌ ﴿قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ﴾ [٦/ الانعام: ١٩]

فَسَمَّى اللَّهُ تَعَالَى نَفْسَهُ شَيْئًا وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الْقُرْآنَ شَيْئًا وَهُوَ

صِفَةٌ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ وَقَالَ: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾
[۲۸/ القصص: ۸۸]

ارشاد باری تعالیٰ: "آپ ان سے کہیں کہ کونسی چیز شہادت کے اعتبار سے بڑی ہے؟ آپ خود ہی کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ یعنی اس کی ذات گواہی کے اعتبار سے بڑی چیز ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مقدسہ کو شی سے تعبیر کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو شی کہا ہے جبکہ وہ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اللہ کی ذات کے علاوہ ہر شی فناء ہونے والی ہے۔(القصص: ۸۸)

اس عنوان سے غرض یہ ہے کہ لفظ شی کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر جائز ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ قرآن کریم غیر مخلوق ہے، امام بخاری نے جزم ووثوق کے ساتھ اس اطلاق کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس سلسلہ میں قوی دلائل موجود ہیں، چونکہ کچھ اہل کلام لفظ شی کو اللہ کے لیے ناجائز کہتے ہیں، امام بخاری نے متکلمین کے موقف کی تردید فرمائی ہے، آپ کا قطعاً یہ موقف نہیں ہے کہ لفظ شی ذات باری تعالیٰ کا نام ہے بلکہ شی سے اللہ کی ذات مراد لی جاسکتی ہے جیسا کہ اللہ کی صفات پر بھی شی کا اطلاق ہوسکتا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ لفظ شی موجود کے مترادف ہے اور عرب کا محاورہ ہے کہ فلاں کوئی چیز نہیں اس سے مراد مبالغہ کی حد تک اس کی مذمت کرنا ہے گویا وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔(فتح الباری: ص ۴۹۳، ج ۱۳)

بشر مریسی نے امام عبدالعزیز الکنانی سے سوال کیا کہ قرآن شی ہے یا شی نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد اگر قرآن کے وجود کو ثابت کرنا اور اس کے معدوم ہونے کی نفی کرنا ہے تو قرآن شی ہے اور اگر اس سے مراد قرآن کا نام شی ہے تو اس صورت میں شی کا اطلاق قرآن پر صحیح نہیں ہے۔(کتاب الحیدہ: ص ۲۴)

۷۴۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ

۷۴۱۷: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے

سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِرَجُلٍ: ((أَمَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ؟)) قَالَ: نَعَمْ سُوْرَةُ كَذَا وَسُوْرَةُ كَذَا لِسُوَرٍ سَمَّاهَا. [راجع: ۲۳۱۰]

فرمایا تھا کیا تیرے پاس قرآن سے کوئی شی ہے؟ اس نے عرض کیا "ہاں" فلاں فلاں سورت یاد ہے اور اس نے ان سورتوں کے نام بھی لیے۔

فوائد: امام بخاری نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں دو آیات اور ایک حدیث پیش کی ہے، پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کریمہ کو شی کہا ہے، اس سے مراد اپنے وجود کو ثابت کرنا اور عدم کی نفی کرنا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کو شی کہا جاسکتا ہے کہ وہ موجود ہے، دوسری آیت کریمہ کے مطابق اللہ کی ذات گرامی شی میں داخل ہے پھر حرف استثناء کے ذریعے اسے خارج کیا گیا ہے۔

حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو شی کہا ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کی صفات ذات میں سے ایک صفت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صفت کو شی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

شارح بخاری ابن بطال فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیات و آثار سے مراد اس شخص کی تردید ہے جو ذات باری تعالیٰ پر شی کا اطلاق جائز خیال نہیں کرتا جیسا کہ عبداللہ الناشی کا نظریہ ہے اسی طرح اس شخص بھی تردید مقصود ہے کہ معدوم کو شی کہتا ہے کیونکہ لفظ شی سے کسی کا موجود ہونا مراد ہے اور لاشی سے موجود کی نفی کی جاتی ہے ہاں اگر مذمت کرنا ہو تو موجود کو لاشی کہا جاسکتا ہے۔(فتح الباری: ص ۴۹۳، ج ۱۳)

مذکورہ حدیث انتہائی اختصار کے ساتھ بیان ہوئی ہے، امام بخاری نے صرف اتنا حصہ ذکر کیا ہے جسے بطور دلیل پیش کرنا تھا، اس حدیث سے متعلقہ دیگر مباحث کتاب النکاح سے متعلق ہیں۔

(۲۲) بَابٌ ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ [۱۱/ هود:۷] ﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ [۹/ التوبہ: ۱۲۹]

وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: ﴿اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ﴾ [٤١/ فصلت: ١١] ارْتَفَعَ ﴿فَسَوَّاهُنَّ﴾ خَلَقَهُنَّ وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿اسْتَوَى﴾ عَلَا عَلَى الْعَرْشِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿الْمَجِيدُ﴾ الْكَرِيمُ وَ ﴿الْوَدُودُ﴾ الْحَبِيبُ يُقَالُ: ﴿حَمِيدٌ مَجِيدٌ﴾ كَأَنَّهُ فَعِيلٌ مِنْ مَاجِدٍ مَحْمُودٌ مِنْ حَمِدَ.

ارشاد باری تعالیٰ ''اس کا عرش پانی پر تھا'' (هود: ٧) اور وہ عرش عظیم کا رب ہے۔(التوبہ: ١٢٩)

اس عنوان سے مقصود عرش باری تعالیٰ کا اثبات، اور اللہ تعالیٰ کا اس پر مستوی ہونا پھر استواء کا معنی بیان کرنا ہے نیز اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ عرش بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔

ابو العالیہ نے کہا استوی إلی السماء (البقرہ:٢٩) کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آسمان کی طرف بلند ہوا اور فسواھن کا معنی ''پھر انہیں پیدا کیا'' ہے۔

مجاہد نے کہا ''استوی علی العرش'' کا معنی ''وہ عرش پر بلند ہوا'' ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (ذو العرش المجید میں) مجید کا معنی کریم اور الودود کا معنی حبیب ہے اسے حمید مجید کہا جاتا ہے گویا مجید، فعیل ماجد سے ہے اور حمید بمعنی محمود، حمد سے ہے۔

وضاحت: امام بخاری نے تیسرا مسئلہ یعنی استواء اور علو باری تعالیٰ کو بیان کیا ہے، اس مسئلہ کے لیے یکے بعد دیگرے دو عنوان قائم کیے ہیں، اس عنوان کے تحت استواء علی العرش اور اس کے بعد ذات باری کی طرف عروج الملائکۃ بیان ہوگا، اس مقام پر دو آیات کو بطور عنوان منتخب کیا ہے، اس انتخاب میں امام بخاری نے دقتِ فہم اور قوتِ استنباط کو ملحوظ رکھا ہے کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ کا عرش بھی قدیم اور خالق ہے، دوسری آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ عرش مربوب یعنی مخلوق ہے، اس سے ثابت ہوا کہ عرش خالق نہیں اور نہ ہی قدیم ہے بلکہ عرش اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔

استواء کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی استیلاء یعنی قہر اور غلبہ کے ہیں لیکن یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ جب کوئی پہلے غالب نہ ہو پھر اسے غلبہ مل جائے تو اس وقت استیلاء کا لفظ بولا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ معنی درست نہیں کیونکہ وہ تو ازل سے ابد تک غالب ہے، اس لفظ کے معنی کے متعلق حافظ ابن قیم لکھتے ہیں۔

عربی زبان میں لفظ استواء دو طرح سے مستعمل ہے، ۱۔ مطلق ۲۔ مقید

مطلق یہ ہے کہ اس کا استعمال کسی قسم کے حرف کے ساتھ نہیں ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے ولما بلغ اشده، واستوی (القصص:۱۴) اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچے اور پورے توانا ہو گئے، اس کا معنی پورا اور مکمل ہونا ہے۔

مقید یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے حرف کو استعمال کیا گیا ہو اس کی دو اقسام ہیں

1 حرف اِلی کا ساتھ یہ لفظ استعمال ہوتا ہے مثلاً ثم استوی اِلی السماء: البقرہ:۲۹)

اس کا معنی بلند ہونا ہے، اس معنی پر سلف کا اجماع ہے،

2 علی کے ساتھ اسے استعمال کیا جاتا ہے مثلاً الرحمٰن علی العرش (استوی: طہ:۵) رحمٰن نے عرش پر قرار پکڑا، اس کا معنی بلند ہونا، قرار پکڑنا ہے، استولی یعنی قہر اور غلبہ کے معنی میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہے چنانچہ ابن الاعرابی سے سوال ہوا کہ استوی کا معنی استولی یعنی غلبہ آتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ عرب اس معنی کو نہیں جانتے ہیں۔ (مختصر الصواعق :ص ۳۲۰)

ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ مجھ سے احمد بن ابو داؤد نے مطالبہ کیا کہ لغت عرب میں استوی یعنی استولی تلاش کروں، میں نے انہیں جواب دیا اللہ کی قسم! مجھے یہ لفظ اس معنی میں نہیں ملا۔ (فتح الباری: ص ج ۱۳)

حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب الصواعق المرسلہ میں ثابت کیا ہے کہ استوی کا معنی استولی نہیں ہے اس کے بطلان پر انہوں نے بیالیس وجوہ ذکر کی ہیں انہوں نے علامہ خطابی کے حوالہ سے لکھا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس جگہ استواء کا معنی استیلاء یعنی غلبہ ہے، اس معنی کے لیے غیر معروف شاعر کا شعر پیش کیا جاتا ہے، اگر اس مقام پر استواء کا معنی غلبہ ہو تو کلام بالکل بے فائدہ بن جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت ہر چیز کو محیط ہے،

کائنات کا چپہ چپہ اس کے تصرف میں ہے تو صرف عرش پر اس کا استیلاء اور غلبہ چہ معنی دار؟ استیلاء کا معنی تو یہ ہے کہ کسی کو ایک چیز سے روکا جا رہا ہے اور وہ اس پر بزور غالب آ جائے اور قبضہ کر لے، اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے لیے کونسا امر مانع ہے کہ اسے استیلاء سے موصوف کیا جائے'' (الصواعق المرسلہ)

بہر حال استوی علی العرش کا معنی ہے کہ اس نے عرش پر قرار پکڑا، جبکہ بعض عقل پرست اس کا معنی عرش پر متمکن ہو گیا، یا کائنات کے نظام پر غالب آ گیا یا اس نے زمام اقتدار سنبھال لی وغیرہ کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک استوی کا معنی استولی ہے، ان کے متعلق امام ابن قیم نے اپنے قصیدہ نونیہ میں لکھا ہے

نون الیھود ولام الجھمی ھما   فی وحی رب العرش زائدتان

یعنی یہودیوں کا نون، حطہ کے بجائے حنطہ کہنا اور فرقہ جہمیہ کا لام یعنی استوی کے بجائے استولی خیال کرنا دونوں باتیں وحی الٰہی سے زائد ہیں۔

امام بخاری نے آخر میں عرش باری تعالیٰ کی عظمت ورفعت بیان کرنے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر پیش کیا ہے جسے ابن ابی حاتم نے متصل سند سے روایت کیا ہے، اس میں عرش مقدس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی عرش کی عظمت اس بناء پر ہے کہ خصوصیت کے ساتھ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے حضرت ابن عباس نے مجید کا معنی کریم کیا ہے عرش باری تعالیٰ کا یہ وصف ایک دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ بلند شان والا ہے وہی حقیقی بادشاہ ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہی عرش کریم کا مالک ہے۔

(المؤمنون: ۱۱۶)

''عرش کریم ہونے معنی یہ ہے کہ وہ بلند پایہ تمام کائنات سے وسیع تر ہے۔''

(شرح کتاب التوحید: ص ۳۷۱، ج ۱)

۷۴۱۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: إِنِّي عِنْدَ

۷۴۱۸: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اتنے میں آپ کے پاس قبیلہ بنی تمیم کے چند لوگ

النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ قَوْمٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ فَقَالَ: ((اقْبَلُوا الْبُشْرَى يَا بَنِي تَمِيمٍ!)) قَالُوا: بَشَّرْتَنَا فَأَعْطِنَا فَدَخَلَ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ: ((اقْبَلُوا الْبُشْرَى يَا أَهْلَ الْيَمَنِ! إِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُو تَمِيمٍ)) قَالُوا: قَبِلْنَا جِئْنَاكَ لِنَتَفَقَّهَ فِي الدِّينِ وَلِنَسْأَلَكَ عَنْ أَوَّلِ هَذَا الْأَمْرِ مَا كَانَ؟ قَالَ: ((كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ)) ثُمَّ أَتَانِي رَجُلٌ فَقَالَ: يَا عِمْرَانُ! أَدْرِكْ نَاقَتَكَ فَقَدْ ذَهَبَتْ فَانْطَلَقْتُ أَطْلُبُهَا فَإِذَا السَّرَابُ يَنْقَطِعُ دُونَهَا وَأَيْمُ اللَّهِ! لَوَدِدْتُ أَنَّهَا قَدْ ذَهَبَتْ وَلَمْ أَقُمْ. [راجع: ٣١٩٠]

آئے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اے بنی تمیم! تم بشارت قبول کرو، انہوں نے کہا آپ نے ہمیں بشارت تو دی ہے، کچھ دنیا کا مال بھی دیں، پھر آپ کے پاس یمن کے کچھ لوگ آئے تو آپ نے فرمایا اے اہل یمن! تم خوشخبری قبول کرو بنو تمیم نے اسے قبول نہیں کیا، انہوں نے عرض کیا ہم نے اسے قبول کیا، ہم تو آپ کے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ دین کے متعلق سمجھ بوجھ حاصل کریں اور آپ سے اس دنیا کے آغاز کے متعلق پوچھیں کہ اس کی ابتدا کیسے ہوئی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل تھا اور کچھ نہیں تھا البتہ اللہ کا عرش پانی پر تھا پھر اس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھ دی۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اتنے میں مجھے ایک آدمی نے آکر خبر دی اور کہا اے عمران! اپنی اونٹنی کی خبر لو وہ بھاگ گئی ہے چنانچہ میں اس کی تلاش میں نکلا، میں نے دیکھا کہ میرے اور اس کے درمیان ریت کا چٹیل میدان حائل ہے، اللہ کی قسم! میری تمنا تھی کہ اگر اونٹنی جاتی تھی تو چلے جاتی مگر میں آپ کی مجلس سے نہ اٹھا ہوتا۔

فوائد: اس حدیث میں ھذا الامر سے مراد کائنات کی ہر وہ چیز ہے جس کا روزمرہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں یعنی اہل یمن نے مشاہدات کائنات کے متعلق سوال کیا تھا کہ اس کا مبدأ کیا ہے، سوال کے ظاہری مفہوم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔

(فتح الباری: ص٣٤٦، ج٦)

اگرچہ انہوں نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ جنس مخلوقات میں سے پہلی پہلی مخلوق کے متعلق سوال تھا لیکن جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے کیونکہ اس حدیث میں زمین وآسمان کی پیدائش کا ذکر ہے حالانکہ ایک حدیث کے مطابق پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے لکھنے کا حکم دیا اس نے عرض کیا، کیا لکھوں؟ حکم ہوا قیامت تک پیدا ہونے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ دے۔ (ابو داود: السنة، ٤٧٠٠)

نیز حدیث میں اس امر کی بھی صراحت ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار پہلے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تقدیر کو لکھ دیا تھا، اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم: القدر، ٦٧٤٨)

اللہ کا عرش اور پانی دونوں اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں جو تقادیر کے لکھتے وقت موجود تھے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ (ھود: ٧)

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی تخلیق زمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے ہو چکی تھی اور زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر موجود تھا تخلیق کے بعد یہ عرش ساتوں آسمانوں اور کرسی کے بھی اوپر ہے۔

زمین وآسمان کی پیدائش کا مادہ دھواں تھا جو اس وقت موجود پانی سے بخارات کی شکل میں جمع تھا، اس کا اشارہ سورہ حم السجدہ آیت نمبر ١١ میں ہے، پھر اس دھویں کو پھاڑ کر اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان سورج، چاند اور ستارے وغیرہ بنائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

زمین وآسمان پہلے ملے جلے اور گڈمڈ تھے تو ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا۔ (الانبیاء: ٣٠)

اس حدیث سے مقصود اللہ کے عرش کی عظمت اور رفعت شان کو بیان کرنا ہے کہ اس کی قدر و منزلت زمین و آسمان کی قدر و منزلت سے کہیں بڑھ کر ہے اور اس کا وجود زمین و آسمان کے وجود سے بہت پہلے کا ہے۔ واللہ اعلم

۷۴۱۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ يَمِينَ اللَّهِ مَلْأَىٰ لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَنْقُصْ مَا فِي يَمِينِهِ وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَبِيَدِهِ الْأُخْرَى الْفَيْضُ أَوِ الْقَبْضُ يَرْفَعُ وَيَخْفِضُ)). [راجع: ٤٦٨٤][مسلم: ٢٣٠٩]

۷۴۱۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرپور ہے، اس میں سے خرچ کرنا کسی قسم کی کمی نہیں لاتا، وہ دن رات سخاوت کرتا رہتا ہے، تمہیں کیا معلوم کہ جب سے زمین و آسمان کو اس نے پیدا کیا ہے کتنا خرچ کر دیا ہے؟ اس دوسرے ہاتھ میں فیضان یا قبض ہے جسے وہ اونچا اور نیچا کرتا رہتا ہے۔

فوائد: اس روایت میں اللہ کے عرش کا بیان ہے کہ وہ پانی پر تھا، قرآن کریم میں ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت بھی اس کا عرش پانی پر تھا، یہ پانی کہاں تھا، آیا یہ پانی وہی معروف پانی ہے یا کوئی اور مائع قسم کا مادہ تھا، یہ ایسے سوالات ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں اور انہیں سمجھنے کے ہم مکلف بھی نہیں البتہ یہ بات یقینی ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا، عرش، اس تخت کو کہتے ہیں جس پر بادشاہ فروکش ہوتا ہے جیسا کہ ملکہ سبا کے متعلق قرآن میں ہے کہ اس کا تخت عظیم الشان تھا (النمل: ۲۳) عربی زبان میں گھر کی چھت کے لیے بھی لفظ عرش استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ہے وہ بستی اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی (البقرہ: ۲۵۹) گویا عربی لغت میں عرش کے معنی ہیں۔ ۱۔ بادشاہ کا تخت جس پر وہ فروکش ہوتا ہے۔ ۲۔ گھر کی چھت۔

اس اعتبار سے اللہ کے عرش کے دو مفہوم ہیں۔

1 وہ اللہ ذوالجلال کا محل استواء ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے،

2 وہ تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے

بہرحال اللہ کا عرش بھی دوسری مخلوقات کی طرح اس کا پیدا کردہ ہے، اس کے پائے ہیں، اسے خاص فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، قیامت کے دن آٹھ فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہوں گے، یہ عرش سب آسمانوں کے اوپر ہے اور ساتوں آسمانوں کو قبہ کی طرح گھیرے ہوئے ہے، اللہ تعالیٰ اس کا محتاج نہیں بلکہ خود عرش، اپنے پروردگار کا محتاج ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ مخلوق ہے اور ہر مخلوق اپنے خالق کی محتاج ہے اور اس سے کسی صورت میں بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

٧٤٢٠۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ: قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: جَاءَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ يَشْكُو فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ: ((اتَّقِ اللّٰهَ وَأَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ)) [قَالَتْ عَائِشَةُ لَوْكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَاتِمًا شَيْئًا لَكَتَمَ هَذِهِ قَالَ: فَكَانَتْ زَيْنَبُ تَفْخَرُ عَلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ تَقُوْلُ: زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ وَزَوَّجَنِي اللّٰهُ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ.

وَعَنْ ثَابِتٍ ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ﴾ [٣٣/ الاحزاب: ٣٧] نَزَلَتْ فِي شَأْنِ زَيْنَبَ وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ. [راجع: ٤٧٨٧]

٧٤٢٠: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (اپنی بیوی کی) شکایت کرتے ہوئے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ کسی بات کو لوگوں سے چھپانے والے ہوتے تو اسے ضرور چھپاتے۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی دیگر ازدواج مطہرات کو بطور فخر کہا کرتی تھیں، تمہارے نکاح تمہارے گھر والوں نے کئے ہیں لیکن میری شادی اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں سے اوپر کی ہے۔

حضرت ثابت کہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن

حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی تھی: آپ اپنے دل میں جو چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا ہے۔ (الاحزاب: ۳۷)

٧٤٢١ـ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ ﷺ يَقُولُ: نَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ فِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَأَطْعَمَ عَلَيْهَا يَوْمَئِذٍ خُبْزًا وَلَحْمًا وَكَانَتْ تَفْخَرُ عَلَى نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَتْ تَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ أَنْكَحَنِي فِي السَّمَاءِ. [راجع: ٤٧٩١]

[مسلم: ٣٢٥٢]

۷۴۲۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آیت حجاب ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے اس دن ولیمہ میں روٹی اور گوشت سے دعوت فرمائی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا ہے۔

فوائد: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی زبان میں کچھ تیزی تھی، جس کا ان کے شوہر نامدار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو شکوہ تھا، اس بناء پر انہیں طلاق دینے کا ارادہ کیا لیکن رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ وہ اسے طلاق نہ دیں بلکہ اسے بیوی کے طور پر اپنے پاس رکھیں، اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ بیان کیا ہے:

"اور جب آپ اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان کیا اور آپ نے بھی، یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو اور اللہ سے ڈرو، تو اس وقت آپ ایک ایسی بات اپنے دل میں چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا تھا، آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں پھر جب زید اس عورت سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے آپ سے اس عورت کا نکاح کر دیا تاکہ اہل ایمان پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا

حکم ہو کر رہنے والا ہے۔(الاحزاب: ۳۷)

امام بخاری نے اس حدیث کو علو ذات باری تعالیٰ کے ثبوت کے لیے پیش کیا ہے کہ رب العزت آسمانوں کے اوپر ہے جیسا کہ حضرت زینبؓ نے صراحت کی ہے کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر کیا ہے، یہ بات تمام اہل اسلام بلکہ تمام مخلوق کے ہاں ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علو ثابت ہے اور وہ ہم سے بلند و بالا ہے، اس بات کی شہادت عقل و نقل اور فطرت سے ملتی ہے، لیکن جن لوگوں کی فطرت مسخ ہو چکی ہے ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر نہیں بلکہ ہر چیز میں حلول کیے ہوئے ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہے لیکن علو باری تعالیٰ کے لیے صرف شرعی دلائل ہی نہیں بلکہ انسانی فطرت بھی اس کی گواہی دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علو ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی طور پر سب سے بلند ہونا ہے جو اس ذات باری تعالیٰ کے شایان شان ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور وہ بہت بلند اور بہت عظمت والا ہے۔''(البقرہ: ۲۵۵)

رسول اللہ ﷺ بحالت سجدہ پڑھا کرتے تھے ''پاک ہے میرا رب جو سب سے بلند ہے۔''(صحیح مسلم: صلوٰۃ المسافرین، ۷۷۲)

اس بناء پر اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ علو کو بلا تحریف و تعطیل اور بلا تکییف و تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، اس کی دو اقسام ہیں:

۱۔ علو صفت: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بلند پایۂ اور اعلیٰ ہیں، ان میں کسی بھی طرح کا کوئی نقص یا عیب نہیں ہے۔

۲۔ علو ذات: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات تمام مخلوقات سے اوپر ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے۔(الملك: ۱۶)

اللہ تعالیٰ کے آسمانوں میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے اوپر ہے آیت کریمہ میں ''فی'' علیٰ کے معنی میں ہے کیونکہ آسمان ذات باری تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے یا پھر السماء سے مراد آسمان نہیں بلکہ مطلق بلندی ہے یعنی اللہ تعالیٰ بلندی میں ہے۔

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لونڈی سے اللہ تعالیٰ کے متعلق سوال کیا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ آسمان میں ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کردو یہ مومنہ ہے۔(صحيح مسلم: الجنائز ، ٥٣٧)

لیکن معطلہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو کا انکار کرتے ہیں وہ اس کا معنی کرتے ہیں کہ آسمانوں میں اللہ کی حکومت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکومت زمین میں بھی ہے پھر آسمان کی تخصیص چہ معنی دارد؟ اس کے متعلق تفصیلی گفتگو ہم آئندہ کریں گے۔

٧٤٢٢ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ لَمَّا قَضَى الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي)).

۷۴۲۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو عرش کے اوپر اپنے پاس لکھ دیا کہ میری رحمت میری غصہ سے سبقت لے گئی ہے۔

٧٤٢٣ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: حَدَّثَنِي هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفَلَا نُنَبِّئُ النَّاسَ بِذَلِكَ؟ قَالَ: ((إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ

۷۴۲۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ کے ذمے ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے خواہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یا اسی زمین میں مقیم رہے جہاں وہ پیدا ہوا تھا، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس سے مطلع نہ کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے

فِي سَبِيْلِهِ كُلٌّ دَرَجَتَيْنِ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَسَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ)). [راجع: ۲۷۹۰]

راستہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے، اس لیے جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت فردوس کا سوال کیا کرو کیونکہ یہ جنت کا اعلیٰ اور بلند ترین درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔

فوائد: ان احادیث میں امام بخاری نے ایک دوسرے انداز سے ذات باری تعالیٰ کے لیے صفت علو کو ثابت کیا ہے وہ اس طرح کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے لیے فوقیت کا اثبات ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق کے اوپر ہے اور ان سے جدا اور بائن ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''وہ اپنے بندوں پر قاہر ہے وہ حکمت والا اور خبر رکھنے والا ہے۔'' (الانعام: ٦١)

نیز فرمایا کہ اللہ کے بندے اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور انہیں جو حکم دیا جائے اسے بجالائے ہیں۔ (النحل: ٥٠)

اس سلسلہ میں فرعون نے اپنی درباریوں کو الو بنانے کے لیے ایک اسکیم تیار کی وہ کہنے لگا اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تا کہ میں ان راستوں تک پہنچ سکوں جو آسمانوں کے راستے ہیں، پھر موسی کے اللہ کی طرف جھانک سکوں اور میں تو اسے جھوٹا خیال کرتا ہوں۔ (المؤمن: ٣٧)

یعنی موسیٰ جس اللہ کی بات کرتا ہے میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں اور کتنی بلندی پر ہے؟

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے بھی ذات باری تعالیٰ کے متعلق یہی عقیدہ پیش کیا تھا کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہے نیز جو اس کا انکار کرتا ہے وہ فرعون کی اتباع کرتا ہے، چنانچہ علامہ طحاوی لکھتے ہیں کہ جہمیہ میں سے جس نے علو باری تعالیٰ کی نفی کی وہ فرعونی ہے اور جس نے علو کو ثابت کیا وہ موسوی اور محمدی ہے۔ (شرح عقیدہ طحاویہ: ص ٢٥٩)

علامہ طحاوی نے بیسیوں دلائل سے ذات باری تعالیٰ کے لیے صفت علو کو ثابت کیا بلکہ فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کے علو کو تسلیم کیا جائے کیونکہ انسان دعا کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو اوپر کی طرف اٹھاتا ہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ جہت علو کا قصد کرتا ہے اس سے مراد ذات باری تعالیٰ ہوتی ہے، جب بندہ اپنی پیشانی سجدہ کی حالت میں زمین پر رکھتا ہے تو اس سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نیچے ہے بلکہ اس سے مقصود اللہ کے حضور خود کو ذلیل کرنا اور نیچا دکھانا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نچلی جہت میں ہونے کا کسی کے دل میں خیال نہیں آتا البتہ بشر مریسی معتزلی سے منقول ہے کہ اس نے سجدہ کی حالت میں کہا تھا سبحان ربی الاسفل یعنی میرا رب پاک ہے جو نیچے ہے، اللہ تعالیٰ تو ایسی گھٹیا باتوں سے پاک ہے۔

(شرح عقیدہ طحاویہ: ص ۳۷۲)

پہلی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر اپنے پاس لکھا میری رحمت میرے غصے سے سبقت لے گئی ہے، علامہ خطابی نے اس کا معنی لکھا ہے کہ اس کے پاس کائنات کا علم ہے جسے وہ نہ بھولے گا اور نہ ہی اس میں تبدیلی کرے گا۔(فتح الباری: ص ۵۰۵، ج ۱۳)

اہل علم اس تاویل کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کتاب خاص کو مبنی بر حقیقت تسلیم کرتے ہیں جسے اس نے اپنے پاس عرش پر رکھا ہے، یہ اس بات کے منافی نہیں کہ لوح محفوظ میں اسے الگ طور پر لکھا گیا ہے، بہر حال یہ کتاب حقیقت پر مبنی ہے اور عرش پر ہونا بھی حقیقت پر مبنی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عرش کے اوپر ہونا بھی حقیقی ہے، اس سے مقصود اللہ کا عرش پر مستوی ہونا ہے اور اس کا عرش تمام مخلوقات سے اوپر سے الگ ہے۔(شرح کتاب التوحید: ص ۳۹۷، ج ۱)

٧٤٢٤۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَالِسٌ فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ! هَلْ تَدْرِي

۷۴۲۴: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف فرما تھے، جب سورج غروب ہوا تو آپ نے فرمایا اے ابوذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ (سورج) کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول

أَيْنَ تَذْهَبُ هَذِهِ؟)) قَالَ: قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ: ((فَإِنَّهَا تَذْهَبُ تَسْتَأْذِنُ فِي السُّجُوْدِ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا)) ثُمَّ قَرَأَ ﴿ذَلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا﴾ فِي قِرَاءَةِ عَبْدِ اللَّهِ. [راجع: ۳۱۹۹]

ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ جاتا ہے اور سجدہ کی اجازت چاہتا ہے پھر اسے اجازت دی جاتی ہے گویا اسے کہا جاتا ہے کہ واپس وہاں جاؤ جہاں سے آئے ہو تو وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یہ اس کی گزرگاہ ہے۔ (یٰسین: ۳۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت اسی طرح ہے۔

فوائد: ایک روایت میں ہے کہ سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر اجازت طلب کرتا ہے تو اسے طلوع ہونے کی اجازت دی جاتی ہے، قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے لیکن اس کا سجدہ قبول نہ کیا جائے اور وہ طلوع کی اجازت مانگے تو اسے اجازت نہ دی جائے اور اسے کہا جائے جہاں سے آئے ہو وہاں واپس چلے جاؤ اس وقت وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سورج اپنی مقررہ گزرگاہ پر چل رہا ہے یہی زبردست علیم ہستی کا مقرر کردہ اندازہ ہے۔ (یس: ۳۸) (صحیح بخاری: بدء الخلق، ۳۱۹۹)

ایک روایت میں ہے کہ سورج کی گزرگاہ عرش کے نیچے ہے۔

(صحیح بخاری: حدیث نمبر ۷۴۳۳)

اس حدیث سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ سائنس دانوں کا نظریہ ہے کہ سورج اور دوسرے سیاروں کی گردش کشش ثقل اور مرکز گریز قوت کا نتیجہ ہے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاروں کی گردش میں تصادم کا نہ ہونا اس بنا پر ہے کہ اس نظام پر اللہ حکیم وخبیر کا زبردست کنٹرول ہے، یہ سب اجرام اللہ کے حکم کے تحت گردش کر رہے ہیں اور ان کی مقررہ گردش میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

۲۔ قیامت سے پہلے ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب ان سیاروں کی گردش کا نظام تہہ وبالا ہو جائے گا اور سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا، اس کے بعد کائنات کا

نظام ایک دھما کہ سے دوچار ہو جائے گا اور زمین و آسمان ٹکڑا کر تباہ ہو جائیں گے۔

اس حدیث سے اللہ کے عرش کی عظمت و رفعت اور وسعت کا پتہ چلتا ہے کہ ایک سورج کی کیا بات ہے بلکہ کائنات کی ایک ایک چیز اس کے عرش تلے ہے اور اس کے نیچے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہے نیز اللہ کی طرف سے سپرد کردہ خدمت سرانجام دینے پر لگی ہوئی ہے۔

صحیح مسلم میں حدیث بخاری ذرا تفصیل سے آتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے ٹھہرنے کی جگہ پر عرش کے نیچے آتا ہے وہاں سجدہ میں گر جاتا ہے پھر اسی حال میں رہتا ہے حتیٰ کہ اسے اٹھ جانے کا حکم ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا، وہ لوٹ جاتا ہے اور اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے پھر چلتا رہتا ہے، تا آنکہ اپنے ٹھہرنے کی جگہ پر عرش کے نیچے آتا ہے اور سجدہ کرتا ہے پھر اسی حالت میں رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ اٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا وہ حسب معمول مشرق سے طلوع ہوتا ہے، لوگ اس کی چال میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے یہاں تک ایک ایسا دن آئے گا کہ وہ عرش کے نیچے اپنے ٹھہرنے کی جگہ پر آئے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ اٹھ جا اور مغرب کی طرف سے طلوع ہو پھر وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو ایسا کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جب کسی کو جو پہلے ایمان نہ لایا ہوگا، ایمان لانا فائدہ نہ دے گا اور جس نے ایمان کے زمانہ میں اس سے پہلے نیک عمل نہ کئے ہوں تو اس وقت نیک عمل کرنا بھی سودمند نہ ہوگا۔

(صحیح مسلم: الایمان، ۳۹۹)

قرآن کریم مین سورج کے علاوہ چاند، ستاروں، پہاڑوں اور دوسری اشیاء کے سجدہ کرنے کا بھی ذکر ہے اس سجدہ کی کیفیت اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہمیں اس پر صرف ایمان لانا چاہیے۔ واللہ اعلم

٧٤٢٥۔ حَدَّثَنَا مُوسَى عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ ح وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ قَالَ: أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ حَتَّى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ.

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُوْنُسَ بِهٰذَا وَقَالَ: مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ. [راجع: ٢٨٠٧]

۷۴۲۵: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ نے میری طرف پیغام بھیجا، پھر میں نے قرآن کو جمع کرنے کے لیے اس کی تلاش شروع کی تو سورہ توبہ کی آخری آیات ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس پائیں، یہ آیات مجھے کسی دوسرے کے پاس نہیں ملی تھیں وہ آیات یہ تھیں: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ سورة برأت کے آخر تک

ایک دوسری روایت یونس سے مروی ہے وہ بھی انہی الفاظ سے ہے۔

فوائد: بعض روایات میں سورۃ توبہ کی دو آیات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں

﴿لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤوف رحيم﴾

﴿فان تولوا فقل حسبى الله لا اله الا هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم﴾ (التوبہ: ۱۲۸، ۱۲۹)

(صحيح بخاری: التفسير، ٤٦٧٩)

یعنی اگر یہ لوگ آپ کی شخصیت، حد درجہ رأفت وشفقت اور خیر خواہی کی قدر نہیں کرتے تو انہیں نظر انداز کر دیں ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے، اسی پر بھروسہ کریں جو کائنات کی ایک ایک چیز حتی کہ عرش عظیم کا بھی مالک ہے، امام بخاری نے آیت کے

آخری حصہ سے عنوان ثابت کیا ہے کہ اس میں عرش کی عظمت کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش کی متعدد صفات ذکر کی ہیں، اس مقام پر اس کی عظمت و وسعت کا بیان ہے کہ وہ بہت وسیع و عریض ہے کائنات میں سب سے بڑی مخلوق ہے، جملہ مخلوقات کو احاطہ کئے ہوئے ہے دوسرے مقام پر فرمایا کہ اس کا عرش کریم ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ بہت بلند شان والا ہے وہی حقیقی بادشاہ ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہی عرش کریم کا مالک ہے۔(المؤمنون: ١١٦)

کریم میں اس کی خوبصورتی اور اس کے حسن و جمال کا بیان ہے، کائنات میں سب سے زیادہ خوبصورت اللہ تعالیٰ کا عرش ہے، بعض روایات میں ہے کہ اللہ کا عرش سرخ یاقوت سے بنایا گیا ہے۔(فتح الباری: ص٥٩٧، ج١٣)

ایک قرأت کے مطابق اللہ کا عرش مجید ہے (البروج: ١٥) یعنی وہ عرش بڑی شان وشوکت اور بزرگی والا ہے، اس ظاہری، باطنی صفات کے باوجود وہ اللہ کا محتاج ہے چونکہ وہ مخلوقات میں سے اللہ کے زیادہ قریب بلکہ ذات باری تعالیٰ کا محل استواء ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس اپنی طرف منسوب کیا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا رب ہے لیکن عرش کی عظمت و وسعت کے پیش نظر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نسبت ہے، عرش کا مالک سے مراد پوری کائنات کا مالک ہے لیکن اس کا عرش پوری کائنات کو محیط ہے۔

٧٤٢٦ـ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ عِنْدَ الْكَرْبِ: ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَلِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ)). [راجع: ٦٣٤٥]

٧٤٢٦: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ بہت جاننے والا بڑا بردبار ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جو آسمانوں کا مالک، زمین کا رب اور عرش کریم کا مالک ہے۔''

فوائد: امام بخاری نے کتاب الدعوات میں اس حدیث پر ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے:
''پریشانی کے وقت کی دعا۔''

یہ دعا مصائب کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں توحید کی تینوں اقسام کا ذکر ہے یعنی یہ دعا توحید الوہیت توحید ربوبیت اور توحید الاسماء والصفات پر مشتمل ہے اس دعا میں اللہ کے عرش کی دو صفات ہیں ایک یہ کہ وہ عظیم ہے جو اس کے بڑے اور وسیع ہونے کی علامت ہے اور دوسری صفت کریم ہے جو اس کے حسین وجمیل اور خوبصورت ہونے سے عبارت ہے یعنی مقدار اور معیار کے اعتبار سے قابل تعریف ہے۔ عرش کے عظیم وکریم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے یہ نسبت اس کی خصوصیت وامتیاز پر دلالت کرتی ہے، وہ خصوصیت اور امتیاز یہ ہے کہ اسے اللہ کا قرب حاصل ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ کے لیے محل استواء ہے۔

واضح رہے کہ لغتِ عرب میں بادشاہ کے لیے مخصوص تخت کو عرش کہا جاتا ہے جیسا کہ ملکہ سبا کے متعلق قرآن میں ہے کہ اس کا ایک عظیم الشان تخت تھا (النحل: ۲۳) جبکہ شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ عظیم تخت ہے جس پر اللہ تعالیٰ مستوی ہے اور یہ عرش تمام مخلوقات سے اوپر اور تمام مخلوقات سے بڑا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی تین صفات بیان کی ہیں۔

۱۔ عظیم وہ بہت بڑا ہے۔ ۲۔ کریم وہ عزت والا ہے۔
۳۔ مجید وہ بزرگی والا ہے۔

اور کرسی عرش کے علاوہ ہے قرآن کریم کے بیان کے مطابق کرسی زمین اور آسمانوں سے بڑی ہے۔ (البقرہ: ۲۵۵)

اللہ تعالیٰ کا عرش کرسی سے کہیں زیادہ بڑا اور بزرگی والا ہے، اللہ تعالیٰ اس عرش عظیم کا مالک ہے، امام بخاری نے عرش کی عظمت ووسعت کو بیان کرنے کے لیے اس حدیث کو لائے ہیں۔

٧٤٢٧ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَن

۷۴۲۷: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((النَّاسُ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِذَا أَنَا بِمُوْسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ)). [راجع: ٢٤١٢]

دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، (سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہوں گے۔

٧٤٢٨۔ وَقَالَ الْمَاجِشُوْنُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ بُعِثَ فَإِذَا مُوْسَى آخِذٌ بِالْعَرْشِ)). [راجع: ٢٤١١]

۷۴۲۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن میں سب سے پہلے اٹھنے والا ہوں گا میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہیں۔

فوائد: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب میں نہیں جانتا کہ وہ پہلے صور پر بے ہوش نہیں ہوئے یا دوسرے صور پر مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے (کیونکہ وہ دنیا میں ایک دفعہ بے ہوش ہو چکے تھے) (صحیح بخاری: حدیث نمبر، ٢٤١١)

قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دفعہ صور میں پھونکا جائے گا۔

۱۔ پہلے نفخہ پر گھبراہٹ واقع ہوگی۔(النحل: ٨٧)

۲۔ دوسرے نفخہ پر لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے۔

۳۔ تیسرے نفخہ پر سب انسان زندہ ہو کر اپنے پروردگار کے حضور پیش ہوں گے۔

(الزمر: ٦٨)

امام بخاری نے اللہ کے عرش کے بارے میں جو احادیث پیش کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں کچھ خصوصیات و امتیازات کا حامل ہے۔ مثلاً 1۔ وہ اللہ تعالیٰ کا محل استواء ہے۔ 2۔ وہ تمام مخلوقات کے اوپر ہے۔ 3۔ اسے فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے۔ 4۔ قیامت کے دن خصوصی طور پر آٹھ فرشتے اسے اٹھائیں گے۔ 5۔ اللہ کے مقرب فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ 6۔ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے وہ پانی پر موجود تھا۔ 7۔ اس کے پائے ہیں یعنی وہ کروی شکل کا نہیں ہے۔ 8۔ اللہ تعالیٰ نے

اسے عظیم، کریم اور مجید کہا ہے۔ 9۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کی ہے کہ وہ عرش کا مالک ہے۔ 10۔ وہ انتہائی وزنی ہے۔ (صحیح مسلم: حدیث نمبر، ۶۹۱۳) 11۔ فردوس اعلیٰ کی چھت عرش الٰہی کی ہے۔

عرش کے حوالہ سے دو باتوں کا ذکر انتہائی ضروری ہے۔

ذات باری تعالیٰ کے متعلق لوگوں کے مختلف نظریات ہیں۔ مثلاً

(ا) اللہ تعالیٰ حضرت آدم کے اندر تھا، اسی لیے فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی صورت میں ظہور کیا۔

(ج) اللہ تعالیٰ ہر نوع انسان کے صورت میں موجود ہے۔

(د) اللہ تعالیٰ ہر نوع کی مخلوق میں موجود ہے۔

یہ مختلف نظریات لوگوں کی تصانیف میں موجود ہیں اور اس قدر مشہور ہیں کہ ان کے حوالہ جات کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف بایں طور کر دیا ہے کہ وہ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یکتا ہے، آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہے اور جملہ کائنات سے الگ، کسی میں حلول نہیں ہے، البتہ اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے تمام کائنات کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے، کتاب وسنت کی نصوص کا خلاصہ یہی ہے۔

۲۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ معراج کی رات عرش پر گئے تو جوتے اتارنے لگے، اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ تم جوتے سمیت آجاؤ، یہ حکایت گپ ہے، اس کا کہیں بھی ثبوت نہیں ہے بلکہ قرآنی آیات اس کی تکذیب کرتی ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

آپ ان سے کہیں کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتے جیسا کہ مشرک کہتے ہیں تو وہ اللہ صاحب عرش تک پہنچنے کے لیے ضرور کوئی راہ نکالتے۔ (بنی اسرائیل: ۴۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور وہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا نیز وہ اپنی مخلوق سے الگ ہے چہ جائیکہ اتحاد الوجود یا امکان حلول ہو، اس سے بھی مذکورہ حکایت کے جھوٹ ہونے کا پتہ چلتا ہے چنانچہ امام نجم الدین اپنے رسالہ معراج میں لکھتے ہیں:

سوال میں رسول اللہ ﷺ کے جوتوں سمیت عرش پر چڑھنے کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ اس خودساختہ قصہ بیان کرنے والے کو مارے وہ کس قدر بے حیا اور بے ادب ہے۔

(توحید خالص از شیخ بدیع الدین، ص ۳۵)

(۲۳) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ﴾ [۷۰/ المعارج: ٤] وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ [فاطر: ۱۰] وَقَالَ أَبُو جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: بَلَغَ أَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لِأَخِيهِ: اعْلَمْ لِي عِلْمَ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ يَأْتِيهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿الْعَمَلُ الصَّالِحُ﴾ [۳۵/ فاطر: ۱۰] يَرْفَعُ الْكَلِمَ الطَّيِّبَ يُقَالُ: ﴿ذِي الْمَعَارِجِ﴾ [۷۰/ المعارج: ۳] الْمَلَائِكَةُ تَعْرُجُ إِلَى اللّٰهِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اس کی طرف روح اور فرشتے چڑھتے ہیں۔“ (المعارج: ٤)

نیز فرمایا ”پاکیزہ کلمات بھی اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔“ (فاطر : ۱۰)

ابو جمرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا: جاؤ اس آدمی کی خبر لاؤ جو کہتا ہے کہ ”اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔“

امام مجاہد نے کہا کہ نیک اعمال، پاکیزہ کلمات کو اٹھا لیتے ہیں،

کہا جاتا ہے کہ ذی المعارج سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذات باری تعالیٰ کے لئے صفت علو ثابت کرنے کے لئے یہ دوسرا باب منعقد کیا ہے، اس میں دو آیات کا انتخاب کیا ہے جن میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف فرشتے اور روح عروج کرتے ہیں اور پاکیزہ کلمات صعود سے متصف ہوتے ہیں عربی زبان میں عروج اور صعود اوپر چڑھنے کو کہا جاتا ہے، ذات باری تعالیٰ کی صفت ہے کہ اس کی طرف فرشتے اور پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ صفت علو سے متصف ہے، امام

بخاری نے اس سلسلہ میں سلف کے مذہب کو ثابت کیا ہے کہ کس قسم کی کیفیت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علو ثابت ہے، آیات کا سیاق وسباق بایں طور ہے۔

① کسی طلب کرنے والے نے اس عذاب کا مطالبہ کیا جو واقع ہو کر رہے گا جسے کافروں سے کوئی ٹالنے والا نہیں، یہ عذاب اللہ کی طرف سے آئے گا جو بلندیوں کا مالک ہے۔ جس کی طرف فرشتے اور روح ایک ایسے دن میں چڑھتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

(المعارج: ١ تا ٤)

عروج میں دو باتیں بنیادی طور پر پائی جاتی ہیں، جھکاؤ اور بلندی، اللہ کی طرف اس کے فرشتے اس کیفیت کے ساتھ چڑھتے ہیں، ان آیات میں اللہ کی صفت ذی المعارج واقع ہوئی ہے، اس کا معنی وہ بلند وبالا ذات ہے جس کے سامنے سب بلندیاں ہیچ ہیں، یعنی بلند مقام کا مالک، گویا کافروں پر نہ ٹلنے والا عذاب اس ذات کبریاء، کی طرف سے آئے گا جو تمام بلندیوں سے بالا ہے اور جس کی طرف فرشتے پچاس ہزار سال کی مدت میں چڑھتے ہیں، بہر حال اس آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علو کو ثابت کرنا ہے جو اظہر من الشمس ہے۔

② "پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک اعمال انہیں اوپر اٹھاتے ہیں۔"

(فاطر: ١٠)

پاکیزہ کلمات اور نیک اعمال دونوں لازم وملزوم ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے مدد گار ہیں، پاکیزہ کلمات اللہ کی طرف اس وقت چڑھتے ہیں جبکہ ان کی بنیاد پاکیزہ اقوال یا درست عقیدہ ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عمل پاکیزہ اقوال کے خلاف ہو یا اعمال، پاکیزہ اقوال کے مطابق نہ ہوں تو وہ اوپر نہیں چڑھیں گے اور نہ ہی اللہ کے حضور مقبولیت کا درجہ حاصل کر سکیں گے۔ اس آیت کریمہ سے بھی ذات باری کے لیے صفت علو ثابت ہوتی ہے۔

امام بخاری نے اس سلسلہ میں ایک معلق حدیث کا حوالہ دیا ہے جسے خود ہی پہلے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر ٣٥٢٢، ٣٥٢٣، ٣٨٦١)

اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر ہے وہاں سے وحی کی خبریں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتی تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی

تعلیم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اللہ تعالیٰ کے متعلق اوپر ہونے کا عقیدہ تھا، اس سے ذات باری تعالیٰ کے لئے صفت علو ثابت کرنا ہے، کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ خبر، کسی خبر دینے والے کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے جو اپنے اوامر ونواہی بھیجتا ہے اور فرشتوں کے ذریعے اسے اپنے رسولوں تک پہنچاتا ہے، اس حدیث کے مطابق وہ جملہ اخبار آسمان سے آتی ہیں، اور ان کے بھیجنے والا بھی آسمانوں کے اوپر اپنی مخلوق سے جدا ہے، چنانچہ جملہ اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت فوق ہے اور اللہ تعالیٰ کو اوپر سمجھنا یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، جاہل سے جاہل انسان بھی جب مصیبت کے وقت فریاد کرتا ہے تو وہ اپنے منہ کو اوپر اٹھا کر فریاد کرتا ہے البتہ جہم کے پیروکار عقل وفطرت اور شریعت کے خلاف، اللہ تعالیٰ کے لئے جہت فوق کا انکار کرتے ہیں، منقول ہے کہ جہم نماز میں بھی سبحان ربی الاعلی کہنے کے بجائے سبحان ربی الاسفل کہا کرتا تھا۔

٧٤٢٩ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ وَصَلَاةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ فَيَقُولُ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ)). [راجع: ٥٥٥]

۷۴۲۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رات اور دن کے فرشتے تمہارے پاس آتے ہیں اور عصر وفجر کی نمازوں میں جمع ہوتے ہیں پھر جن فرشتوں نے تمہارے پاس رات گزاری ہوتی ہے وہ اوپر چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ اسے تمہاری خوب خبر ہوتی ہے، وہ انہیں پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ جب ہم نے انہیں چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔''

فوائد: امام بخاری نے اس حدیث سے ذات باری تعالیٰ کے لئے صفت علو اور جہت فوق کو

ثابت کیا ہے کیونکہ اس میں ہے کہ فرشتے اوپر چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرتا ہے اوران سے براہ راست خطاب کرتا ہے، حدیث کی ظاہری عبارت کا یہی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے وحی کے واسطہ کے بغیر دریافت کرتا ہے، فرشتوں کے لئے لفظ عروج استعمال ہوا ہے، عربی لغت کے اعتبار سے اس کا معنی نیچے سے اوپر چڑھنا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اگر ہم ان پر آسمان کا کائی دروازہ کھول بھی دیتے جس میں وہ اوپر چڑھنے لگ جاتے۔'' (الحجر:١٤)

ذات باری تعالیٰ کے علو کی دو اقسام ہیں۔

① علو ذات ② علو صفات

علو ذات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر ہے، کوئی چیز بھی اس کے اوپر تو کیا اس کے برابر بھی نہیں ہو سکتی۔

علو صفات کا مطلب یہ ہے کہ اس کی صفات بلند پایہ ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ تعالیٰ کے لئے بلند مثال ہے۔'' (النحل:٦٠)

اس سلسلہ میں اہل سنت کا مؤقف ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے تمام مخلوقات سے اوپر ہے اوراس کی بلندی ذاتی ، ازلی ، اور ابدی صفات کی وجہ سے ہے، دو گروہوں نے اہل سنت کی مخالفت کی ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے، اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کی توہین لازم آتی ہے کیونکہ کائنات میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں انسان خود ٹھہرنا گوارہ نہیں کرتا، چہ جائیکہ اللہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ ان مقامات میں بھی ہے ایک دوسرا گروہ ان کے برعکس کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کائنات کے اوپر ہے نہ نیچے نہ جہاں کے اندر ہے نہ باہر، نہ دائیں نہ بائیں ، نہ کائنات سے متصل اور نہ اس سے منفصل، واضح رہے کہ ہم عدم کے سوا کسی ایسی چیز سے واقف نہیں جو کائنات کے اوپر ہو نہ نیچے، نہ دائیں نہ بائیں ، نہ متصل نہ منفصل، اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اور توہین کیا ہو سکتی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ، اس کے رسول ،صحابہ اور تابعین کے اقوال سے کوئی نص یا واضح بات

ایسی نہیں جو ثابت کرے کہ اللہ عرش پر یا آسمانوں کے اوپر نہیں ہے بلکہ ان کی تمام باتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر ہے۔(عقیدہ واسطیہ)

بہر حال ذات باری تعالیٰ کے لئے صفت علو کا ثابت ہونا قرآن، حدیث، اجماع، عقل اور فطرت سے ثابت ہے، اس کے خلاف عقیدہ رکھنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔

٧٤٣٠ـ وَقَالَ خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَصْعَدُ إِلَى اللَّهِ إِلَّا الطَّيِّبُ فَإِنَّ اللَّهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ)).

۷۴۳۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اپنی پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ تک پاکیزہ خیرات ہی پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے۔ پھر وہ صدقہ کرنے والے کے لئے اس طرح بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی گھوڑی کے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ” کھجور پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔“

وَرَوَاهُ وَرْقَاءُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((وَلَا يَصْعَدُ إِلَى اللَّهِ إِلَّا الطَّيِّبُ)). [راجع: ١٤١٠]

اس حدیث کو ورقاء نے عبداللہ بن دینار سے، انہوں نے سعید بن یسار سے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وہی خیرات چڑھتی ہے جو حلال کمائی سے ہو۔

فوائد: یہ حدیث قبل ازیں بیان ہو چکی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز کو قبول کرتا ہے۔“(صحیح بخاری، الزکوۃ:١٤١٠)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں شرف قبولیت سے نوازتا ہے وہی اوپر چڑھتی ہے، اس کی وجہ سے اس میں برکت دی جاتی ہے اور اسے اللہ کے ہاں کئی گنا بڑھا

دیا جاتا ہے، امام بخاری نے اسی جملہ سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے اور صفت علو سے متصف ہے، کیونکہ صفت علو کمال ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہو، اللہ تعالیٰ ہی تمام صفات کمال سے متصف ہے عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ عقلی اعتبار سے تین ہی صورتیں ممکن ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اوپر ہوگا یا نیچے یا برابر نیچےاور برابر ہونا ممتنع ہے کیونکہ نیچے ہونے میں معنوی نقص ہے اور اللہ تعالیٰ جملہ نقائص سے پاک ہے اور برابر ہونے سے مخلوق کے ساتھ مماثلت لازم آتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مماثلت کی نفی کی ہے۔اب صرف صفت علو باقی ہے جو ذات باری تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔

فطرت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے کیونکہ جو بھی انسان زبان سے اے میرے رب کہتا ہے اس کے دل میں اوپر کا تصور موجود ہوتا ہے، محمد طاہر مقدسی بیان کرتے ہیں کہ شیخ ابو جعفر ہمدانی، امام الحرمین ابو المعالی الجوینی کی مجلس میں حاضر ہوئے جوان کے استاد بھی ہیں جبکہ امام الحرمین صفت علو کی نفی میں دلائل دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھا جب عرش ومکان پیدا نہیں ہوئے تھے، اب اللہ تعالیٰ وہیں ہے جہاں کون ومکان اور عرش وفرش کی پیدائش سے پہلے تھا، اس پر شیخ ابو جعفر نے اعتراض کیا کہ آپ ہمیں بتائیں ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک داعیہ ہوتا ہے، جب بھی کوئی عارف اور زاہد ''یا اللہ'' کہتا ہے تو اس کے دل میں اللہ کی جانب ایک خواہش موجود ہوتی ہے، وہ دائیں بائیں نہیں جھانکتا بلکہ اس کی توجہ اوپر کی طرف ہوتی ہے، ہم کبھی بھی اس داعیہ کو ختم نہیں کر سکتے، امام الحرمین نے جب ابو جعفر ہمدانی کی یہ بات سنی تو اپنا سر پیٹتے ہوئے چیخنے لگے اور یہ کہتے ہوئے منبر سے نیچے اتر آئے کہ آج مجھے ہمدانی نے حیران کر دیا ہے یعنی ہمدانی کی بات فطرت کے عین مطابق ہے۔(شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۷۰)

بہر حال قرآن کریم، احادیث، عقل اور فطرت سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر ہے اور صفت علو سے متصف ہے۔

۷۴۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا

۷۴۳۱: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت اور پریشانی

سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو بِهِنَّ عِنْدَ الْكَرْبِ: ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ)).

کے وقت درج ذیل کلمات کے ساتھ دعا فرمایا کرتے تھے: ''اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہی صاحب عظمت اور بردبار ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہی آسمانوں اور عرش کریم کا مالک ہے۔''

[راجع: ٦٣٤٥]

فوائد: اس حدیث کے مطابق عرش کے متعلق صراحت ہے کہ وہ عظیم اور کریم ہے، ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ عرش عظیم تمام مخلوق کے لئے بطور چھت ہے۔ اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، اس سے امام بخاری نے ذات باری تعالیٰ کے لئے صفت علو کو ثابت کیا ہے، لیکن شارح بخاری علامہ عینی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاری کے قائم کردہ عنوان کے مطابق نہیں ہے، اس کا تعلق گزشتہ عنوان سے ہے شائد کاتب نے سہواً اس حدیث کو یہاں بیان کر دیا ہے۔ (عمدۃ القاری، ص ٦٢٧، ج ١٦)

حافظ ابن حجر نے ابن منیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت کی نفی کو اس حدیث سے ثابت کیا ہے۔ (فتح الباری ص ٥١٢، ج: ١٣)

ہمارے نزدیک علامہ عینی اور ابن منیر کا موقف محل نظر ہے، علامہ عینی کی بات سے ان لوگوں کو تقویت پہنچ سکتی ہے جن کا دعویٰ ہے کہ صحیح بخاری ایک زیر تالیف کتاب تھی، امام بخاری اسے مکمل نہ کر پائے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہہ دیا حالانکہ یہ ایک بے بنیاد مفروضہ ہے کیونکہ امام بخاری نے سولہ سال کی مدت میں چھ لاکھ احادیث سے منتخب کر کے صحیح بخاری کو مرتب کیا، پھر اسے امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی اور امام یحییٰ بن معین کے سامنے پیش کیا، ان سب شیوخ نے اس مبارک مجموعہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی صحت کے متعلق شہادت دی، اس کے بعد نوے ہزار تلامذہ نے صحیح بخاری کو امام بخاری سے براہ راست سنا'' ایسے

حالات میں یہ ناممکن ہے کہ مذکورہ حدیث کا تعلق گذشتہ عنوان سے ہے کسی کاتب نے سہوا اسے یہاں بیان کر دیا ہے دراصل امام بخاری کی باریک بینی اور دقت فہم کا ادراک علامہ عینی نہیں کر سکے، چنانچہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ امام بخاری نے ذات باری تعالیٰ کے لئے صفت علو ثابت کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے دو عنوان قائم کئے ہیں پہلے باب میں استواء علی العرش بیان کیا تھا جو علو ذات باری تعالیٰ کے لئے واضح دلیل ہے اور مذکورہ عنوان میں ایک دوسری حیثیت سے اسے ثابت کیا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف عروج ملائکہ اور صعود کلمات طیبات کو ثابت کیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرنے کے لئے تم جو تسبیح و تحلیل کرتے ہو تو یہ کلمات اللہ کے عرش کے ہاں پہنچ کر اس کے گرد گھومتے ہیں اور شہد کی مکھیوں کی طرح، ان کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے، اللہ کے حضور کہنے والے کا ذکر کرتے ہیں۔''

(ابن ماجہ ، الادب: ۳۸۰۹)

رسول اللہ ﷺ جب پریشانی کے وقت مذکورہ کلمات کہتے تو یہ کلمات بھی اللہ کے عرش کا طواف کرتے، امام بخاری نے اس سے صعود کلمات ثابت کیا ہے جو علو باری تعالیٰ کی دلیل ہے۔

شارح ابن منیر کے متعلق تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ ''قائل کے قول کی ایسی تشریح کی جائے جسے وہ خود پسند نہیں کرتا۔'' امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت فوق ثابت کرنے کے لئے مستقل دو عنوان قائم کئے ہیں، لیکن ابن منیر لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت کی نفی کو ثابت کیا ہے، دراصل جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے کسی جہت کا انکار کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کو کسی جہت کے ساتھ موصوف کر دیا تو اللہ تعالیٰ کا جسم لازم آئے گا اور تمام جسم تو باہم ایک جیسے ہوتے ہیں، اس سے تمثیل لازم آئے گی، اس وجہ سے ہم اللہ تعالیٰ کے لئے جہت کا انکار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لئے جہت فوق کہنے والوں کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ کیا اس جسم سے وہ چیز مراد ہے جو مختلف چیزوں سے مل کر وجود میں آتی ہے اور ان اجزاء کے بغیر وہ چیز قائم نہیں رہ سکتی؟ اللہ تعالیٰ کے لئے اس

قسم کا جسم کوئی بھی ثابت نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علو کے اثبات سے ایسا جسم ثابت ہوتا ہے جو بذات خود قائم ہے اور اپنے شایان شان صفات سے متصف ہے، اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ابن منیر کا دعویٰ ثبوت کے بغیر ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً ایک ذات ہے جو بذات خود قائم اور باکمال صفات سے متصف ہے، امام بخاری نے اس بات کو ثابت کیا ہے۔

٧٤٣٢۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ أَوْ أَبِي نُعْمٍ شَكَّ قَبِيصَةُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: بُعِثَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِذُهَيْبَةٍ فَقَسَمَهَا بَيْنَ أَرْبَعَةٍ.

وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: بَعَثَ عَلِيٌّ وَهُوَ بِالْيَمَنِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِذُهَيْبَةٍ فِي تُرْبَتِهَا فَقَسَمَهَا بَيْنَ الْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ الْحَنْظَلِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي مُجَاشِعٍ وَبَيْنَ عُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ الْفَزَارِيِّ وَبَيْنَ عَلْقَمَةَ بْنِ عُلَاثَةَ الْعَامِرِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي كِلَابٍ وَبَيْنَ زَيْدِ الْخَيْلِ الطَّائِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي نَبْهَانَ فَتَغَيَّظَتْ قُرَيْشٌ وَالْأَنْصَارُ فَقَالُوا: يُعْطِيهِ صَنَادِيدَ أَهْلِ نَجْدٍ وَيَدَعُنَا؟ قَالَ: ((إِنَّمَا أَتَأَلَّفُهُمْ)) فَأَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ

٧٤٣٢: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو کچھ سونا بھیجا گیا، آپ نے اسے چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔

ایک دوسری سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یمن میں تھے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کچھ سونا بھیجا جو مٹی سے جدا نہ تھا رسول اللہ ﷺ نے اسے اقرع بن حابس حنظلی، عیینہ بن حصن بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری اور زید الخیل طائی کے درمیان تقسیم کر دیا ، اس پر قریش اور انصار کو غصہ آیا ،انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ رؤساء نجد کو تو مال دیتے ہیں اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں ، رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ ''میں ان کی تالیفِ قلب کرتا ہوں۔'' اس دوران ایک آدمی آیا جس کی دونوں آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھی۔ پیشانی ابھری ہوئی ، داڑھی گنی ، دونوں رخسار پھولے ہوئے

الْعَيْنَيْنِ نَاتِئُ الْجَبِيْنِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ مَحْلُوْقُ الرَّأْسِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اتَّقِ اللّٰهَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((فَمَنْ يُطِيْعُ اللّٰهَ إِذَا عَصَيْتُهُ؟ فَيَأْمَنُنِي عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَلَا تَأْمَنُوْنِي؟)) فَسَأَلَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ قَتْلَهُ أُرَاهُ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ فَمَنَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا وَلَّى قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا قَوْمًا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ يَقْتُلُوْنَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدَعُوْنَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ)). [راجع: ٣٣٤٤]

اور اس کا سر منڈا ہوا تھا، اس نے کہا یا محمد! اللہ سے ڈر، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میں نے ہی اس کی نافرمانی کی تو اس کی اطاعت کون کرے گا؟ اس نے مجھے اہل زمین کے لئے امین بنا کر بھیجا ہے لیکن تم مجھے امین نہیں سمجھتے ہو۔'' پھر حاضرین میں سے ایک شخص نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی، میرے خیال کے مطابق وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، رسول اللہ ﷺ نے اسے منع کر دیا جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن تو پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسا کہ تیر شکار سے باہر ہو جاتا ہے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے وہ بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں نے ان کا دور پایا تو انہیں قوم عاد کی طرح نیست و نابود کر دوں گا۔

فوائد: ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھے امین خیال نہیں کرتے ہو حالانکہ میں اس ذات بابرکات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔ میرے پاس صبح و شام آسمان سے خبریں آتی ہیں۔'' (صحیح بخاری' المغازی: ٤٣٥١)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں' مذکورہ روایت کے الفاظ سے عنوان ثابت ہوتا ہے، امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ عنوان کے تحت ایک ایسی حدیث لاتے ہیں جس کے الفاظ عنوان کے

مطابق نہیں ہوتے لیکن آپ عنوان سے اس حدیث کی بعض روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کے الفاظ عنوان کے مطابق ہوتے ہیں' تا کہ طالب علم کے ذہن میں تیزی اور اس کے استحضار کی قوت بیدار ہو۔ (فتح الباری، ص: ۵۱۲ ج: ۱۳)

اہل عرب بعض اوقات علی کو فی کی جگہ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ﴾ (التوبہ:۲) اس کا معنی علی الارض ہے یعنی زمین پر گھوم پھر لو۔ اس طرح قرآن میں ہے ﴿وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ﴾ (طٰہٰ:۷۱) اس کا معنی بھی علی جزوع النخل ہے یعنی میں تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا' چنانچہ اس حدیث میں فی السماء کا معنی علی السماء ہے یعنی وہ اللہ آسمان پر عرش کے اوپر ہے، دوسری تاویل یہ بھی ہے کہ السماء سے مراد آسمان نہیں بلکہ اس سے مراد اوپر کی جہت ہے۔ واللہ اعلم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت فوق اور صفت علو کو ثابت کیا ہے آپ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے، جو اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانتے ہیں' انہوں نے درج ذیل آیت سے اس موقف کو ثابت کیا ہے۔

> "جہاں بھی تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں وہاں تیسرا اللہ ہوتا ہے جہاں پانچ سرگوشی کرتے ہیں وہاں چھٹا اللہ ہوتا ہے، اس سے کم ہوں یا زیادہ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔" (المجادلہ:۷)

حالانکہ آیت کریمہ میں معیت سے مراد کسی جگہ میں حلول کر جانا نہیں، چنانچہ عرب کہتے ہیں کہ القمر معنا، چاند ہمارے ساتھ ہے حالانکہ چاند آسمان پر ہوتا ہے اس طرح آرمی آفیسر اپنی فوج سے کہتا ہے تم میدان جنگ میں جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں حالانکہ فوج کے ساتھ نہیں ہوتا اس اعتبار سے معیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساتھ والا آدمی ہمیشہ ساتھی کی جگہ میں ہو' اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ پر تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو گندگی والی جگہوں سے پاک خیال نہیں کرتے کیونکہ ہم بعض اوقات طہارت گاہ میں ہوتے ہیں تو کیا اس وقت اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر ہمارے ساتھ ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی گستاخی اور کیا ہو سکتی ہے۔

٤٧٣٣۔ حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيْدِ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ قَوْلِهِ: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾ [٣٦/ يس: ٣٨] قَالَ: ((مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ)). [راجع: ٣١٩٩]

۷۴۳۳: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے درج ذیل آیت کے متعلق سوال کیا: "اور سورج اپنی مقررہ گزرگاہ پر چل رہا ہے۔" (یٰسین: ۳۸) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کی گزرگاہ عرش کی نیچے ہے۔"

فوائد: یہ زمین جس پر ہم آباد ہیں سورج اس سے کروڑوں میل کی بلندی پر ہے' اس قدر بلند ہونے کے باوجود بھی یہ اللہ کے عرش کے نیچے ہیں اور عرش عظیم تمام مخلوقات کے لئے چھت ہے، اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ قرآن وحدیث میں اس کی صراحت ہے، اس سے امام بخاری نے ذات باری تعالیٰ کے لئے علو ثابت کیا ہے، یہ علو کیسا ہے؟ اس کے متعلق اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ حضرت امام مالک سے ایک سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ مگر اس استواء کی کیفیت کیا ہے؟ اس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ لفظ استواء سے اللہ تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنے یا بلند ہونے کا معنی تو واضح ہے مگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کے متعلق ہمیں شارع کی طرف سے کچھ نہیں بتایا گیا اس لیے اللہ کے مستوی علی العرش ہونے پر ایمان لانا تو واجب ہے جبکہ اس کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔

(فتح الباری ص ٤٩٨ ج ١٣)

بہر حال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر ہے لیکن شارح بخاری ابن منیر پر تعجب ہے کہ انہوں نے امام بخاری کے خلاف یہ کہا کہ اس عنوان سے ابطال جہت مقصود ہے اگر امام بخاری کی یہی غرض ہوتی تو عروج ملائکۃ اور صعود کلمات طیبات پر مشتمل آیات اور ذات باری تعالیٰ کے لئے صفت علو ثابت کرنے والی احادیث اس عنوان کے تحت کیوں لائے؟ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ کے علو اور اس کے مستوی علی العرش ہونے کے متعلق لوگوں کی چار اقسام ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

① اللہ تعالیٰ عالم سے خارج ہے اور نہ اس میں داخل ہے۔ اس کے لئے کوئی جہت اوپر یا نیچے نہیں۔

② اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے ہر جگہ پر موجود ہے، وحدت الوجود کی بنیاد بھی یہی ہے۔

③ وہ عرش کے اوپر بھی ہے اور ذات کے اعتبار سے ہر جگہ بھی موجود ہے۔

④ کتاب وسنت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لئے وہی چیز ثابت کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ثابت کی ہے یا اس کے رسول نے اس کے متعلق نشاندہی کی ہے' اس میں کوئی تحریف وتاویل نہ کی جائے اور نہ ہی مخلوق کے مماثل قرار دیا جائے، اس عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر بلند ہے، آسمانوں کے اوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔

(مجموع الفتاوی ص ۲۲۹ ج۵)

برصغیر میں بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے اور وہ وحدت الوجود کو صحیح اور برحق قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ عقیدہ سراسر باطل ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو اس سے خارج ہوتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔'' (الحدید :٤)

اس آیت کریمہ میں دونوں مسئلے ثابت ہوئے کہ وہ اللہ ذات کے اعتبار سے اپنے عرش پر بلند ہے اور علم کے اعتبار سے ہر جگہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر ہے اور بنی آدم کے اعمال میں سے کوئی بھی اس پر مخفی نہیں ہے۔

(مسند امام احمد ص ۲۰۶، ج۱)

اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد اس کی ہمہ گیر نگرانی ہے اور وہ صرف روئے زمین سے متعلق نہیں بلکہ کائنات میں ہر اعتبار سے ہر جگہ موجود رہتی ہے، انسانوں کے تمام اقوال وافعال اور ان کی تمام حرکات وسکنات اس کے علم میں ہیں نہ کوئی اللہ سے چھپ سکتا ہے اور نہ ہی اپنے افعال کو اس سے چھپا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ معیت اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں

بلکہ اس کی قدرت اور اس کے علم کے لحاظ سے ہوتی ہے، چنانچہ امام ابن جریر طبری مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اے لوگو! وہ اللہ تم پر گواہ ہے تم جہاں بھی ہو وہ تمہیں جانتا ہے وہ تمہارے اعمال، تمہارا اٹھکانا اور نقل وحرکت سب جانتا ہے اور وہ اپنے ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہے۔“ (تفسیر طبری ص ۱۲۵، ج۲۷)

امام احمد بن حنبل سے اللہ کی معیت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

اس سے اللہ کا علم مراد ہے، وہ عالم الغیب ہے، ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے وہ شاہد ہے، علام الغیوب ہے غیب جانتا ہے اور ہمارا رب تکییف کے بغیر عرش پر ہے۔

(شرح حدیث النزول ص:۷٤)

بہر حال اس بات پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص:٦٥٠، ج:١٧)

(٢٤) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾. [٧٥/ القيامة: ٢٣، ٢٢]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اس دن کئی چہرے پُر رونق اور تر وتازہ ہوں گے اور اپنے رب سے محو دیدار ہوں گے۔“

امام بخاری نے صفات کے متعلق چوتھا مسئلہ ثابت کرنے کے لئے یہ عنوان قائم کیا ہے، وہ مسئلہ اہل ایمان کے لئے قیامت کے دن رؤیت باری تعالیٰ کا ہے سلف صالحین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار صرف اہل ایمان کو نصیب ہوگا۔ جبکہ کفار اس سعادت سے محروم ہوں گے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”خبردار! یہ لوگ اس دن اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔“ (المطففین: ١٥)

فاجر قسم کے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں نیک لوگ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے شرفیاب ہوں گے بصورت دیگر فریقین میں کوئی فرق نہیں رہے گا، حدیث میں ہے رسول ﷺ نے فرمایا: ”تم قیامت کے دن اپنے رب کو کھلی

آنکھ سے دیکھو گے۔" (صحیح بخاری التوحید: ۷۴۳۵)

امام بخاری نے مذکورہ آیت کریمہ سے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن وہ شخص سب سے افضل ہوگا جو اپنے رب کا ایک دن میں دو مرتبہ دیدار کرے گا پھر آپ نے مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر طبری ۱۹۱، ج:۲۹)

واضح رہے کہ اہل ایمان کو دیدار الٰہی کی یہ سعادت قیامت کے مختلف مراحل اور جنت میں داخلہ کے بعد حاصل ہوگی نیز اہل ایمان کا اپنے پروردگار کو دیکھنا حقیقی ہوگا البتہ ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے اللہ کی شان کے شایان جیسے اللہ چاہے گا اس کے مطابق ہوگا۔ کچھ لوگ یعنی معطلہ اور معتزلہ اس دیدار حقیقی کے منکر ہیں، وہ اس رؤیت سے مراد اللہ کے ثواب کی رؤیت مراد لیتے ہیں یا یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد رؤیت علم و یقین ہے حالانکہ یہ قول کتاب و سنت کی ظاہر نصوص کے خلاف ہے علم و یقین تو نیک لوگوں کو دنیا میں ہی حاصل ہے اور کفار کو بھی حاصل ہو جائے گا۔ (واللہ اعلم)

٧٤٣٤ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ وَهُشَيْمٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قَالَ: ((إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ فَافْعَلُوا)).

[راجع: ٥٥٤]

۷۴۳۴: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک آپ نے چودھویں رات چاند کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: "تم لوگ اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھتے ہو، تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پیل یا مشقت نہیں ہو گی۔ اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے قبل نمازوں میں سستی نہ کرو تو ایسا کرلو۔"

٧٤٣٥ـ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ يُوسُفَ الْيَرْبُوعِيُّ

۷۴۳۵: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ

قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا)). [راجع: ٥٥٤]

نے فرمایا: ''تم اپنے پروردگار کو صاف، صاف علانیہ کھلی آنکھ سے دیکھو گے۔''

٧٤٣٦ـ حَدَّثَنِي عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا بَيَانُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: ((إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ)). [راجع: ٥٥٤]

۷۴۳۶: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ چودھویں رات ہمارے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: ''تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے تم چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی مزاحمت نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی مشقت اٹھانا پڑے گی۔''

فوائد: مذکورہ بالا تینوں احادیث حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مختلف طرق سے مروی ایک ہی حدیث ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے ازخود بیان فرمایا کہ ''تم قیامت کے دن اپنے رب سے محو دیدار ہو گے۔'' جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مختلف واقعات ہیں کبھی آپ نے ازخود بتایا اور کبھی آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کرنے پر اس سے ہمیں مطلع فرمایا کہ ''اہل ایمان کو قیامت کے دن دیدار الٰہی نصیب ہوگا چنانچہ ایک حدیث میں صراحت ہے کہ تم میں سے کوئی بھی موت سے پہلے پہلے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھ سکے گا۔'' (صحیح مسلم' الفتن: ٢٩٣١)

امام بخاری نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ آیت کریمہ میں اپنے پروردگار کو کھلی آنکھ سے دیکھنے کا بیان ہے' اگرچہ لغوی اعتبار سے لفظ نظر چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

① غور وفکر کرنا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا۔'' (الغاشیہ : ١٧)

② انتظار کرنا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''وہ صرف ایک دھماکے کا انتظار کر رہے ہیں۔'' (یسین:٤٩)

③ رحم وکرم کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے:

''قیامت کے دن اللہ ان کی طرف نہیں دیکھے گا یعنی ان پر رحم وکرم نہیں کرے گا۔''

(آل عمران :٧٧)

④ کھلی آنکھوں سے دیکھنا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہ آپ کی طرف یوں دیکھتے ہیں جیسے کسی شخص پر موت کا دورہ پڑ رہا ہو۔''

(محمد: ٢٠)

امام بخاری کی پیش کردہ آیت کریمہ میں کھلی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے' پہلے تینوں معنی یہاں مراد نہیں ہیں۔ (فتح الباری ، ص: ٥٢٠ ،ج:١٣)

واضح رہے کہ مذکورہ احادیث میں تشبیہ باعتبار رؤیت کے ہے یعنی چاند کے دیکھنے کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ تشبیہ باعتبار مرئی کے نہیں ہے یعنی چاند کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شبیہ یا نظیر نہیں ہے' حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ رؤیت باری کے متعلق احادیث حد تواتر کو پہنچ جاتی ہیں۔(حادی الارواح ص: ٢٧٧)

ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم یقیناً اپنے پروردگار کو دیکھو گے اس رؤیت میں کوئی شک وشبہ یا محنت ومشقت نہ ہوگی اور نہ ہی اسے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ سامنے ہوگی بلکہ ہر اہل ایمان کھلی آنکھ سے اپنے رب کو اس طرح دیکھے گا جس طرح چودھویں رات کا چاند دیکھا جاتا ہے' اگرچہ رؤیت کے لئے ایک دوسرے کے سامنے ہونا اور آنکھ سے شعاعوں کا نکلنا جو مرئی پر پھیل جائے اور دیکھنے والے کی آنکھ میں مرئی کی صورت کا نقش ہونا ضروری ہے' تاہم یہ تمام شرائط عام اشیاء کے لئے ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے بالاتر ہے اور اس کے لئے اس شرائط کا ثابت کرنا محال ہے' بعض شارحین بخاری نے لکھا ہے کہ اللہ

تعالیٰ کی مذکورہ رؤیت جہت کے بغیر ہوگی کیونکہ وہ جہت سے پاک ہے' اس کلام کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت ہے دراصل' یہ فلاسفہ اور متکلمین' کے خیالات ہیں جنہیں ہمارے بعض شارحین نے اختیار کیا ہے' اللہ اور اس کے رسول کے فرمودات نہیں ہیں، ہم ایسی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ خود ساختہ اور دلوں کی تراشیدہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

٧٤٣٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِاللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّاسَ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللَّهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ: ((هَلْ تُضَارُّوْنَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟)) قَالُوا: لَا يَا رَسُوْلَ اللَّهِ! قَالَ: ((فَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ؟)) قَالُوْا: لَا يَا رَسُوْلَ اللَّهِ! قَالَ: ((فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذَلِكَ يَجْمَعُ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتْبَعْهُ فَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ الشَّمْسَ وَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ الْقَمَرَ وَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الطَّوَاغِيْتَ الطَّوَاغِيْتَ وَتَبْقَى هَذِهِ الْأُمَّةُ فِيْهَا شَافِعُوْهَا أَوْ مُنَافِقُوْهَا...... شَكَّ إِبْرَاهِيْمُ...... فَيَأْتِيْهِمُ اللَّهُ فَيَقُوْلُ: أَنَا رَبُّكُمْ

٧٤٣٧: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم قیامت کے دن اپنے رب سے محو دیدار ہوں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی دقت محسوس ہوتی ہے؟" لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ "جب بادل نہ ہوں تو تمہیں سورج دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے؟" لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً تم اسی طرح اپنے پروردگار کو دیکھو گے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اکٹھا کرے گا اللہ فرمائے گا جو کوئی جس کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے لگ جائے چنانچہ جو لوگ سورج کی عبادت کرتے تھے وہ سورج کے پیچھے لگ جائیں گے اور جو چاند کی پوجا کرتے تھے وہ چاند کے پیچھے لگ جائیں گے نیز جو بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ بتوں کے پیچھے لگ جائیں گے پھر یہ امت

فَيَقُوْلُوْنَ: هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا فَإِذَا جَاءَ نَا رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ. فَيَأْتِيهِمُ اللّٰهُ فِي صُوْرَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُوْنَ فَيَقُوْلُ: أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ: أَنْتَ رَبُّنَا فَيَتَّبِعُوْنَهُ وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ فَأَكُوْنُ أَنَا وَأُمَّتِي أَوَّلَ مَنْ يُجِيْزُهَا وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ! سَلِّمْ سَلِّمْ وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ هَلْ رَأَيْتُمُ السَّعْدَانَ؟)) قَالُوْا: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا قَدْرُ عِظَمِهَا إِلَّا اللّٰهُ تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمُ الْمُوبَقُ بِعَمَلِهِ وَمِنْهُمُ الْمُخَرْدَلُ أَوِ الْمُجَازَى أَوْ نَحْوُهُ.

باقی رہ جائے گی' اس میں سفارش کرنے والے یا نفاق رکھنے والے بھی ہوں گے (راوی حدیث ابراہیم کو الفاظ کے بیان کرنے میں شک ہوا ہے) پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔ وہ جواب دیں گے ہم یہیں رہیں گے تا آنکہ ہمارا رب ہمارے پاس آ جائے جب ہمارا رب آ جائے گا تو ہم اسے پہنچان لیں گے' چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جسے وہ پہنچانتے ہوں گے اور فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔ وہ اقرار کریں گے کہ ہاں تو ہمارا رب ہے پھر وہ اس کے پیچھے ہو جائیں گے' اس کے بعد دوزخ کی پشت پر پل صراط نصب کر دیا جائے گا تو میں اور میری امت اس پر سب سے پہلے گزریں گے' اس دن انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی شخص گفتگو کرنے کی ہمت نہیں رکھے گا'

ثُمَّ يَتَجَلّٰى حَتّٰى إِذَا فَرَغَ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ بِرَحْمَتِهِ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا مِمَّنْ أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَرْحَمَهُ مِمَّنْ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ

اس روز رسولوں کی زبان پر ہوگا' اے اللہ! سلامتی سے رکھ' اے اللہ! سلامتی سے رکھ' دوزخ میں سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکڑے ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے سعدان کا درخت دیکھا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ

إِلَّا اللَّهُ فَيَعْرِفُونَهُمْ فِي النَّارِ بِأَثَرِ السُّجُوْدِ تَأْكُلُ النَّارُ ابْنَ آدَمَ إِلَّا أَثَرَ السُّجُوْدِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُوْدِ فَيَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتُحِشُوْا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُوْنَ تَحْتَهُ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيْلِ السَّيْلِ ثُمَّ يَفْرُغُ اللَّهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَيَبْقَى رَجُلٌ مِنْهُمْ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ هُوَ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ فَإِنَّهُ قَدْ قَشَبَنِي رِيْحُهَا وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا فَيَدْعُو اللَّهَ بِمَا شَاءَ أَنْ يَدْعُوَهُ ثُمَّ يَقُوْلُ اللَّهُ هَلْ عَسَيْتَ إِنْ أُعْطِيْتُكَ ذَلِكَ أَنْ تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ فَيَقُوْلُ: لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ وَيُعْطِي رَبَّهُ مِنْ عُهُوْدٍ وَمَوَاثِيْقَ مَا شَاءَ فَيَصْرِفُ اللَّهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ فَإِذَا أَقْبَلَ عَلَى الْجَنَّةِ وَرَآهَا سَكَتَ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! قَدِّمْنِي إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اللَّهُ لَهُ: أَلَسْتَ قَدْ أَعْطَيْتَ عُهُوْدَكَ وَمَوَاثِيْقَكَ أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَ الَّذِي

نے فرمایا وہ آنکڑے سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے البتہ ان کے طول وعرض کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا' وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گے' ان میں سے کچھ تباہ ہونے والے ہوں گے یا اپنے اعمال سے جکڑے ہوئے ہوں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے یا انہیں بدلہ دیا جائے گا یا اس طرح کے اور الفاظ ذکر کئے پھر اللہ تعالیٰ تجلی فرمائے گا حتیٰ کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلے کر کے فارغ ہوگا اور اہل جہنم میں سے کسی کو اپنی رحمت سے باہر نکالنا چاہے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے انہیں دوزخ سے باہر نکال لیں یہ وہ لوگ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ اپنا رحم وکرم کرنا چاہے گا اور انہوں نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا ہوگا' فرشتے ایسے لوگوں کو سجدوں کے نشانات سے پہچان لیں گے' دوزخ' سجدوں کے نشانات کے علاوہ ابن آدم کے ہر عضو کو جلا کر بھسم کر دے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر حرام کیا ہے کہ سجدوں کے نشانات کو جلائے۔ چنانچہ یہ لوگ دوزخ سے اس حال میں نکالے جائیں گے کہ وہ

أُعْطِيْتَ أَبَدًا؟ وَيْلَكَ يَا ابْنَ آدَمَ! مَا أَغْدَرَكَ فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ وَيَدْعُو اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ حَتَّى يَقُوْلَ: هَلْ عَسَيْتَ إِنْ أُعْطِيْتَ ذٰلِكَ أَنْ تَسْأَلَ غَيْرَهُ فَيَقُوْلُ: لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ وَيُعْطِي مَا شَاءَ مِنْ عُهُوْدٍ وَمَوَاثِيْقَ فَيُقَدِّمُهُ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَإِذَا قَامَ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ انْفَهَقَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَرَأَى مَا فِيْهَا مِنَ الْحَبْرَةِ وَالسُّرُوْرِ فَيَسْكُتُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ اللَّهُ: أَلَسْتَ قَدْ أُعْطِيْتَ عُهُوْدَكَ وَمَوَاثِيْقَكَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَ مَا أُعْطِيْتَ؟ فَيَقُوْلُ: وَيْلَكَ يَا ابْنَ آدَمَ! مَا أَغْدَرَكَ فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! لَا أَكُوْنَنَّ أَشْقَى خَلْقِكَ فَلَا يَزَالُ يَدْعُو حَتَّى يَضْحَكَ اللَّهُ مِنْهُ فَإِذَا ضَحِكَ مِنْهُ قَالَ لَهُ: ادْخُلِ الْجَنَّةَ فَإِذَا دَخَلَهَا قَالَ اللَّهُ لَهُ: تَمَنَّهْ فَسَأَلَ رَبَّهُ وَتَمَنَّى لَهُ حَتَّى إِنَّ اللَّهَ لَيُذَكِّرُهُ يَقُوْلُ: كَذَا وَكَذَا حَتَّى انْقَطَعَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ قَالَ اللَّهُ: ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ.

قَالَ عَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ وَأَبُو سَعِيْدٍ

جل بھن چکے ہوں گے پھر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا وہ اس کے نیچے سے اس طرح نکلیں گے جیسے دانہ سیلاب کے خس وخاشاک کے نیچے سے اُگتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلے سے فارغ ہوگا صرف ایک شخص باقی رہ جائے گا جس کا چہرہ دوزخ کی طرف ہوگا' یہ اہل جہنم میں سے آخری شخص ہوگا جسے سب کے بعد جنت میں داخل کیا جائے گا' وہ عرض کرے گا اے رب! میرا چہرا دوزخ سے پھیر دے کیونکہ اس کی گرم ہوا نے مجھے ہلاک کر دیا ہے، اور اس کے شعلوں نے مجھے جلا دیا ہے' پھر وہ اللہ سے اس وقت تک دعا کرتا رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر تجھے یہ دے دیا جائے تو کیا اس کے علاوہ کچھ مانگے گا؟ وہ عرض کرے گا' تیری عزت کی قسم! میں کوئی اور سوال نہیں کروں گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ دوزخ سے پھیر دے گا پھر جب وہ جنت کی طرف نگاہ کرے گا اور دیکھے گا تو جتنا عرصہ اللہ کو منظور ہوگا وہ خاموش رہے گا پھر وہ عرض کرے گا اے پروردگار! مجھے صرف جنت کے دروازے تک پہنچا دے' اللہ تعالیٰ فرما۔

الْـخُـدْرِيُّ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يَرُدُّ عَلَيْهِ مِـنْ حَـدِيْثِهِ شَيْئًا حَتَّى إِذَا حَدَّثَ أَبُو هُـرَيْرَةَ أَنَّ الـلَّـهَ تَبَـارَكَ وَتَعَالَى قَالَ: ((ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ)). [راجع: ٨٠٦]

گا کیا تو نے عہد پیمان نہیں کیا تھا کہ جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے اس کے علاوہ تو کچھ نہیں مانگے گا' افسوس اے ابن آدم! تو کس قدر عہد شکن ہے؟ پھر وہ کہے گا اے رب! نیز اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا اگر میں نے تیرا یہ سوال پورا کر دیا تو کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی مانگے گا؟ وہ عرض کرے گا تیری عزت کی قسم! اس کے سوا کچھ اور نہیں مانگوں گا اور اللہ جو چاہے گا عہد وپیمان کرے گا ' چنانچہ اسے جنت کے دروازے تک پہنچا دیا جائے گا پھر جب وہ جنت کے دروازے پر کھڑا ہوگا تو جنت اسے سامنے نظر آئے گی اور وہ دیکھے گا کہ اس کے اندر کس قدر فرحت ومسرت کا سامان ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جتنی دیر چاہے گا وہ خاموش رہے گا پھر عرض کرے گا اب میرے پروردگار! مجھے جنت میں پہنچا دے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نے عہد وپیمان نہیں کیا تھا کہ میں نے جو کچھ دیا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں مانگے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابن ادم! افسوس تو کس قدر وعدہ خلاف ہے وہ عرض کرے گا اے پروردگار! میں تیری مخلوق میں زیادہ بد بخت نہیں ہوں وہ ہمیشہ اللہ کو پکارتا رہے گا اور

مسلسل دعا کرتا رہے گا یہاں تک اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں پر ہنس دے گا' جب ہنس دے گا تو فرمائے گا تو جنت میں داخل ہو جا، جب وہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو اسے فرمائے گا کہ اپنی تمنائیں بیان کر' چنانچہ وہ اپنی تمام خواہشات بیان کرے گا اور اللہ سے مانگے گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ اسے یاد دلائے گا اور فرمائے گا فلاں فلاں چیز کی تمنا کرحتیٰ کہ اس کی تمام آرزوئیں ختم ہو جائیں گی' اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے یہ اور اس کے ساتھ اتنا اور دیا جائے گا۔

٧٤٣٨ـ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ: ((وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ مَعَهُ)) يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: مَا حَفِظْتُ إِلَّا قَوْلَهُ: ((ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ)) قَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ: أَشْهَدُ أَنِّي حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَوْلَهُ: ((ذٰلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ)) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَذٰلِكَ الرَّجُلُ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ. [راجع: ٢٢]

۷۴۳۸: حضرت عطاء بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ان کی بیان کردہ حدیث کا کوئی حصہ رد نہیں کرتے تھے البتہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یہ بیان کیا کہ ''تجھے یہ اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور دیا۔'' تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ فرمایا: ''تجھے یہ اور اس کے ساتھ دس گنا اور دیا۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے تو رسول اللہ ﷺ کا یہی فرمان یاد رکھا ہے کہ تیرے لئے یہ اور اس

کے ساتھ اتنا اور دیا۔'' اس پر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لازمی یاد رکھا ہے کہ ''تجھے یہ اور اس کے ساتھ دس گناہ اور ملے گا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ شخص جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوگا:

فوائد: اس روایت میں دو جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لفظی اختلاف اپنے اپنے سماع کے مطابق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد دفعہ حدیث بیان کی ہوگی، ہر صحابی نے اپنی اپنی شنید کے مطابق اسے بیان کیا ہے اتفاق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک فضل کی خبر دی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے پھر اپنے فضل و کرم اور احسان و امتنان کے طور پر اس میں دس گناہ اضافہ کر دیا جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت میں ہے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا۔ (واللہ اعلم)

امام بخاری نے ان احادیث سے اہل ایمان کے لئے دیدار الٰہی کو ثابت کیا ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ کا دیدار جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر اور بڑی نعمت ہوگا اور اس دیدار میں کچھ ایسا سرور اور کیف ہوگا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اہل جنت کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا جنتی کسی اور نعمت کی طرف نہیں دیکھیں گے بلکہ ٹکٹکی باندھے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف دیکھتے رہیں گے چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اعلان فرمائے گا۔ میں تمہیں ان نعمتوں سے بڑھ کر کچھ اور بھی دینے والا ہوں اہل جنت کہیں گے اے اللہ! کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کیے۔ کیا تو نے جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل نہیں کر دیا تو اب کون سی کمی رہ گئی ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنا حجاب ہٹا دے گا اور اپنے دیدار سے مشرف کرے گا۔ اہل جنت کو جو کچھ بھی ملا ہوگا ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب انہیں اللہ کی طرف دیکھنا ہوگا۔

(صحیح مسلم، الایمان :٤٤٩)

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

''جن لوگوں نے اچھے کام کیے ان کے لئے بہترین بدلہ ہوگا اور اس سے مزید بھی ملے گا۔'' (یونس:٢٦)(صحیح مسلم الایمان :٤٥٠)

لیکن جہمیہ اور معتزلہ نے دیدار الٰہی سے متعلق آیات واحادیث کی تاویل کی ہے' ان عقل پرستوں کے ہاں اس طرح دیدار الٰہی کے وقت اللہ تعالیٰ کے لئے ایک مخصوص جہت متعین کرنا پڑے گی جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات جہات وحدود سے پاک ہے' ہم ان سے کہتے ہیں کہ آپ کو صفات الٰہی کو اپنی عقل کے مطابق کرنے کا کس نے پابند کیا ہے؟ یہ بات آپ کے بس میں نہیں ہے' اس میں عقل عیار کو کوئی دخل نہیں ہے' لہٰذا اس میں بے جا مداخلت نہ کی جائے' درست اور صحیح راستہ یہی ہے کہ جو بات اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے اسے جوں کا توں تسلیم کر لیا جائے' صفات الٰہی میں انسانی عقل کی مداخلت سے گمراہی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس بڑی نعمت سے ضرور سرفراز فرمائے گا سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کلام کیا تو اس میں اتنی لذت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان لمحات کو طویل تر کرنے کی کوشش کی۔ دیدار الٰہی میں تو بہر حال سماعت سے بہت زیادہ لذت ہونا یقینی ہے البتہ فاسق اور فاجر لوگ اس نعمت سے محروم ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''اتیان'' یعنی قیامت کے دن بندوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا آنا بھی ثابت ہے' اس صفت کے اثبات پر بھی سلف صالحین کا اجماع ہے لیکن اہل بدعت نے اس صفت کی دوراز کار تاویلات کی ہیں انہیں چاہیے کہ ان صفات کو بلاتحریف وتعطیل اور بلاتکیف وتمثیل ثابت کریں، اور اس کی حرکت کو مخلوق کی حرکت سے تشبیہ نہ دیں بلکہ اس سے مراد حقیقی آنا تسلیم کریں جو اس کی شان کے شایان ہے، اسی طرح اس حدیث میں اللہ کی صفت ''ضحک'' بھی ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ہنسنا بھی برحق ہے جس کی تاویل کرنا غلط ہے چنانچہ معطلہ نے اس کی تاویل ثواب دینے سے کی ہے۔ لیکن ایسی تاویلات ظاہر نصوص کے خلاف ہیں' لہٰذا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی

ہنسا مراد ہے جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے' سلف صالحین کا موقف ہے کہ ایسی صفات کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے بلا چون و چرا تسلیم کیا جائے اور اس کے متعلق کوئی تاویل نہ کی جائے۔

٧٤٣٩۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ زَيْدٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: ((هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ إِذَا كَانَتْ صَحْوًا؟)) قُلْنَا: لَا قَالَ: ((فَإِنَّكُمْ لَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ يَوْمَئِذٍ إِلَّا كَمَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَتِهَا)) ثُمَّ قَالَ: ((يُنَادِي مُنَادٍ لِيَذْهَبْ كُلُّ قَوْمٍ إِلَى مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ فَيَذْهَبُ أَصْحَابُ الصَّلِيبِ مَعَ صَلِيبِهِمْ وَأَصْحَابُ الْأَوْثَانِ مَعَ أَوْثَانِهِمْ وَأَصْحَابُ كُلِّ آلِهَةٍ مَعَ آلِهَتِهِمْ حَتَّى يَبْقَى مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ مِنْ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَغُبَّرَاتٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ثُمَّ يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ تُعْرَضُ كَأَنَّهَا سَرَابٌ فَيُقَالُ لِلْيَهُودِ: مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟ قَالُوا: كُنَّا نَعْبُدُ عُزَيْرَ ابْنَ

٧٤٣٩: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مطلع صاف ہونے پر تمہیں سورج اور چاند دیکھنے میں کوئی دقت محسوس ہوتی ہے؟'' ہم نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا: ''پھر تمہیں اپنے پروردگار کے دیدار میں کوئی تکلیف پیش نہیں آئے گی جیسے تمہیں سورج اور چاند دیکھنے میں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر ایک منادی کرنے والا اعلان کرے گا ہر قوم اس کے ساتھ ہو جائے جس کی وہ پوجا کیا کرتی تھی چنانچہ صلیب کے پجاری اپنی صلیب کے ساتھ بتوں کے پجاری اپنے بتوں کے ساتھ اور تمام معبودان باطلہ کی پوجا پاٹ کرنے والے اپنے معبودوں کے ساتھ چلے جائیں گے تا آنکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے نیک وبد اور بچے کھچے اہل کتاب باقی رہ جائیں گے، اس دوران جہنم ان کے سامنے

اللَّهِ فَيُقَالُ: كَذَبْتُمْ لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ صَاحِبَةٌ وَلَا وَلَدٌ فَمَا تُرِيدُونَ؟ قَالُوا: نُرِيدُ أَنْ تَسْقِيَنَا فَيُقَالُ: اشْرَبُوا فَيَتَسَاقَطُونَ فِي جَهَنَّمَ ثُمَّ يُقَالُ لِلنَّصَارَى: مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟ فَيَقُولُونَ: كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِيحَ ابْنَ اللَّهِ فَيُقَالُ: كَذَبْتُمْ لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ صَاحِبَةٌ وَلَا وَلَدٌ فَمَا تُرِيدُونَ؟ فَيَقُولُونَ: نُرِيدُ أَنْ تَسْقِيَنَا فَيُقَالُ: اشْرَبُوا فَيَتَسَاقَطُونَ فِي جَهَنَّمَ حَتَّى يَبْقَى مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ مِنْ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ فَيُقَالُ لَهُمْ: مَا يَحْبِسُكُمْ وَقَدْ ذَهَبَ النَّاسُ فَيَقُولُونَ: فَارَقْنَاهُمْ وَنَحْنُ أَحْوَجُ مِنَّا إِلَيْهِ الْيَوْمَ وَإِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِيَلْحَقْ كُلُّ قَوْمٍ بِمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ وَإِنَّمَا نَنْتَظِرُ رَبَّنَا)). قَالَ: ((فَيَأْتِيهِمُ الْجَبَّارُ فِي صُورَةٍ غَيْرِ صُورَتِهِ الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَبُّنَا فَلَا يُكَلِّمُهُ إِلَّا الْأَنْبِيَاءُ فَيَقُولُ: هَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ آيَةٌ تَعْرِفُونَهُ فَيَقُولُونَ: السَّاقُ فَيَكْشِفُ عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَيَبْقَى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ لِلَّهِ رِيَاءً وَسُمْعَةً فَيَذْهَبُ كَيْمَا

لائی جائے گی جو سراب کی طرح ہوگی پھر یہود سے پوچھا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے ہم اللہ کے بیٹے عزیر کی پوجا کرتے تھے انہیں جواب دیا جائے گا تم جھوٹے ہو۔ اللہ کی بیوی ہے نہ اولاد' اب تم کیا چاہتے ہو، وہ کہیں گے ہم پانی پینا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے سیراب کیا جائے ان سے کہا جائے گا جاؤ پانی پیو پھر وہ دوزخ میں گر پڑیں گے پھر نصاریٰ سے پوچھا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے ہم اللہ کے بیٹے مسیح کی پوجا کرتے تھے' ان سے کہا جائے گا تم جھوٹے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ ہی اس کی اولاد ہے' اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ جواب دیں گے ہم پانی سے سیراب ہونا چاہتے ہیں۔ ان سے کہا جائے گا جاؤ پیو وہ بھی دوزخ میں گر پڑیں گے یہاں تک کہ اللہ کی عبادت کرنے والے نیک وبد باقی رہ جائیں گے۔ ان سے کہا جائے تمہیں یہاں کس چیز نے روک رکھا ہے؟ جبکہ باقی سب لوگ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ جا چکے ہے۔ وہ جواب دیں گے ہم دنیا میں ان سے ایسے وقت جدا ہو گئے تھے کہ ہمیں ان سے

يَسْجُدَ فَيَعُوْدُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَاحِدًا ثُمَّ يُؤْتَى بِالْجَسْرِ فَيُجْعَلُ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللَّهِ! وَمَا الْجَسْرُ؟ قَالَ: ((مَدْحَضَةٌ مَزِلَّةٌ عَلَيْهِ خَطَاطِيفُ وَكَلَالِيبُ وَحَسَكَةٌ مُفَلْطَحَةٌ لَهَا شَوْكَةٌ عُقَيْفَةٌ تَكُوْنُ بِنَجْدٍ يُقَالُ لَهَا: السَّعْدَانُ الْمُؤْمِنُ عَلَيْهَا كَالطَّرْفِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيْحِ وَكَأَجَاوِيْدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ وَنَاجٍ مَخْدُوْشٌ وَمَكْدُوْشٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ حَتَّى يَمُرَّ آخِرُهُمْ يُسْحَبُ سَحْبًا فَمَا أَنْتُمْ بِأَشَدَّ لِي مُنَاشَدَةً فِي الْحَقِّ قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِ يَوْمَئِذٍ لِلْجَبَّارِ وَإِذَا رَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ نَجَوْا فِي إِخْوَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا إِخْوَانُنَا كَانُوا يُصَلُّوْنَ مَعَنَا وَيَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَيَعْمَلُوْنَ مَعَنَا فَيَقُوْلُ اللَّهُ اذْهَبُوْا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِيْنَارٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجُوْهُ وَيُحَرِّمُ اللَّهُ صُوَرَهُمْ عَلَى النَّارِ فَيَأْتُوْنَهُمْ وَبَعْضُهُمْ قَدْ غَابَ فِي النَّارِ إِلَى قَدَمِهِ وَإِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ فَيُخْرِجُوْنَ مَنْ عَرَفُوا ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ فَيَقُوْلُ: اذْهَبُوْا فَمَنْ وَجَدْتُمْ

مفادات کے پیش نظر ان کی زیادہ ضرورت تھی یعنی ہم دنیا میں ان کے ساتھ نہ تھے اور آخرت میں بھی ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے ۔اس دوران ہم نے ایک منادی کو اعلان کرتے ہوئے سنا کہ ہر شخص اس کے ساتھ چلا جائے جس کی وہ عبادت کرتا تھا ہم تو اپنے رب کی عبادت کرتے تھے اس لئے ہم اس کے منتظر ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اللہ جبار ان کے سامنے اس صورت کے علاوہ دوسری صورت میں آئے گا جس میں انہوں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا ہوگا وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے واقعی تو ہمارا رب ہے اس دن حضرت انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور کوئی اللہ سے گفتگو نہیں کرے گا، اللہ فرمائے گا کیا تمہیں اپنے رب کی کوئی نشانی معلوم ہے جس کے ذریعے تم اسے پہچان سکو؟ وہ کہیں گے پنڈلی ذریعہ شناخت ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دے گا تو ہر کوئی اس کے حضور سجدہ ریز ہو جائے گا صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو صرف ریا کاری اور شہرت کے لئے اسے سجدہ کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی پشت ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی پھر پل

فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ نِصْفِ دِينَارٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ مَنْ عَرَفُوا ثُمَّ يَعُودُونَ فَيَقُولُ: اذْهَبُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ مَنْ عَرَفُوا)) قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَإِنْ لَمْ تُصَدِّقُونِي فَاقْرَءُوا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا﴾ [٤/ النساء: ٤٠] ((فَيَشْفَعُ النَّبِيُّونَ وَالْمَلَائِكَةُ وَالْمُؤْمِنُونَ فَيَقُولُ الْجَبَّارُ: بَقِيَتْ شَفَاعَتِي فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ أَقْوَامًا قَدِ امْتُحِشُوا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرٍ بِأَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ: مَاءُ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ فِي حَافَتَيْهِ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ قَدْ رَأَيْتُمُوهَا إِلَى جَانِبِ الصَّخْرَةِ وَإِلَى جَانِبِ الشَّجَرَةِ فَمَا كَانَ إِلَى الشَّمْسِ مِنْهَا كَانَ أَخْضَرَ وَمَا كَانَ مِنْهَا إِلَى الظِّلِّ كَانَ أَبْيَضَ فَيَخْرُجُونَ كَأَنَّهُمُ اللُّؤْلُؤُ فَيُجْعَلُ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِيمُ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيَقُولُ أَهْلُ الْجَنَّةِ: هَؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمَنِ أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوهُ فَيُقَالُ لَهُمْ: لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلَهُ

صراط لایا جائے گا اور اسے جہنم کی پشت پر رکھ دیا جائے گا۔" ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! پل صراط کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: "وہ گرنے اور پھسلنے کا مقام ہے اور اس پر لوہے کے نوک دار آنکڑے اور کانٹے ہوں گے۔ وہ لوہے کے کنڈے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹوں کی طرح ہوں گے جو نجد میں پائی جاتی ہے' اس پر سے اہل ایمان چشم زدن میں اور بجلی کی مانند' ہوا کی تیز رفتاری کی مانند' اور گھوڑوں اور اونٹوں کی طرح گزر جائیں گے' ان میں سے کچھ صحیح سالم نجات پانے والے ہوں گے۔ جبکہ کچھ زخمی ہو کر بالآخر اسے عبور کر جائیں گے اور کچھ چھلنی ہو کر آگ میں گرنے والے ہوں گے حتیٰ کی آخری شخص خود کو گھسیٹ کر اسے پار کرے گا۔ تم لوگ آج کے دن اپنا حق لینے کے لئے جتنا تقاضا اور مطالبہ مجھ سے کرتے ہو اس سے کہیں زیادہ اس وقت مسلمان اللہ تعالیٰ سے تقاضا کریں گے جب وہ دیکھیں گے تو اپنے بھائیوں میں سے صرف انہیں نجات ملی ہے وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہمارے بھائی ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ

مَعَهُ﴾. [راجع: ۲۲]

نیک عمل کرتے تھے انہیں دوزخ سے نجات عطا فرما تو اللہ تعالیٰ انہیں کہے گا جاؤ جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی ایمان پاؤ اسے دوزخ سے نکال لاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو آگ پر حرام کر دے گا چنانچہ وہ آئیں گے اور دیکھیں گے کہ کچھ تو قدموں تک آگ میں غائب ہوں گے اور کچھ نصف پنڈلی تک دوزخ میں ہوں گے وہ جنہیں پہچان لیں گے انہیں وہاں سے نکال لیں گے پھر واپس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جاؤ اور جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ چنانچہ وہ جن کو پہچانتے ہوں گے ان کو وہاں سے نکال لائیں گے پھر وہ جب واپس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ وہ جنہیں پہچانیں گے انہیں وہاں سے نکال لائیں گے۔" حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم میری تصدیق نہیں کرتے تو یہ آیت کریمہ پڑھو۔

"اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرے گا اور اگر نیکی ہے تو اسے اپنے ہاں بڑھاتا ہے۔" (النساء: ٤٠)

”پھر انبیاء کرام رضی اللہ عنہم اہل ایمان اور فرشتے شفاعت کریں گے اس کے بعد اللہ کا ارشاد ہوگا اب خاص میری شفاعت باقی رہ گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ دوزخ سے ایک مٹھی بھرے گا اور ایسے لوگوں کو نکالے گا جو جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے پھر وہ جنت کے ایک کنارے پر واقع نہر میں ڈال دیئے جائیں گے جس کو آب حیات کہا جاتا ہے وہ نہر کے کنارے پر ایسے تازہ ہوں گے جس طرح دانہ سیلاب کے خس وخاشاک میں اگتا ہے تم نے یہ منظر کسی چٹان یا کسی درخت کے پاس دیکھا ہوگا جس پر دھوپ پڑتی رہتی ہو وہ سبزا ابھرتا ہے اور جس پر سایہ ہوتا ہے وہ سفید ابھرتا ہے وہ آب حیات سے اس طرح نکلیں گے جس طرح موتی چمکتا ہے اس کے بعد ان کی گردنوں پر مہر لگادی جائے گی کہ یہ لوگ خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں چنانچہ جب انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا تو اہل جنت انہیں ”عتقاء الرحمٰن“ کے نام سے یاد کریں گے‘ انہیں اللہ تعالیٰ نے اچھا عمل یا بھلا کام کیئے بغیر جنت میں داخل کیا ہے‘ ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جو تم دیکھتے ہو اور اتنا ہی مزید دیا جائے گا۔“

فوائد: اس حدیث کیآغاز سے ہی قیامت کے دن دیدار الٰہی کا ثبوت ملتا ہے رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کا دیدار کر سکیں گے تو آپ نے بڑی وضاحت سے مثال دے کر فرمایا کہ کسی قسم کی دقت یا رکاوٹ کے بغیر تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے جبکہ معتزلہ نے اس دیدار کا انکار کیا ہے اور قرآن وحدیث کی ظاہری نصوص کے متعلق تاویل کا سہارا لیا ہے ہمارے نزدیک قیامت کے دن اہل ایمان اپنی آنکھوں سے اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے اور اہل جنت کے لئے دیدار الٰہی سب سے بڑی نعمت ہوگی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل جنت، جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے تو اچانک ان کے سامنے ایک عظیم روشنی نمودار ہوگی وہ اپنے سروں کو اٹھا کر دیکھیں گے تو ان کے اوپر اللہ رب العزت جلوہ گر ہوں گے اللہ تعالیٰ اہل جنت سے کہیں گے اے جنت میں رہنے والو! السلام علیکم، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے۔

''مہربان پروردگار فرمائے گا تم پر سلامتی ہو۔'' (یٰسین: ۵۸)

پھر اللہ تعالیٰ اہل جنت کی طرف دیکھے گا اور اہل جنت اپنے پروردگار سے محو دیدار ہوں گے اہل جنت اللہ کے دیدار میں اس قدر مستغرق ہوں گے کہ وہ کسی اور نعمت کے طرف التفات ہی نہیں کریں گے یہاں تک اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر سے ہٹ جائے گا البتہ اس نور کے اثرات اور برکات ان پر اور ان کے گھروں میں باقی رہیں گے۔'' (ابن ماجه ، السنة :۱۸٤)

حضرت ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم سب قیامت کے دن الگ الگ اپنے پروردگار کو دیکھ سکیں گے؟ آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں؟'' میں نے دریافت کیا مخلوق میں اس کی کوئی علامت ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اے ابورزین کیا تم چودھویں رات کے چاند کو تنہائی میں نہیں دیکھتے ہو؟'' ابورزین نے عرض کیا کیوں نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ چاند تو اللہ کی ایک مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ تو بہت بلند اور عظمت والا ہے۔'' (ابوداود، السنة: ۴۷۳۱)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کا بھی ذکر ہے جسے دیکھ کر اہل ایمان اپنے رب کو

پہچان لیں گے گویا یہ پنڈلی ایک شناختی علامت ہے اسے ہم ظاہر پر محمول کرتے ہوئے مبنی برحقیقت تسلیم کرتے ہیں۔

اس حدیث سے درج ذیل آیت کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور انہیں سجدہ کے لئے بلایا جائے گا تو یہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔'' (القلم:٤٢)

بعض حضرات نے اس آیت کا ترجمہ بایں الفاظ میں کیا ہے''جس دن حقائق سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔'' اگرچہ اہل عرب ان الفاظ کو محاورے کے طور پر اس معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں لیکن ارشاد نبوی کے مقابلہ میں ایسے محاورہ کو ترجیح نہیں دی جا سکتی، رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کیسی ہے کیا یہ انسانوں کی پنڈلی کی طرح ہے یا اس کی کوئی صورت ہے؟ ہم ایسی باتوں کو معلوم کرنے کے مکلّف نہیں ہیں ہمارا کام صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے پنڈلی کا ذکر کیا ہے تو ہمیں اسے مبنی برحقیقت تسلیم کرنا چاہیے، اس کے آگے کیفیت معلوم کرنا یہ ہمارے بس کی بات نہیں اور نہ ہی ہم اس کے پابند ہیں۔

اس حدیث میں پل صراط کا بھی ذکر ہے کہ اس پر آنکڑے اور چوڑے چوڑے کانٹے ہوں گے ایک حدیث میں ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہو گا۔(مسند امام احمد ص ١١٠ ج ٦)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''سب لوگ دوزخ پر پہنچیں گے پھر اپنے اپنے اعمال کے لحاظ سے واپس ہوں گے پہلا گروہ بجلی کی چمک کی طرح نکل جائے گا دوسرا ہوا کی طرح، تیسرا گھوڑسوار کی طرح ،چوتھا اونٹ سوار کی طرح، پانچواں دوڑنے کی طرح اور چھٹا جیسے پیدل آدمی چلتا ہو۔''

(ترمذی' التفسیر :٣١٥٩)

البتہ صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پل صراط کے اوپر سے گزرنے والوں کی چار اقسام ہوں گی۔

① وہاں سے صحیح سالم گزرنے والے پھر لوگ تیزی سے گزرنے کے اعتبار سے چند اقسام

پر مشتمل ہوں گے۔

② زخمی حالت میں اسے عبور کرنے والے بعض کو ہلکے زخم آئیں گے کچھ چھل چھلا کر اسے پار کریں گے۔

③ کچھ لوگ زخموں کی تاب نہ لا کر جہنم میں گر پڑیں گے انہیں بعد میں ایمانی درجات کے پیش نظر نکالا جائے گا۔

④ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جنہیں ان کے اعمال اٹھا نہیں سکیں گے وہ گھسٹ گھسٹ کر اسے عبور کریں گے (شرح كتاب التوحيد ص ١٢٦ : ج ٢)

٧٤٤٠ـ وَقَالَ حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((يُحْبَسُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُهِمُّوا بِذَلِكَ فَيَقُولُونَ: لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلَى رَبِّنَا فَيُرِيحُنَا مِنْ مَكَانِنَا فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ آدَمُ أَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ وَأَسْكَنَكَ جَنَّتَهُ وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ لِتَشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا قَالَ: فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ قَالَ: وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ أَكْلَهُ مِنَ الشَّجَرَةِ وَقَدْ نُهِيَ عَنْهَا وَلَكِنِ ائْتُوا نُوحًا أَوَّلَ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ

۷۴۴۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن اہل ایمان کو ایک مقام پر روک لیا جائے گا جس کے باعث وہ غمگین اور پریشان ہوں گے اور کہیں گے کہ کاش ہم اپنے پروردگار کے حضور کوئی سفارش پیش کریں تا کہ وہ ہمیں اس پریشانی سے نجات دے چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور اس سے عرض کریں گے آپ حضرت آدم ہیں جو لوگوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا پھر جنت میں ٹھہرایا' آپ کے لئے اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا نیز آپ کو تمام اشیاء کے نام سکھائے' آپ ہماری رب کے حضور سفارش کریں کہ وہ ہمیں اس پریشانی سے نجات دے وہ جواب دیں گے میں تمہاری سفارش کرنے والا نہیں ہوں'

خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ سُؤَالَهُ رَبَّهُ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَكِنِ ائْتُوا إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَ الرَّحْمَنِ قَالَ: فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ: إِنِّي لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ ثَلَاثَ كَلِمَاتٍ كَذَبَهُنَّ وَلَكِنِ ائْتُوا مُوسَى عَبْدًا آتَاهُ اللَّهُ التَّوْرَاةَ وَكَلَّمَهُ وَقَرَّبَهُ نَجِيًّا قَالَ: فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ: إِنِّي لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ قَتْلَهُ النَّفْسَ وَلَكِنِ ائْتُوا عِيسَى عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولَهُ وَرُوحَ اللَّهِ وَكَلِمَتَهُ قَالَ: فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلَكِنِ ائْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ عَبْدًا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَأْتُونِي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فِي دَارِهِ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي فَيَقُولُ: ارْفَعْ مُحَمَّدُ! وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَ قَالَ: فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلَى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُ فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ)). قَالَ قَتَادَةُ: وَسَمِعْتُهُ أَيْضًا يَقُولُ: ((فَأُخْرِجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ

وہ اپنی خطا یاد کریں گے جو انہوں نے درخت کا پھل کھانے سے متعلق کی تھی حالانکہ آپ کو اس سے منع کیا گیا تھا وہ کہیں گے تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف معبوث کیا چنانچہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں تمہاری سفارش کرنے کے قابل نہیں ہوں اور وہ اپنی اس غلطی کو یاد کریں گے جو انہوں نے علم کے بغیر اللہ رب العزت سے سوال کر کے کی تھی وہ کہیں گے تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جو رحمٰن کے خلیل ہیں چنانچہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں بھی تمہاری سفارش کے اہل نہیں ہوں وہ ان تین باتوں کو یاد کریں گے جو بظاہر خلاف واقعہ تھیں اور کہیں گے تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ ایسے بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تورات دی ان سے گفتگو فرمائی نیز انہیں اپنے قریب کر کے ان سے راز و نیاز کی باتیں کیں۔ چنانچہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں وہ اپنی اس غلطی کو یاد کریں گے جو انہوں نے

ثُمَّ أَعُودُ الثَّانِيَةَ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فِي دَارِهِ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يَقُولُ: ارْفَعْ مُحَمَّدُ! وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَ قَالَ: فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلَى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ قَالَ: ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ)).

قَالَ قَتَادَةُ: وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: ((فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُودُ الثَّالِثَةَ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فِي دَارِهِ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يَقُولُ: ارْفَعْ مُحَمَّدُ! وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ: فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلَى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ قَالَ: ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ)) قَالَ قَتَادَةُ وَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: ((فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ حَتَّى مَا يَبْقَى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ قَالَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ

ایک آدمی کو قتل کر کے کی تھی وہ کہیں گے تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کی روح نیز اس کا کلمہ ہیں چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ فرمائیں گے میں اس لائق نہیں ہوں تم لوگ حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں اللہ تعالیٰ کے درِ دولت پر حاضری کی اجازت مانگوں گا مجھے اس کی اجازت دی جائے گی پھر میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہی اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا اللہ تعالیٰ جب تک وہ چاہے گا مجھے ایسی حالت میں رہنے دے گا پھر فرمائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ بات کہو اسے سنا جائے گا سفارش کرو تو قبول کی جائے گی اور سوال کرو وہ تمہیں دیا جائے گا چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس کی ایسی تعریف کروں گا جو اس وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا پھر میں سفارش کروں گا جس کے لئے ایک حد مقرر کی جائے گی اور میں اس کے مطابق لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔“ حضرت قتادہ نے

مَقَامًا مَحْمُوْدًا﴾ قَالَ وَهَذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الَّذِي وُعِدَهُ نَبِيُّكُمْ ﷺ.))

[راجع: ٤٤]

حضرت انس کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر میں نکالوں گا یعنی لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچاؤں گا پھر میں لوٹ آؤں گا اور اپنے پروردگار کے در دولت پر حاضر ہونے کی اجازت طلب کروں گا چنانچہ مجھے اجازت دی جائے گی، جب میں وہاں اپنے پروردگار کو دیکھوں گا تو پہلے کی طرح سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر جب پروردگار چاہے گا مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دے گا، اس کے بعد ارشاد ہوگا اے محمد! اپنا سر اٹھا اور بات کہو اسے سنا جائے گا، سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، جو سوال کرو گے وہ پورا ہوگا چنانچہ میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کروں گا جو اس وقت پروردگار مجھے تعلیم دے گا پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لئے ایک اور حد مقرر کر دی جائے دی جائے گی تو میں اس کے مطابق لوگوں کو وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں خود وہاں سے نکل کر لوگوں کو جہنم سے نکالوں گا اور انہیں جنت میں داخل کروں گا پھر میں تیسری مرتبہ وہاں سے لوٹ کر آؤں گا

اور اپنے رب سے اس کے درِ دولت پر حاضری کے لیے اجازت چاہوں گا چنانچہ مجھے اجازت دی جائے گی اور اپنے رب العزت کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دے گا پھر ارشاد ہو گا اے محمد ! سر اٹھاؤ بات کہو اسے سنا جائے گا اور سفارش کرو اسے قبول کیا جائے گا' سوال کرو تمہیں دیا جائے گا پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے پروردگار کی ایسی حمد وثنا کروں گا جو اس وقت وہ مجھے سکھائے گا اس کے بعد میں سفارش کروں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں اس کے مطابق لوگوں کو نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔'' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر میں وہاں سے نکل کر لوگوں کو جہنم سے نکالوں گا اور انہیں جنت میں داخل کروں گا اور عرض کروں گا: پروردگار! اب تو دوزخ میں وہی لوگ باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے قرآن کے مطابق جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت فرمایا:

''عین ممکن ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو

مقام محمود پر فائز کر دے۔'' (الاسراء:۷۹)
پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی مقام محمود ہے جس کے متعلق تمہارے نبی ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

فوائد: اس حدیث کے مطابق مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے جیسا کہ خود آپ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے مقام محمود کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے مراد مقام شفاعت ہے۔'' (ترمذی التفسیر:۳۱۳۷)

مجموعی طور پر اس سے مراد ایسا مرتبہ ہے کہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے لگیں گے چنانچہ سفارش کے وقت بھی رسول اللہ ﷺ کی تعریف جاری ہو جائے گی، مقام محمود کی اور بھی توجیہات ہیں مثلاً: اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں آخری ایام کے دوران آپ کو وہ مقام عطا فرما دیا تھا کہ لوگ آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے دوسری یہ کہ جنت میں ایک بلند مقام ہے جس کا نام ہی مقام محمود ہے وہ آپ کو عطا کیا جائے گا اس شفاعت سے مراد شفاعت عظمیٰ ہے جو صرف رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے اگرچہ اختصار کی وجہ سے اس حدیث میں شفاعت عظمیٰ کا ذکر نہیں ہے چنانچہ بعض محدثین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کے آغاز اور اختتام میں مطابقت ناپید ہے کیونکہ ابتداء میں ہے کہ لوگ میدان محشر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں گے اور شفاعت کے طالب ہوں گے کہ ہمارا حساب کر دیا جائے ہم سخت کرب میں مبتلا ہیں اور اختتام میں جہنم سے لوگوں کو نکالنے کا ذکر ہے حافظ ابن حجر نے بھی اسے قوی اشکال قرار دیا ہے (فتح الباری ص:۴۳۷، ج:۱۱) شرح عقیدہ طحاویہ کے مصنف نے بھی اس پر اظہار تعجب کیا ہے کہ ائمہ کرام اس حدیث کو مختلف طرق سے ذکر کرتے ہیں لیکن شفاعت عظمیٰ اور باری تعالیٰ کے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے آنے کا ذکر نہیں کرتے حالانکہ اس حدیث سے مقصود شفاعت عظمیٰ اور اس کی تفصیل بیان کرنا ہے دراصل ائمہ کرام کا مقصود معتزلہ اور خوارج کی تردید تھا جو کہتے ہیں کہ اہل کبائر دوزخ

سے نہیں نکل پائیں گے،، اس لیے انہوں نے صرف اس مضمون پر اکتفاء کیا ہے۔

(شرح عقیدہ طحاویہ ص:۲۵۵)

اس شفاعت کی تفصیل ''حدیث صور'' میں ہے جسے امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اس حدیث سے تمام اشکال دور ہو جاتا ہے اس کی سند اگرچہ ضعیف ہے تاہم دیگر شواہد کے پیش نظر مذکورہ اشکال کو دور کرنے کے لیے قابل حجت ہے۔ (شرح کتاب التوحید ص:۱۳۹، ج۲)

امام بخاری نے اس حدیث سے دیدار الٰہی کو ثابت کیا ہے جبکہ معتزلہ اسے تسلیم نہیں کرتے، اس حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے درِ دولت پر حاضری کے لیے اجازت طلب کریں گے اور جب آپ کو اجازت مل جائے گی تو اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر جائیں گے اس حدیث میں تین مرتبہ یہ ذکر ہوا ہے، معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کھلی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور اس کے حضور سجدہ کریں گے، جب آپ دیکھ سکیں گے تو دوسرے اہل ایمان کے لیے بالاولیٰ رب العالمین کو دیکھنا ثابت ہوا۔

(شرح کتاب التوحید، ص:۱۳۷، ج:۲)

٧٤٤١۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمِّي قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَرْسَلَ إِلَى الْأَنْصَارِ فَجَمَعَهُمْ فِي قُبَّةٍ وَقَالَ لَهُمْ: ((اصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوُا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنِّي عَلَى الْحَوْضِ)).

[راجع: ٣١٤٦]

۷۴۴۱: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کو پیغام بھیجا اور انہیں ایک ڈیرے میں جمع کیا پھر ان سے فرمایا: ''تم صبر کرو تا آنکہ تم (قیامت کے دن) اللہ اور اس کے رسول سے ملاقات کرو، میں اس وقت حوض کوثر پر ہوں گا۔''

٧٤٤٢۔ حَدَّثَنِي ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ

۷۴۴۲: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ

سُلَيْمَانَ الأَحْوَلِ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷠ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا تَهَجَّدَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ: ((اللَّهُمَّ! رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ أَنْتَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ الْحَقُّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ خَاصَمْتُ وَبِكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ)). قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: قَالَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ وَأَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ طَاوُسٍ قَيَّامٌ وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْقَيُّومُ الْقَائِمُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَأَ عُمَرُ: الْقَيَّامُ وَكِلَاهُمَا مَدْحٌ. [راجع: ١١٢٠]

جب رات کے وقت تہجد کی نماز پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے:

”اے اللہ! اے ہمارے رب! تیرے ہی لیے حمد وثنا ہے تو آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کو تھامنے والا ہے، تو آسمان و زمین اور جو ان کے درمیان ہیں سب کا پروردگار ہے، تو ہی ہر قسم کی تعریف کا سزاوار ہے اور تو آسمانوں وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کو روشن کرنے والا ہے تو سچا، تیرا کلام برحق، تیرا وعدہ مبنی بر حقیقت، اور تیری ملاقات بھی حقیقت ہے، جنت سچ، دوزخ برحق اور قیامت بھی حقیقت پر مبنی ہے۔ اے اللہ! میں نے تیرے حضور سر تسلیم خم کر دیا تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر ہی بھروسہ کیا، تیرے پاس ہی اپنے جھگڑے لے گیا اور تیری ہی مدد سے میں نے مقابلہ کیا۔ اے اللہ! مجھے معاف کر دے جو میں پہلے کر چکا ہوں اور جو بعد میں کروں گا اور وہ گناہ بھی جو چھپ کر کیے نیز وہ بھی جو علانیہ کیے اور وہ گناہ بھی بخش دے جنہیں تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔“

قیس بن سعد اور ابو الزبیر نے امام طاؤس کے حوالہ سے قیوم کے بجائے قیام بیان کیا

ہے امام مجاہد نے کہا قیوم وہ ہے جو ہر چیز کی نگرانی کرنے والا ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام پڑھا ہے، قیوم اور قیام دونوں مدح کے لیے ہیں۔

فوائد: ان احادیث میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا ذکر ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔ اس ملاقات سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جو برحق ہے اور اس کا انکار کرنے والے گمراہ اور بے دین ہیں اللہ تعالیٰ نے بیس سے زیادہ آیات میں اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے اہل سنت نے ان آیات سے دیدار الٰہی کو ثابت کیا ہے حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے ملاقات کرے گا اس کے اور پروردگار کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری ح ٧٤٤٣)

اللہ تعالیٰ نے اس ملاقات سے انکار اور تکذیب کو کفر قرار دیا ہے اس انکار کی موجودگی میں کوئی عمل کارگر نہیں ہوگا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا وہ میری رمت سے مایوس ہو چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔“ (العنکبوت:٢٣)

ایسے لوگوں کو رحمت الٰہی کی امید کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ وہ اس ملاقات کے قائل ہی نہیں ہیں لہٰذا وہ قیامت کے دن اللہ کی رحمت سے محروم اور مایوس ہی رہیں گے جبکہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کی توقع رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت جلد ہی آنے والا ہے۔“ (العنکبوت:٥) یعنی موت کے فوراً بعد اللہ کی رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لے گی یہ دونوں طرح کی آیات ایک دوسرے کا عکس ہیں۔

بہر حال امام بخاری نے اس حدیث سے دیدار الٰہی ثابت کیا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے امام ابن تیمیہ نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

”اور اللہ اہل ایمان پر بڑا مہربان ہے جس دن وہ اللہ سے ملاقات کریں گے۔ ان کا استقبال سلام سے ہوگا۔“ (الاحزاب:٤٢، ٤٣)

اہل لغت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ملاقات سے مراد روبرو ہونا اور ایک دوسرے کو کھلی آنکھ سے دیکھنا ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ص:٤٨٨ ج:٦)

واضح رہے کہ ملاقات میں دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے ایک تو چل کر دوسرے کی طرف جانا اور دوسرا اسے کھلی آنکھ سے دیکھنا جبکہ بعض اہل کلام نے اس ملاقات کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد اعمال کی جزا دینا ہے۔ یہ تاویل صحابہ کرام اور تابعین عظام کے مؤقف کے خلاف ہے کیونکہ قرآنی آیات میں ملاقات اور جزا کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''جس دن وہ اللہ سے ملاقات کریں گے تو ان کا استقبال سلام سے ہوگا اور اس نے ان کے لیے عمدہ اجر تیار کر رکھا ہے۔'' (الاحزاب:٤٤)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملاقات اور اجر کریم دو الگ الگ نعمتیں ہیں۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ تیرا وعدہ برحق، تیری ملاقات مبنی برحقیقت اور جنت و دوزخ بھی سچ ہیں۔ اس حدیث میں ملاقات اور جنت و دوزخ کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے اگر ملاقات سے مراد اللہ کی طرف سے جزا و سزا ہو تو اس کے بعد جنت و دوزخ کو الگ بیان کرنا چہ معنی دارد؟ کیونکہ جنت فرمانبردار لوگوں کی جزا اور جہنم نافرمانوں کے لیے بطورِ سزا ہے، بہرحال ان احادیث سے امام بخاری نے دیدارِ الٰہی پر استدلال کیا ہے جو آپ کی دقت فہم اور قوتِ استنباط کی بین دلیل ہے۔

واضح رہے کہ قیس بن سعد کی روایت کو امام مسلم اور ابوداؤد نے نیز ابوالزبیر کی روایت کو امام مالک نے مؤطا میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ (فتح الباری ص:٥٢٦، ج١٣)

غزوۂ حنین کے موقع پر مالِ غنیمت کی تقسیم پر کچھ انصار کو ملال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں تسلی دی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس تسلی کا بیان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے دن دو حوض ملیں گے ایک میدان محشر میں ہوگا جہاں سے فرشتے بعض مرتدین کو پانی پینے سے روک دیں گے اور دوسرا حوض جنت میں ہوگا، جبکہ معتزلہ نے حوض کا انکار کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

٧٤٤٣۔ حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ مُوْسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ وَلَا حِجَابٌ يَحْجُبُهُ)). [راجع: ١٤١٣]

۷۴۴۳: حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جس سے اس کا پروردگار کلام نہ کرے۔ کلام کرتے وقت اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی حجاب ہوگا جو اسے پردہ میں رکھے۔''

فوائد: مذکورہ حدیث ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام بخاری نے اختصار سے بیان کیا ہے اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

''تم میں سے ہر ایک ملاقات کے وقت اپنے پروردگار کے روبرو کھڑا ہوگا اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو ترجمانی کے فرائض انجام دے اللہ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے اپنے احکام پہنچانے کے لیے تیری طرف رسول نہیں بھیجا تھا؟ بندہ جواب دے گا کیوں نہیں اے میرے پروردگار! پھر اللہ فرمائے گا کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی رحمت کا فیضان نہیں کیا تھا؟ بندہ کہے گا کیوں نہیں، اس کے بعد بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اسے کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، اسی طرح بائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے علاوہ اسے کچھ دکھائی نہیں دے گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے آخر میں فرمایا: ''آگ سے بچو خواہ تمہیں کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کرنا پڑے۔ اگر کوئی کھجور کا ٹکڑا نہ دے سکے تو بھلی بات سے دوسرے کی راہنمائی کرے۔'' (صحيح بخاری، المناقب:٣٥٩٥)

امام بخاری نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کے وقت اہل ایمان اپنے رب کو دیکھیں گے اور اس کے کلام کو سنیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لیے پردے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنی مخلوق سے محجوب ہے لیکن اہل بدعت ان پردوں کا انکار کرتے ہیں حافظ ابن حجر نے ابن بطال سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد آنکھوں کی وہ آفت

ہے جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے مانع ہے اور رفع حجاب کا معنی یہ ہے اہل ایمان کی آنکھوں سے وہ آفت دور ہو جائے گی۔ (فتح الباری ص:٥٢١ ج١٣)

جبکہ متعدد احادیث سے اللہ تعالیٰ کے لیے پردوں کا ثبوت ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کے لیے نور کے پردے ہیں اگر وہ انہیں دور کر دے تو اس کے چہرے کی کرنیں انتہائے نظر تک ہر چیز کو بھسم کر دیں۔'' (صحیح مسلم، الایمان:٤٤٥)

امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''نقض تأسیس الجہمیہ'' میں ان دلائل کی خوب تردید کی ہے جو منکرین حضرات اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں وہ لائق مطالعہ ہے، ان نورانی پردوں کا وہی لوگ انکار یا تاویل کرتے ہیں جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔

٧٤٤٤۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ)). [راجع: ٤٨٧٨]

٧٤٤٤: حضرت عبداللہ بن قیس سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ''دو جنتیں ایسی ہوں گی جو خود اور ان کا ساز و سامان چاندی کا ہوگا اور دو جنتیں ایسی ہوں گی کہ وہ خود اور ان کا تمام ساز و سامان سونے کا ہوگا اور جنت عدن میں اہل جنت اور اللہ کے دیدار کے درمیان صرف کبریائی کی چادر حائل ہوگی جو ذات باری تعالیٰ کے چہرے پر ہوگی۔''

فوائد: ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں جنت کے متعلق بتائیں وہ کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ تو فرمایا: ''اس کی کچھ اینٹیں سونے کی اور کچھ چاندی کی ہیں، اس کا گارا بہترین کستوری، اس کی کنکریاں قیمتی جواہرات اور اس کی مٹی زعفران کی ہے۔'' (ترمذی:٢٥٢٦١)

یہ حدیث، پیش کردہ حدیث کے بظاہر معارض ہے، اس کا جواب بایں طور دیا گیا ہے کہ پہلی حدیث میں جنت کے برتنوں وغیرہ کا ذکر ہے جبکہ دوسری حدیث میں اس کی تعمیر اور

دیواروں کا بیان ہے۔(فتح الباری ، ص:۵۲۸، ج ۱۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کے آگے کبریاء کی چادر ہے وہ جب چاہے گا کہ اپنے بندوں کو دیدار سے مشرف کرے اس چادر کو منہ سے ہٹا دے گا پھر اہل جنت اپنے پروردگار سے محو دیدار ہوں گے۔ جبکہ بعض عقل پرست حضرات ان نورانی پردوں کا انکار کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ کبراء کی چادر متشابہات سے ہے کیونکہ درحقیقت وہاں نہ کوئی چادر ہے اور نہ ہی کوئی چہرہ اس لیے اس کی حقیقت کو اللہ کے سپرد کیا جائے یا وجہ کی تاویل ذات سے کی جائے اور رداء یعنی چادر اس ذات کی صفت ہے جو مخلوقات کی مشابہت سے پاک و صاف ہے۔(فتح الباری، ص:۵۲۹، ج:۱۳)

لیکن یہ تفویض یا تاویل ظاہر نصوص کے خلاف ہے، رسول اللہ ﷺ تمام اہل عرب سے زیادہ فصیح تھے، آپ ﷺ کی کلام کو ظاہری مفہوم سے پھیر کر کوئی دوسرا معنی مراد لینا فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے پھر ظاہر مفہوم سے ہٹ کر کوئی دوسرا مفہوم لینا اسکی دلیل چاہیے جبکہ ہمارے اسلاف نے اسے ظاہر معنی پر ہی محمول کیا ہے اور اسے مبنی بر حقیقت تسلیم کیا ہے۔(شرح کتاب التوحید:۱۶۱، ج ۲)

واضح رہے کہ جنت عدن میں اللہ کا دیدار بہت قریب سے ہوگا صرف نورانی پردے ہٹانے سے اللہ کا دیدار ہو سکے گا۔ واللہ اعلم۔

٧٤٤٥۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَعْيَنَ وَجَامِعُ بْنُ أَبِي رَاشِدٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنِ اقْتَطَعَ مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينٍ كَاذِبَةٍ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ)) قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِصْدَاقَهُ مِنْ

۷۴۴۵: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے جھوٹی قسم اٹھا کر کسی مسلمان کا مال ہتھیا لیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے بایں حالت ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہو گا۔" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کے طور پر درج ذیل

كِتَابِ اللَّهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ الْآيَةَ. [٣/ آل عمران: ٧٧] [راجع: ٢٣٥٦]

آیت کریمہ کو تلاوت فرمایا: ”بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض فروخت کر دیں تو ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے نہ تو کلام کرے گا، نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔“ (آل عمران: ۷۷)

٧٤٤٦ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ رَجُلٌ حَلَفَ عَلَى سِلْعَةٍ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا أَكْثَرَ مِمَّا أُعْطِيَ وَهُوَ كَاذِبٌ وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ كَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ فَيَقُولُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الْيَوْمَ أَمْنَعُكَ فَضْلِي كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَا لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ)). [راجع: ٢٣٥٨]

۷۴۴۶: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا ایک وہ جس نے کسی سامان کے متعلق قسم اٹھائی کہ اس نے اسے اتنے میں خریدا ہے حالانکہ وہ جھوٹا ہے دوسرا وہ جس نے عصر کے بعد جھوٹی قسم اس لیے اٹھائی کہ کسی مسلمان کا مال غصب کر سکے تیسرا وہ شخص جس نے ضرورت سے زائد پانی مانگنے والوں کو نہیں دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا آج میں تجھ سے اپنا فضل روک لیتا ہوں جس طرح تو نے زائد از ضرورت فالتو چیز سے دوسروں کو روکا جسے تیرے ہاتھوں نے بنایا

بھی نہیں تھا۔"

فوائد: اس حدیث میں کسی کے مال پر ناجائز قبضہ کرنے کی سنگینی بیان ہوئی ہے اگر چہ وہ مقدار میں تھوڑا ہی کیوں نہ ہو ایک حدیث میں ہے "جو انسان جھوٹی قسم اٹھا کر کسی کے مال کو غصب کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام اور جہنم کو واجب کر دیا ہے۔" لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر وہ معمولی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا: "اگر چہ وہ مسواک ہی کیوں نہ ہو۔" (معجم كبير طبراني ص: ٢١٠، ج ٢)

مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر چہ وہ مسواک ہو اگر چہ وہ مسواک ہو۔" (مستدرك حاكم ص: ٢٩٥، ج ٤)

دوسری حدیث کے مطابق زائد پانی کو روکنا بھی سخت جرم ہے، اس سے مراد وہ پانی ہے جس کا ظہور لوگوں کی کوشش اور ان کے اختیار سے نہ ہو جیسا کہ چشموں اور سیلاب کا پانی ہوتا ہے کنوؤں اور نہروں کا پانی مراد نہیں ہے کیونکہ یہ پانی لوگوں کی کوشش سے حاصل ہوتا ہے، اس کے روکنے میں چنداں حرج نہیں ہے۔

امام بخاری نے ان احادیث سے قیامت کے دن دیدار الٰہی کا ثبوت فراہم کیا ہے، کیونکہ ان کے مطابق کسی کے مال پر ناجائز قبضہ جمانے والا جب اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہو گا، یہ ملاقات دیکھنے اور روبرو ہونے کو متضمن ہے ہمارے اسلاف نے ملاقات کے لفظ سے دیدار الٰہی کے لیے دلیل لی ہے جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے حدیث میں آمدہ آیت کریمہ سے اس حدیث کی تفسیر بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اس سے ہم کلام ہونے اور اسے دیکھنے سے رکاوٹ کا باعث ہے اور اس کی رضامندی اللہ سے ہم کلام ہونے اور اس کے دیدار کا ذریعہ ہے، اس بناء پر ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسے اسباب کو عمل میں لائے جو اس کی رضا اور خوشی کا باعث ہوں اور ایسے اعمال سے گریز کرے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوں۔

آیت کریمہ میں جس دیکھنے کی نفی ہے اس سے مراد نظر رحمت ہے جو اللہ کی طرف سے احسان اور فیضان کا تقاضا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ایسے لوگوں سے ہم کلام نہ ہونا اور انہیں نظر

رحمت سے نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے جرائم پیشہ لوگوں کو سوال اور حساب و کتاب کے بغیر ہی جہنم میں دھکیل دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ان سے روگردانی کرنا اس پر مستزاد ہوگا قبل ازیں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ براہ راست گفتگو کرے گا اور درمیان میں کوئی ترجمان نہیں ہوگا لیکن مذکورہ احادیث میں بیان شدہ مجرم حدیث عدی رضی اللہ عنہ سے مستثنیٰ ہوں گے ان سے کلام نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ انہیں دیکھنا گوارا کرے گا۔

٧٤٤٧ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((الزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحَجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟)) قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ: ((أَلَيْسَ ذَا الْحَجَّةِ؟)) قُلْنَا: بَلَى قَالَ: ((أَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟)) قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ: ((أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ؟)) قُلْنَا: بَلَى قَالَ: ((فَأَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟)) قُلْنَا:

۷۴۴۷: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”زمانہ اپنی اس قدیم ہیئت پر گھوم کر آ گیا ہے جس روز سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے جن میں چار حرمت والے مہینے ہیں، تین مسلسل یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ایک رجب مضر جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان میں آتا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟“ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں آپ ﷺ خاموش رہے تا آنکہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟“ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ”یہ کونسا شہر ہے؟“ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول

اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ: ((أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟)) قُلْنَا: بَلَى قَالَ: ((فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ...... قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلَا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يَبْلُغُهُ أَنْ يَكُونَ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ)) فَكَانَ مُحَمَّدٌ إِذَا ذَكَرَهُ قَالَ: صَدَقَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ: ((أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)).

[راجع: ٦٧]

کو زیادہ علم ہے پھر آپ ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا بلدہ طیبہ (مکہ) نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کیا کیوں نہیں؟ پھر فرمایا: ''یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں پھر آپ ﷺ خاموش رہے تاآنکہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کیا کیوں نہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن کی حرمت اس مہینہ میں اور اس شہر میں ہے اور عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تمہارے متعلق تم سے ہی سوال کرے گا، دیکھنا تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ خبردار! جو شخص حاضر ہے وہ غائب کو یہ پیغام پہنچا دے ممکن ہے جن کو پیغام پہنچایا جائے وہ براہِ راست سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں۔'' چنانچہ راوی محمد بن سیرین

جب اس کا ذکر کرتے تو کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! میں نے پیغام پہنچا دیا، میں نے پیغام پہنچادیا۔''

فوائد: مشرکین مکہ اپنی مرضی سے مہینوں کو آگے پیچھے کر لیتے تھے، اسی طرح حرمت والے مہینے کو اپنے لیے حلال اور اس کی جگہ کسی دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دے لیتے، اس عمل کو نسیئ قرار دیا گیا قرآن کریم نے اس عمل کو کفر میں زیادتی کہا ہے حتیٰ کہ انہوں نے حرمت والے مہینوں کی تخصیص بھی ختم کر دی تھی وہ سال کے مطلق چار مہینوں کو حرام قرار دے لیتے رسول اللہ ﷺ نے جب حج کیا تو اتفاق سے تمام مہینے اپنے اصل حال پر لوٹ آئے تھے اور حج ذوالحجہ کے مہینہ میں ہی ہوا تھا حدیث کے آغاز میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے نیز رجب کو قبیلہ مضر کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ یہ قبیلہ اس مہینہ کا بہت احترام کرتا تھا چونکہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ سے ملنے کا ذکر ہے اس لیے امام بخاری نے اس سے دیدار الٰہی کو ثابت کیا ہے، آپ نے ان احادیث سے مختلف انداز میں رؤیت باری تعالیٰ کو ثابت فرمایا ہے جبکہ معتزلہ نے اپنی عقل کے بل بوتے پر اس کا انکار کیا ہے، اس سلسلہ میں کچھ آیات بھی پیش کی جاتی ہیں جن سے وہ بزعم خویش اپنا مدعیٰ ثابت کرتے ہیں اور اپنے انکار کے لیے جواز مہیا کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''نگاہیں اسے نہیں پا سکتی جبکہ وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔'' (الانعام:۱۰۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر اس آیت کو اسی مقصد کے لیے پیش کیا تھا۔ (ترمذی، تفسیر:۳۰۶۸)

بلاشبہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیا میں ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا ہے البتہ قیامت کے دن اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے ضرور محو دیدار ہوں گے جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے نیز اس آیت میں ''ادراک'' کی نفی ہے جس کا معنیٰ کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنا ہے البتہ رؤیت چیزے دیگر است۔

منکرین رؤیت ایک دوسری آیت بھی اپنی مقصد برآری کے لیے پیش کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔'' (الاعراف:۱۴۳) لیکن اس آیت سے بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ واقعی اس فانی دنیا میں اس فانی آنکھوں سے اس زندہ جاوید ہستی کا دیدار ناممکن ہے لیکن جب یہ فانی دنیا تبدیل ہو جائے گی اور انسانی قوی بالخصوص اس کی آنکھوں میں ایسی تبدیلی لائی جائے گی کہ وہ دیدار الٰہی کی متحمل ہوسکیں گی چنانچہ اخروی زندگی میں اہل ایمان کو اللہ کا دیدار نصیب ہونا بہت سی احادیث سے ثابت ہے چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

''امام دارقطنی نے رؤیت باری تعالیٰ سے متعلقہ احادیث بیس سے زیادہ جمع کی ہیں پھر امام ابن قیم نے حاوی الارواح میں ان کے تتبع میں تیس احادیث جمع کی ہیں، ان میں سے اکثر کی سندیں جید ہیں امام دارقطنی نے امام یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ رؤیت باری تعالیٰ سے متعلق میرے پاس سترہ صحیح احادیث موجود ہیں'' (فتح الباری، ص:۵۳۰، ج:۱۳)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اہل ایمان قیامت کے دن میدان محشر میں اپنے پروردگار کو ضرور دیکھیں گے پھر جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی دیدار الٰہی نصیب ہوگا جیسا متعدد متواتر احادیث سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو بایں طور دیکھیں گے جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں یا سورج کو دوپہر کے وقت دیکھا جاتا ہے۔ اللہ کو دیکھنے میں کوئی دقت یا مشقت محسوس نہیں ہوگی۔

(مجموع الفتاوی، ص:۴۸۵، ج:۶)

استاد محترم شیخ عبداللہ بن محمد الغنیمان نے منکرین رؤیت کے عقلی اور نقلی دلائل ذکر کیے ہیں پھر ان کا شافی جواب دیا ہے خوف طوالت سے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

(٢٥) بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾. [٧/ الاعراف: ٥٦]

ارشاد باری تعالیٰ "یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔"

صفات باری تعالیٰ کی دو اقسام ہیں۔ (۱) صفات ذاتیہ (۲) صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ سے مراد وہ صفات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا جیسے العلم، القدرہ، السمع، البصر، العلو اور العظمۃ وغیرہ۔

صفات فعلیہ سے مراد وہ صفات ہیں جن کا تعلق اللہ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہے وہ چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے جیسا کہ آسمان دنیا پر نزول فرمانا اور عرش پر مستوی ہونا۔

صفتِ رحمت کی بھی دو اقسام ہیں صفتِ ذات جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔" (الاعراف: ١٥٦)

صفت فعل، یہ صفت ذاتی رحمت کا نتیجہ ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جب کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم انہیں اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو پھر ہماری نشانیوں میں چالبازیاں شروع کر دیتے ہیں کہہ دیجئے! اللہ تعالیٰ تمہیں بہت جلد تمہاری چالبازیوں کا جواب دے دے گا۔" (یونس: ٢١)

مذکورہ آیت کریمہ میں رحمت کا اطلاق مخلوق پر ہوا ہے گویا امام بخاری کے ہاں رحمت سے مراد جنت ہے جو نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔ (واللہ اعلم)

٧٤٤٨۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ قَالَ: كَانَ ابْنٌ لِبَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ ﷺ يَقْضِي فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ أَنْ يَأْتِيَهَا فَأَرْسَلَ: ((إِنَّ

۷۴۴۸: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی کا بیٹا فوت ہو رہا تھا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو تشریف لانے کے لیے پیغام بھیجا رسول اللہ ﷺ نے

لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلٌّ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ)) فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ فَأَقْسَمَتْ عَلَيْهِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقُمْتُ مَعَهُ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَعُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ فَلَمَّا دَخَلْنَا نَاوَلُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ الصَّبِيَّ وَنَفْسُهُ تَقَلْقَلُ فِي صَدْرِهِ حَسِبْتُهُ قَالَ: كَأَنَّهَا شَنَّةٌ فَبَكَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ أَتَبْكِي فَقَالَ: ((إِنَّمَا يَرْحَمُ اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ)). [راجع: ١٢٨٤]

جواب بھیجا کہ "اللہ ہی کا تھا جو اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر شے ایک مقرر مدت تک کے لیے ہے انہیں چاہیے کہ صبر کریں اور ثواب کی طالب رہیں۔" صاحبزادی نے دوبارہ پیغام بھیجا اور آپ ﷺ کو قسم دی کہ ضرور تشریف لائیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ اٹھے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلا حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم بھی کھڑے ہوئے اور ساتھ روانہ ہوئے، جب ہم صاحبزادی کے گھر داخل ہوئے تو اہل خانہ نے بچہ کو رسول اللہ ﷺ کی گود میں دے دیا۔ اس وقت بچے کا سانس اکھڑ رہا تھا اور وہ پرانی مشک کی طرح تھا۔ رسول اللہ ﷺ بچے کی حالت دیکھ کر رو پڑے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ رو رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ رحم کرنے والے اپنے بندوں پر ہی رحم کرتا ہے۔"

فوائد: امام بخاری کا مقصد اس امر کو بیان کرنا ہے کہ بعض اوقات رحمت کا اطلاق مخلوق پر ہوتا ہے اور یہ اس رحمت کا نتیجہ ہوتا ہے جو رحمتِ صفت باری تعالیٰ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ ﷺ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ "یہ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہے جسے وہ اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اور اللہ بھی اپنے انہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو

رحم دل ہوتے ہیں۔" (صحیح بخاری التوحید:۷۳۷۷)

اگرچہ مذکورہ الفاظ پیش کردہ حدیث میں نہیں ہیں تاہم امام بخاری نے حسب عادت اسی حدیث کی طرف مذکورہ حدیث سے اشارہ کیا ہے۔

بلاشبہ رحمت الٰہی مخلوق بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا نتیجہ ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "وہی تو ہے جو اپنی رحمت سے پیشتر ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے۔" (الفرقان:٤٨)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"اللہ تعالیٰ نے ایک سو رحمت پیدا کی ہے صرف ایک رحمت کو اپنی مخلوق میں رکھا ہے باقی ننانوے رحمتیں اپنے پاس محفوظ رکھی ہیں۔" (صحیح مسلم، ص:٦٩ ج١٧)

حدیث میں جنت کو بھی رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، وہ جنت اہل ایمان سے بہت قریب ہے، جنت اور ان کے درمیان صرف موت حائل ہے جونہی ان کی ارواح اجسام سے پرواز کریں گی ان کا مقام اور ٹھکانہ جنت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو جنت الفردوس اور جنت عدن نصیب کرے۔

٧٤٤٩۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اخْتَصَمَتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ إِلَى رَبِّهِمَا فَقَالَتِ الْجَنَّةُ: يَا رَبِّ! مَا لَهَا لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ وَقَالَتِ النَّارُ يَعْنِي: أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِي وَقَالَ لِلنَّارِ أَنْتِ عَذَابِي

٧٤٤٩ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جنت اور دوزخ نے اپنے رب کے پاس جھگڑا کیا جنت نے عرض کیا اے میرے پروردگار! اس جنت کا کیا حال ہے کہ اس میں صرف کمزور لوگ اور گرے پڑے فقیر ہی داخل ہوں گے، دوزخ نے اللہ کے حضور عرض کیا اے میرے رب! میں تو منکرین کے لیے خاص کی گئی ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت

أُصِيبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْكُمَا مِلْؤُهَا قَالَ: فَأَمَّا الْجَنَّةُ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِنْ خَلْقِهِ أَحَدًا وَإِنَّهُ يُنْشِئُ لِلنَّارِ مَنْ يَشَاءُ فَيُلْقَوْنَ فِيهَا فَـ ﴿تَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ﴾ ثَلَاثًا حَتَّى يَضَعَ فِيهَا قَدَمَهُ فَتَمْتَلِئُ وَيُرَدُّ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ وَتَقُولُ قَطْ قَطْ قَطْ)).

[راجع: ٤٨٤٩]

ہے اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے، تیرے ذریعے میں جسے چاہوں گا عذاب دوں گا تم دونوں میں سے ہر ایک کو بھرنا ہے، جہاں تک جنت کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور دوزخ کے لیے جو چاہے گا موقع پر پیدا کر دے گا اور انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا اس کے بعد بھی دوزخ کہے گی الٰہی اور بھی گنجائش ہے تین بار ایسا ہوگا آخر کار پروردگار اپنا پاؤں اس میں رکھ دے گا تو وہ بھر جائے گی، اس کے کچھ حصے دوسروں سے مل جائیں گے اور وہ صدا کرے گی بس بس اور بس میں اب بھر گئی ہوں۔"

فوائد: اللہ کے حضور جنت اور دوزخ کا جھگڑنا حقیقت پر مبنی ہے، اللہ تعالیٰ ان میں شعور، تمیز اور قوت گویائی پیدا فرمائے گا۔ ایسا کرنا صرف جنت یا دوزخ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ پہاڑ بھی حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی صراحت ہے بلکہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لیکن ہم اس تسبیح کو سمجھنے سے قاصر ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"

"ساتوں آسمان، زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں بلکہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔" (الاسراء: ٤٤)

امام بخاری نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ بعض اوقات رحمت کا اطلاق مخلوق پر ہی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: "تو میری رحمت ہے۔" اور جنت اللہ تعالیٰ کی پیدا

کردہ ہے اور یہ اس رحمت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جنت اللہ کے مخلص اور نیکوکار بندوں کے بہت قریب ہے ایک روایت میں ہے کہ جنت میں بے شمار مخلوق کو داخل کرنے کے بعد بھی اس کی بہت جگہ بچ رہے گی تو اسے بھرنے کے لیے اللہ تعالیٰ موقع پر کوئی مخلوق پیدا فرمائے گا اور اسے جنت کے باقی ماندہ حصے میں ٹھہرائے گا۔ (صحیح بخاری: ۷۳۸٤)

امام بخاری نے کتاب التفسیر میں بھی انہی الفاظ سے اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کو بھرنے کے لیے وہاں کوئی مخلوق پیدا کرے۔ (صحیح بخاری، التفسیر: ٤٨٥٠)

لیکن پیش کردہ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھرنے کے لیے کسی مخلوق کو پیدا کرے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم بھرنے کا قاعدہ بایں الفاظ میں بیان کیا ہے:

"حق بات یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں کہ میں جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے بھر دوں گا جو تیری پیروی کریں گے۔" (ص: ٨٤، ٨٥)

اس آیت کریمہ کے پیش نظر علمائے امت نے مذکورہ حدیث بخاری کے متعلق دو مختلف موقف اختیار کیے ہیں، علامہ کرمانی اس حدیث بخاری کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو شخص گنہگار نہ ہو اس کو عذاب دینے میں کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر اسے عذاب دے تو عدل کے منافی نہیں، وہ جو چاہے کر سکتا ہے لیکن ہمیں اس موقف سے اختلاف ہے کیونکہ ایسا کرنا اس کی شانِ کریمی کے خلاف ہے، اس نے خود پر رحمت کو لازم کر لیا ہے (الانعام: ۵۴) وہ پروردگار کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرے گا (الکہف: ۴۹) البتہ انعام کی کچھ اور بات ہے وہ نافرمان پر کیا جا سکتا ہے لیکن غیر عاصی کو عذاب دینا کرم الٰہی کے لائق نہیں ہے۔

دوسرا موقف ہے کہ راویان حدیث سے خطا ہوئی ہے انہوں نے معاملہ الٹ کر کے بیان کیا ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ جنت کو بھرنے کے لیے موقع پر اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو پیدا کرے گا، لیکن راویوں نے سہواً جنت کے بجائے جہنم کا ذکر کر دیا ہے، حافظ ابن قیم نے اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ (حاوی الارواح، ص: ٢٩٥)

امام بخاری کا دفاع کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں متعدد مقامات پر یہ حدیث بیان کی ہے کہ جنت کے لیے اپنی مخلوق پیدا کرے گا جبکہ مذکورہ

روایت اس کے برعکس ہے کہ جہنم کے لیے موقع پر کوئی مخلوق پیدا کرے گا امام بخاری کا مقصد راویوں کے وہم کی نشاندہی کرنا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جب کسی راوی سے غلط بیانی ہو جائے تو صحیح روایات کو بیان کر کے اس کی غلطی کو واضح کرتے ہیں، اس مقام پر بھی ایسا ہوا ہے۔(منهاج السنة، ص:۲۵، ج۳)

ہمارا رجحان بھی یہ ہے کہ مذکورہ روایت میں قلب واقع ہوا ہے کیونکہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اقوام کی طرف سے رسولوں کی تکذیب کی بعد پہلے تمام حجت کرتا ہے پھر اصرار وانکار پر قیامت کے دن انہیں عذاب سے دوچار کرے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور ہم اس وقت عذاب نہیں دیا کرتے جب تک اپنا رسول نہ بھیج لیں۔“(الاسراء:۱۵)

نیز فرمایا کہ ”جب جہنم میں کوئی گروہ پھینکا جائے گا تو دوزخ کے محافظ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ ڈرانے والا تو ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے اسے جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کچھ نہیں اتارا تم ہی بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔“(الملك:۸، ۹)

بہرحال راویوں کی طرف وہم کی نسبت کرنا اس مؤقف سے کہیں آسان ہے کہ اسے اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی پر حرف آئے۔ واللہ اعلم۔

۷۴۵۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَيُصِيبَنَّ أَقْوَامًا سَفْعٌ مِنَ النَّارِ بِذُنُوبٍ أَصَابُوهَا عُقُوبَةً ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ يُقَالُ لَهُمْ: الْجَهَنَّمِيُّونَ))

۷۴۵۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کچھ لوگ ان گناہوں کی پاداش میں جو انہوں نے کیے ہوں گے آگ سے جھلس جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے فضل سے انہیں جنت میں داخل کرے گا ایسے لوگوں کو جہنمی کہا جائے گا۔“

وَقَالَ هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٦٥٥٩]

ہمام نے کہا ہمیں قتادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا مجھ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول

اللہ ﷺ کے حوالہ سے بیان کیا۔

فوائد: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایسے اہل ایمان دوزخ میں جائیں گے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ جہنم سے محض اپنے فضل وکرم سے نکالے گا تو شعلوں کی لپیٹ سے ان کے رنگ سیاہ ہو چکے ہوں گے پھر بطور علامت ان کی گردنوں میں علامت رہنے دی جائے گی اس وجہ سے اہل جنت ان کو جہنمی کہیں گے بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بالآخر ان کے اصرار پر اس علامت کو ختم کر دیا جائے گا، امام بخاری نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ وہ لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے تو جنت کا استحقاق نہیں رکھیں گے البتہ اللہ تعالیٰ انہیں محض اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل فرمائے گا ان کے کمزور ایمان کی وجہ سے اللہ کی رحمت ان کے قریب ہوگی، انہیں اللہ تعالیٰ وہاں سے نکال لے گا، اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت اس کی قدیمی صفت ہے البتہ اس رحمت کا تعلق ایسے لوگوں سے حادث ہوگا۔ (واللہ اعلم)

واضح رہے کہ مذکورہ روایت میں قتادہ راوی مدلس ہے اور اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ''عن'' سے روایت کی ہے۔ اس سے تدلیس کا شبہ ہوسکتا تھا اس لئے امام بخاری نے حدیث کے آخر میں ایک تعلیق بیان کر کے اس شبہ کو دور فرمایا ہے کیونکہ اس روایت میں قتادہ نے تحدیث کی صراحت کی ہے اس معلق روایت کو امام بخاری نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ (صحیح بخاری، الرقاق: ٦٥٥٩)

(٢٦) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا﴾ [٣٥/ فاطر: ٤١]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ کہیں سرک نہ جائیں۔''

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے الفاظ سے پورا نظام کائنات مراد لیا ہے اور یہ اس قدر پیچیدہ ہے کہ سائنس کے آئے دن انکشافات کے باوجود

محیر العقول بنا ہوا ہے یعنی نظام شمسی کے تمام سیارے فضا میں پوری قوت کے ساتھ گھومنے کے باوجود ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی رفتار میں کمی بیشی ہوتی ہے یہ باتیں انسان کو یہ اعتراف کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ اس نظام کو بنانے والی، جاری رکھنے والی، کنٹرول کرنے والی ہستی، انتہا درجہ کی دانشور، مدبر اور صاحب اختیار واقتدار ہے۔

امام بخاری اس عنوان سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ جس طرح صفات ذات سے متصف ہے اسی طرح صفات افعال سے بھی متصف ہے اور وہ اپنے افعال میں بااختیار ہے اگر چاہے تو کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے اور اللہ کے افعال دو طرح کے ہیں۔

① متعدی مثلاً: رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا اور پیدا کرنا وغیرہ۔

② لازم مثلاً: آنا، اترنا: قرار پکڑنا وغیرہ۔

اس عنوان سے مقصود جنس افعال کو اللہ کے لیے ثابت کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں "امساک" کی صراحت ہے اللہ تعالیٰ کے افعال بھی غیر مخلوق ہیں البتہ اس کا مخلوق سے تعلق حادث ہوتا ہے جبکہ معتزلہ اور جہمیہ کا مؤقف ہے کہ اللہ کے افعال بھی مخلوق ہیں قاتلھم اللہ۔

٧٤٥١۔ حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: جَاءَ حَبْرٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللَّهَ يَضَعُ السَّمَاءَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْأَرْضَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْجِبَالَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالشَّجَرَ وَالْأَنْهَارَ عَلَى إِصْبَعٍ وَسَائِرَ الْخَلْقِ عَلَى إِصْبَعٍ ثُمَّ يَقُولُ بِيَدِهِ: أَنَا الْمَلِكُ فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾. [٣٩/ راجع: ٤٨١١]

7451: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے محمد! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر زمین کو ایک انگلی پر، پہاڑوں کو ایک انگلی پر درخت اور نہروں کو ایک انگلی پر اور دیگر تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا، پھر اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں، اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس دیئے اور (بطور تصدیق) یہ آیت پڑھی: "اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ

اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔" (الزمر:٦٧)

فوائد: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی عنوان سے مطابقت بایں الفاظ بیان کی ہے کہ امام بخاری نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے الفاظ ہیں "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی سے روک لے گا اور زمینوں کو دوسری انگلی پر......"

(صحیح بخاری، التوحید: ٧٤١٤)

یعنی آیت اور حدیث میں آسمانوں اور زمین کو روک لینے کا ذکر ہے۔

(فتح الباری ص:٥٣٦، ج:١٣)

لیکن ہمارے نزدیک امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی ہیں جن سے باری تعالیٰ ازل سے ابد تک متصف ہے جیسا کہ سمع، بصر اور علم وغیرہ اور بعض صفات ایسی ہیں جو اللہ کی مشیت اور ارادہ پر موقوف ہیں ان میں سے امام بخاری نے ایک صفت کا ذکر کیا ہے کہ وہ زمین وآسمان کو تھامے ہوئے ہے پھر ایک وقت آئے گا کہ انہیں اپنی انگلیوں پر رکھ کر جھکا دے گا اور کہے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں آج متکبر اور جبار بادشاہ کہاں ہیں؟

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر انہیں حرکت دے گا جس طرح ایک بچہ گیند کو پکڑ کر اسے حرکت دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرجوش انداز میں اس کی منظر کشی کر رہے تھے حتیٰ کہ صحابہ کرام کو خطرہ محسوس ہوا مبادا آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے گر پڑیں۔

(تفسیر طبری، ص:٢٦ ج:٢٤)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان برسر عام کرتے تھے اور سامعین کو سمجھانے کے لیے عملی مظاہرہ بھی کرتے تھے جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صفات کا بیان عامۃ الناس میں نہ کیا جائے حالانکہ یہ موقف سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ کو یہودی عالم کے بیان کی تصدیق کے لیے تلاوت فرمایا کیونکہ اس آیت میں قیامت کے دن زمین وآسمان کی وہی کیفیت بیان ہوئی ہے جسے یہودی عالم نے اپنے انداز سے بیان کیا تھا (شرح کتاب التوحید، ص:٢٠٢، ج:٢)

(۲۷) بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْلِيقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَلَائِقِ

وَهُوَ فِعْلُ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَأَمْرُهُ فَالرَّبُّ بِصِفَاتِهِ وَفِعْلِهِ وَأَمْرِهِ وَكَلَامِهِ وَهُوَ الْخَالِقُ الْمُكَوِّنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَمَا كَانَ بِفِعْلِهِ وَأَمْرِهِ وَتَخْلِيقِهِ وَتَكْوِيْنِهِ فَهُوَ مَفْعُوْلٌ مَخْلُوْقٌ وَمُكَوَّنٌ.

آسمان وزمین اوران کے علاوہ دیگر مخلوقات کی تخلیق کا بیان

یہ، تخلیق اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کا امر ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی صفات، فعل، امر اور کلام کے سمیت خالق اور مکوّن ہے مخلوق نہیں اور جو کچھ اس کے فعل، امر، تخلیق اور تکوین کے سبب پیدا ہو، وہ مفعول، مخلوق اور مکوّن ہے۔

امام بخاری نے اس عنوان کے تحت کتاب التوحید کا پانچواں مسئلہ بیان کیا ہے جو اہل کلام کے ہاں مسئلہ تکوین کے نام سے مشہور ہے حافظ ابن حجر نے شارح بخاری علامہ ابن بطال کے حوالہ سے اس عنوان کی غرض بایں الفاظ بیان کی ہے کہ آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اللہ کی مخلوق ہے کیونکہ ان کا محکم انتظام کرنا اور انہیں روزی پہنچانا ایسے امور ہیں جو ان کے حادث ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور عقلاً بھی یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق نہیں اس اعتبار سے عقلاً ونقلاً یہ تمام کائنات اللہ کی مخلوق ہے، یہ کہنا سراسر بے بنیاد ہے کہ اس عالم کا خالق سات افلاک، ظلمت ونور یا عرش یا فطرت ہے، کچھ لوگ اس کائنات کو محض اتفاق پر محمول کرتے ہیں یہ سب گمراہ کن باتیں ہیں کیونکہ پیدا کرنے والے کے بغیر کسی چیز کا پیدا ہونا محال ہے جیسا کہ قرآن کریم سے اس کی تائید میں متعدد آیات پیش کی جاسکتی ہیں۔(فتح الباری ، ص:۵۳۸ ، ج ۱۳)

جبکہ عنوان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اس عنوان سے کچھ اور بیان کرنا چاہتے ہیں، ہمارے رجحان کے مطابق تخلیق اللہ کا فعل ہے اور کلمہ کن اللہ کا کلام ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اس کی صفات بھی قدیم ہیں نیز اس کے افعال بھی قدیم ہیں اگرچہ مخلوق کے ساتھ اس کا تعلق حادث ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جب مخلوق نہ تھی تو بھی خالق تھا، جبکہ کچھ

اہل کلام کا خیال ہے کہ اللہ کے افعال حادث ہیں کیونکہ اگر یہ قدیم ہوں تو مخلوق کا قدیم ہونا اس سے لازم آتا ہے، علمائے سلف سے اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ تکوین یعنی اللہ کے افعال قدیم ہیں لیکن ان کا مخلوق سے تعلق حادث ہے چنانچہ ازل میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلق تھی لیکن مخلوق کا وجود نہ تھا اللہ تعالیٰ صفت رزق سے متصف تھا لیکن کوئی مرزوق نہ تھا، اللہ کے جملہ افعال، اس کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علاوہ دیگر سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں۔

بہر حال امام بخاری نے اس عنوان سے اہل سنت کا مذہب ثابت کیا ہے کہ اللہ کی صفات خواہ ذاتی ہوں جیسے علم، قدرت یا فعلی ہوں جیسے خلق اور نزول وغیرہ یہ سب غیر مخلوق ہیں اور ان افعال کے نتیجہ میں جو اشیاء معرض وجود میں آئیں گی وہ مفعول اور مخلوق ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلمہ کن بھی غیر مخلوق ہے اور اس کلمہ کے نتیجہ میں جو کائنات پیدا ہوگی وہ مخلوق ہے واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی دو اقسام ہیں (۱) لازم (۲) متعدی

لازم سے مراد وہ افعال ہیں جن کا تعلق صرف باری تعالیٰ سے ہے مثلاً نزول اور آنا وغیرہ۔

متعدی سے مراد وہ افعال ہیں جن کا تعلق ذات باری کے علاوہ کسی اور سے بھی ہوتا ہے مثلاً: خلق اس کا تعلق مخلوق سے اور رزق کا تعلق مرزوق سے ہے اللہ تعالیٰ کے افعال خواہ لازم ہوں یا متعدی وہ اللہ کی صفات ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اس کی صفات بھی قدیم ہیں البتہ متعدی افعال کا تعلق جب مخلوق سے ہوتا ہے تو وہ تعلق حادث ہے۔ (واللہ اعلم)

٧٤٥٢ـ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بِتُّ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ لَيْلَةً وَالنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا لِأَنْظُرَ كَيْفَ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

۷۴۵۲: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا میں ایک رات حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہا اس رات رسول اللہ ﷺ بھی ان کے پاس موجود تھے۔ وہاں رات گزارنے کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی رات میں نماز دیکھنا تھا رسول اللہ ﷺ کچھ وقت تو

بِاللَّيْلِ فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ أَوْ بَعْضُهُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ [۳/ آل عمران: ۱۹۰] ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَنَّ ثُمَّ صَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى لِلنَّاسِ الصُّبْحَ.

[راجع: ۱۱۷]

اپنی زوجہ محترمہ سے محو گفتگو رہے پھر سو گئے جب رات کا آخری تہائی حصہ یا کچھ حصہ باقی رہ گیا تو آپ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی: ''بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور شب و روز کے باری باری آنے جانے میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔'' (آل عمران:۱۹۰) پھر اٹھ کر آپ نے وضو فرمایا اور مسواک کی، اس کے بعد گیارہ رکعت پڑھیں پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اذان دی تو رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت (سنت فجر) پڑھیں پھر باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔

فوائد: اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ جب نماز تہجد کے لیے اٹھے تو آپ نے زمین و آسمان کی تخلیق اور ان میں غور و فکر کرنے سے متعلق آیات تلاوت فرمائیں، امام بخاری نے انہی آیات سے اپنا عنوان ثابت کیا ہے جبکہ مادہ پرست حضرات کا خیال ہے کہ مادہ کے اجزاء باہم ملتے گئے اور کائنات کی ایک ایک چیز وجود میں آتی گئی ان کا کوئی خالق نہیں ہے، ہائیڈروجن کے ذرات ملنے سے سورج بن گیا اور وہ خود بخود گھومنے لگا پھر اس سے ایک حصہ کٹ کر علیحدہ ہوا تو وہ زمین بن گئی دیر تک یہ حصہ پڑا رہنے سے جب ٹھنڈا ہوا تو استعمال کے قابل زمین بن گئی، جب زمین نے گھومنا شروع کیا تو اس کا ایک حصہ کٹ کر علیحدہ ہوا تو وہ چاند بن گیا اور اسی طرح دوسرے سیارے وجود میں آتے گئے، اس طرح محض اتفاق سے کائنات کی ایک ایک چیز بن گئی پھر اتفاق سے یہ کائنات تباہ ہو جائے گی اور تباہی کے بعد پھر اجزاء ملنے شروع ہو جائیں گے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا جبکہ امام بخاری کو اس مؤقف

سے اتفاق نہیں ہے اس آیت میں اللہ کے فعل خلق کا ذکر ہے اور اس فعل کا نتیجہ آسمانوں اور زمین کا پیدا ہونا ہے جو مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے اور خلق اس کا فعل ہے جس سے وہ ازل سے متصف ہے اور اس فعل کا تعلق آسمانوں اور زمین سے حادث ہے، ان آیات میں ہے کہ عقل مند لوگ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ و بچار کرتے ہیں اور پکار کر عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔

بہر حال کائنات، کائنات کا خالق اور اس کائنات میں انسان کا مقام یہ تینوں ایسی چیزیں ہیں جن میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے، اگر ہم نے وحی الٰہی سے بے نیاز ہو کر ان کے متعلق سوچ و بچار کیا تو جگہ جگہ ٹھوکریں کھانے کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا، وحی الٰہی سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ہے جو اسے مستحکم نظام اور ٹھوس بنیادوں پر چلا رہا ہے اور یہ بے مقصد نہیں بلکہ ایک اہم مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا گیا اور وہ یہ ہے کہ کائنات کا مقصد انسان کی خدمت ہے اور انسان کو پیدا کرنے کا مقصد اللہ کی عبادت ہے اور عبادت کا مفہوم اس قدر وسیع اور جامع ہے کہ اس میں ہر طرح کے شرک کا رد، توحید کی اہمیت، قانون سزا و جزا، جنت و دوزخ بلکہ پوری کی پوری شریعت اس میں آ جاتی ہے۔

(۲۸) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى:

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ﴾ [۳۷/ الصافات: ۱۷۱]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ہمارے بندے جو رسول ہیں ان کے حق میں پہلے ہی حکم صادر ہو چکا ہے۔''

مضمون سے متعلق آیات حسب ذیل ہیں:

''اور ہمارے بندے جو رسول ہیں ان کے حق میں پہلے ہی حاکم صادر ہو چکا ہے کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔''

(الصافات:۱۷۱ تا ۱۷۳)

اس غلبہ سے مراد صرف سیاسی غلبہ ہی نہیں بلکہ اس سے مراد اخلاقی اقدار اور دین کی

اصولی باتوں کا غلبہ ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن قوموں نے حق کی مخالفت کی وہ بالآخر تباہ ہوگئیں مگر جن حقائق کو ہزارہا برس اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام پیش کرتے رہے وہ پہلے بھی اٹل تھے اور آج بھی اٹل ہیں، امام بخاری نے اس عنوان سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کلام ہے جو غیر مخلوق ہے اور اس صفت کا تعلق ذات سے بھی ہے اور افعال سے بھی، جب اس کا تعلق افعال سے ہوگا تب بھی یہ صفتِ قدیم ہوگی البتہ مخلوق سے اس کا تعلق حادث ہوگا چنانچہ مذکورہ آیات میں اللہ کے فیصلے اور کلام زمین وآسمان کی پیدائش سے پہلے کے ہیں، جیسا کہ آئندہ احادیث سے اس امر کی مزید وضاحت ہوگی، دراصل اہل سنت کی تائید میں امام بخاری کا یہ مؤقف ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے، یہ اور آئندہ ابواب بطور تمہید کے قائم کئے ہیں۔ (واللہ اعلم)

٧٤٥٣ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((لَمَّا قَضَى اللَّهُ الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي)). [راجع: ٣١٩٤]

٧٤٥٣: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو عرش کے اوپر اپنے پاس یہ لکھا کہ میری رحمت میرے غضب سے آگے بڑھ گئی ہے۔''

فوائد: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ وہ نوشتہ جو اللہ تعالیٰ نے کائنات کے پیدا کرنے سے پہلے لکھا تھا، اس میں یہ لکھا تھا کہ ہمارے بندے جو رسول ہیں اخلاقی اعتبار سے ضرور غالب رہیں گے، یہ نوشتہ انبیاء اور ان کی اقوام سے پہلے لکھا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ یعنی اس کی کلام غیر مخلوق ہے البتہ اس کا تعلق بندوں سے حادث ہے، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی مدد کرنا اس رحمت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رحمت اور غضب قدیم صفات ہیں اور دونوں صفات فعل سے ہیں صفات ذات سے نہیں ہیں اور دونوں فعلوں میں سے ایک کی دوسرے پر سبقت جائز ہے کیونکہ رحمت کا مقتضی ہے کہ دوسروں کو خیر و بھلائی سے دوچار کیا جائے جبکہ غضب بندے کی نافرمانی کے باعث وجود میں آتا ہے لہٰذا یہ دونوں

صفات فعل ہونے کے باوجود ایک کا دوسرے سے سبقت کرنا جائز ہے (واللہ اعلم)

٧٤٥٤ـ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ: ((أَنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا وَ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَهُ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَهُ ثُمَّ يُبْعَثُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيُؤْذَنُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ رِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَعَمَلَهُ وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى لَا يَكُوْنُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُ النَّارَ وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا)). [راجع: ٣٢٠٨]

۷۴۵۴: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جو صادق و مصدوق ہیں: ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس طرح ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن اور چالیس رات نطفہ جمع رہتا ہے پھر وہ اس طرح خون بستہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے پھر وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور اسے چار چیزوں کا حکم ہوتا ہے وہ اس کا رزق اس کی موت، اس کا عمل اور اس کا نیک یا بد ہونا لکھ لیتا ہے اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے، بے شک تم میں ایک اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر غالب آتی ہے اور وہ اہل جہنم کے سے عمل کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک شخص اہل جہنم کے سے عمل کرتا ہے یہاں تک اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر غالب آ جاتی ہے جس کی وجہ سے اہل جنت کے عمل کرنے لگتا ہے پھر وہ

جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔"

فوائد: انسان اپنی پیدائش سے قبل جن مراحل سے گزرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں بھی بیان کیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا پھر نطفہ کو لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا پھر بوٹی کو ہڈیاں بنایا پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اسے ایک اور ہی مخلوق بنا کر پیدا کر دیا پس بڑا با برکت ہے اللہ جو سب بنانے والوں سے بہتر بنانے والا ہے۔"

(المؤمنون:١٢ تا ١٤)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے اعمال و کردار پر مشتمل ایک تقدیر لکھی جاتی ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ کا علم اور اس کی قدرت بہت وسیع ہے اور اس نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے اور وہی اشیاء کی حقیقت ان کی پیدائش سے پہلے جانتا ہے نیز اس نے ہر چیز کو اپنے ہاں لکھ رکھا ہے آئندہ وقوع پذیر ہونے والے حوادث اس تقدیر کے مطابق ہوتے ہیں، اس حدیث میں جس تقدیر کے لکھنے کا ذکر ہے یہ اس نوشتہ تقدیر سے علیحدہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کائنات سے پہلے لکھ رکھا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمہارے نفوس کو پہنچتی ہے وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔" (الحدید:٢٢)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے کائنات میں ہونے والے واقعات کو تحریر کر لیا تھا۔" (صحیح مسلم، القدر:٦٧٤٩)

اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور واقعات کی تحریر انسان کے ارادہ اور اختیار کے منافی نہیں ہے بہر حال اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اہل سعادت کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ کی رحمت نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اندازہ ٹھہرا لیا اور اسے اپنے پاس لکھ لیا پھر عمل کی توفیق دی اور اس کے لیے اسباب اور ذرائع پیدا کیے گویا یہ تمام مراحل درج

ذیل آیت کا حصہ ہیں جسے امام بخاری نے بطور عنوان منتخب کیا ہے۔

''اور ہمارے بندے جو رسول ہیں ان کے حق میں پہلے ہی حکم صادر ہو چکا ہے کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔''

٧٤٥٥۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((يَا جِبْرِيلُ! مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا؟)) فَنَزَلَتْ: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ [١٩/ مريم: ٦٤] قَالَ: هَذَا كَانَ الْجَوَابَ لِمُحَمَّدٍ ﷺ.

[راجع: ٣٢١٨]

۷۴۵۵: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے جبرائیل علیہ السلام! آپ کو ہمارے پاس اس سے زیادہ مرتبہ آنے میں کیا رکاوٹ ہے جتنا آپ پہلے آتے رہتے ہیں؟'' تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

''ہم پروردگار کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے اسی کا ہے وہ سب کچھ جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے۔'' (مریم:۶۴)

آیت کریمہ میں مذکورہ جواب حضرت محمد ﷺ کے لیے نازل ہوا۔

فوائد: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو حالات وظروف کے مطابق اللہ کی طرف سے احکام کی شدید ضرورت تھی، جب حضرت جبرائیل کافی دیر بعد متعلقہ ہدایات لے کر آئے تو آپ نے حضرت جبرائیل سے کہا تم ہمارے پاس جیسے آیا کرتے ہو اس سے زیادہ دفعہ کیوں نہیں آتے تو اس وقت انہوں نے وضاحت فرمائی کہ ہم کوئی بااختیار مخلوق نہیں ہیں بلکہ اللہ کے حکم کے پابند ہیں جب ہمیں حکم ملتا ہے حاضر ہو جاتے ہیں، اس دیر میں بھی اللہ کی طرف سے مصلحتیں ہوتی ہیں، حدیث میں پروردگار کے حکم سے مراد اس کا اذن ہے جسے کلام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور یہ کلام باعتبار اصل صفت ذاتیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہے اور ہمیشہ متکلم رہے گا۔ لیکن باعتبار متعلق صفتِ فعلیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اس کی مشیت

کے تابع ہے جب چاہے جو چاہے کلام کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اتنا ہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ اس وقت ہو جاتی ہے۔'' (یسین:۸۲)

اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے البتہ تعلق کے اعتبار سے حادث ہے کیونکہ فرشتوں کو وقتاً فوقتاً ارشادات و احکام صادر ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ جب حضرت جرائیل کو زمین پر اترنے کا حکم دیتا ہے تو وہ اتر پڑتے ہیں اور حضرت جرائیل کا رسول اللہ ﷺ کی طرف اترنا اللہ کی طرف سے خیر و برکت کا پیش خیمہ ہوتا ہے یہی وہ فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء اور اہل ایمان کے لیے پہلے سے کیا ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

٧٤٥٦۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللَّهِ قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُوْلِ اللَّهِ ﷺ فِي حَرْثٍ بِالْمَدِيْنَةِ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى عَسِيْبٍ فَمَرَّ بِقَوْمٍ مِنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: سَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَسْأَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ فَسَأَلُوْهُ فَقَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى الْعَسِيْبِ وَأَنَا خَلْفَهُ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يُوْحَى إِلَيْهِ فَقَالَ: ﴿وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ [١٧/ الاسرآء: ٨٥] فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: قَدْ قُلْنَا لَكُمْ قَالَ: لَا تَسْأَلُوْهُ. [راجع: ١٢٥]

۷۴۵۶: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کے ایک کھیت میں جا رہا تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کھجور کی ایک چھڑی کے سہارے چل رہے تھے اس دوران آپ چند یہودیوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ان سے روح کے متعلق دریافت کرو، ایک نے کہا ان سے روح کے متعلق مت پوچھو، آخر انہوں نے آپ ﷺ سے روح کے متعلق پوچھ ہی لیا تو آپ ﷺ چھڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے جبکہ میں آپ ﷺ کے پیچھے تھا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''اور لوگ

آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں ان سے
فرما دیں کہ روح تو میرے رب کا امر ہے اور
تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے۔" (الاسراء:۸۵)
پھر ان یہودیوں نے ایک دوسرے سے کہا
کہ ہم نے تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ ان سے
کچھ نہ پوچھو۔

فوائد: یہود نے رسول اللہ ﷺ سے جس روح کے متعلق سوال کیا تھا اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق علمائے امت میں اختلاف ہے، مفسرین سے اکثریت کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ارواح بنی آدم ہیں جب وہ اللہ کی طرف سے ہے تو اسے عذاب کیوں ہوتا ہے؟ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، بعض مفسرین کے خیال کے مطابق اس سے وہ فرشتہ مراد ہے جس کی جسامت تمام مخلوق کے برابر ہے ہمارے نزدیک اس سے مراد وہ جان ہے جو ہر جاندار کے جسم میں ہوتی ہے اور جب تک وہ جسم میں موجود رہے جاندار زندہ رہتا ہے اور اس کے نکلنے سے مر جاتا ہے اور انسان نے اس کے متعلق بہت تحقیق کی ہے تاہم ابھی تک اس کی حقیقت معلوم کرنے سے قاصر ہی رہا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن نے اسے نفس سے تعبیر کیا ہے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ روح پر لفظ نفس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب وہ بدن میں موجود ہو اور جب نکل جائے تو اسے روح کہا جاتا ہے، آیت کریمہ میں "امر" سے مراد مامور ہے، لغت عرب میں یہ استعمال عام ہے اس حدیث سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ روح اللہ کے امر سے ہے یعنی وہ اللہ کے حکم سے پائی گئی ہے امر اللہ، روح نہیں بلکہ روح اس کی مخلوق ہے اللہ کا حکم روح سے پہلے ہے، اللہ کے احکام کا تعلق اللہ کی صفات سے ہے جو قدیم ہیں البتہ روح سے اس کا تعلق حادث ہے اور روح، اللہ کی مخلوق ہے اور امر، اللہ کے علاوہ ہے۔ (واللہ اعلم)

٧٤٥٧۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَـالِكٌ عَـنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ

۷۴۵۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((تَكَفَّلَ اللَّهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيْلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَاتِهِ بِأَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ)).

اس شخص کا ضامن ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے جبکہ اس کو اللہ کی راہ میں جہاد اور اس کے کلمات کی تصدیق نے نکالا ہو، اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا یا ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ اسی گھر میں واپس لوٹائے گا جہاں سے وہ نکلا تھا۔“

[راجع: ٣٦]

فوائد: اللہ کی ضمانت یہ ہے کہ شہادت کی صورت میں اسے جنت میں داخل کرے گا اور سلامتی سے واپسی کی صورت میں اجر وغنیمت دے کر واپس کرے گا یہ اللہ تعالیٰ کا محض احسان وکرم ہے کہ مجاہد شہادت یا سلامتی سے خالی نہیں اگر شہید ہو گیا تو جنت کا حقدار اگر سلامتی سے واپس ہوا تو ثواب یا غنیمت یا دونوں کا سزاوار بہر حال کسی صورت میں اللہ کے اعزاز واحترام سے محروم نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس کے گھر سے نکلنے کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کے کلمات کی تصدیق ہو، واضح رہے کہ جہاد کی تین اقسام ہیں۔

① کفار و مشرکین سے جہاد ② شیطان سے جہاد ③ اپنے نفس سے جہاد

درج ذیل آیت کریمہ جہاد کی ہر سہ اقسام کو شامل ہے۔

”اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔“ (الحج:٧٨)

اللہ کے کلمات کی تصدیق سے مراد شرعی احکام پر ایمان لانا اور ان کے مطابق عمل کرنا ہے نیز تقدیر کے معاملات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، امام بخاری نے انہی الفاظ سے اپنا مقصود ثابت کیا ہے کہ کلمات کونیہ قدریہ جن کا وجود کائنات کے وجود سے پہلے ہے اور یہ کلمات قرآن کریم کے علاوہ ہیں اور اللہ تعالیٰ قرآن کے علاوہ بھی کلام کرتا ہے اور ان کلمات کا کائنات سے تعلق حادث ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

٧٤٥٨۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ

٧٤٥٨: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک شخص رسول

عَنْ أَبِي مُوْسَى قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: الرَّجُلُ يُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ شَجَاعَةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً فَأَيُّ ذَلِكَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ: ((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ)). [راجع: ١٢٣]

اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کوئی شخص خاندانی حمیت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے کوئی بہادری دکھانے کے لیے میدان کارزار میں کود پڑتا ہے اور کوئی محض ریا کاری اور شہرت کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے کون اللہ کے راستہ میں ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جو اللہ کے دین کی سر بلندی اور اس کے غلبہ کے لیے لڑتا ہے وہ لڑنا اللہ کی راہ میں ہے۔''

فوائد: جس لڑائی کا مقصد کفر و شرک کو نیچا دکھانا اور توحید و سنت کو بلند کرنا ہو وہ اللہ کی راہ میں لڑنا ہے، اس کے علاوہ جنگ و قتال کی تمام اقسام تخریب کاری اور دہشت گردی ہے جو اللہ کی شریعت میں انتہائی ناپسندیدہ حرکت ہے اس طرح مال و دولت اور اقتدار کے حصول کے لیے لڑائی کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ نہیں؟ اس حدیث میں اللہ کے کلمہ کا ذکر ہے امام بخاری نے انہی الفاظ سے عنوان کو ثابت کیا ہے یعنی جو شخص اللہ کے کلمات کی سر بلندی اور انہیں غالب کرنے کے لیے لڑائی کرتا ہے وہ اس کی راہ میں لڑتا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا پہلے سے طے شدہ فیصلہ ہے: ''یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔'' (الصافات: ١٧٢ تا ١٧٣) (شرح كتاب التوحيد، ص: ٢٣١، ج: ٢)

(٢٩) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾. [١٦/ النحل: ٤٠]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ہم تو جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اسے بس اتنا ہی کہہ دیتے ہیں کہ ''ہو جا'' وہ ہو جاتی ہے۔''

اس عنوان کے تحت امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کو ثابت فرمایا ہے نیز اشارہ

کیا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی کلام غیر مخلوق ہے کیونکہ کسی چیز کو پیدا کرنے سے پہلے ''کن'' کہا جاتا ہے اس لیے کن اللہ کی کلام غیر مخلوق ہے، اگر یہ کلمہ بھی مخلوق ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کو مخلوق سے پیدا کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کر لینا ہی اس کا حکم دینا ہے اسے اپنی زبان سے کن کا لفظ ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اس کا کام تو صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔'' (یسین: ۸۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ ہی حکم کا درجہ رکھتا ہے اور جب وہ ارادہ کرتا ہے تو اس کی تکمیل کے لیے اسباب وذرائع ازخود ہی مہیا ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور وہ کام ہو کے رہتا ہے کوئی بھی چیز اس میں مزاحم نہیں ہو سکتی اور جتنے عرصہ میں اللہ تعالیٰ اسے وجود میں لانا چاہتا ہے اتنے ہی عرصہ میں وہ وجود میں آ جاتی ہے نیز معلوم ہوا کہ قول اور امر دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے۔

٧٤٥٩۔ حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي قَوْمٌ ظَاهِرِيْنَ عَلَى النَّاسِ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ)). [راجع: ٧١، ٣٦٤٠]

۷۴۵۹: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''میری امت میں سے ایک گروہ دوسرے لوگوں پر غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ کا امر یعنی قیامت آ جائے گی۔''

٧٤٦٠۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَيْرُ بْنُ هَانِئٍ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ

۷۴۶۰: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اسے

يَقُوْلُ: ((لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ مَا يَضُرُّهُمْ مَنْ كَذَّبَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ)) فَقَالَ مَالِكُ بْنُ يُخَامِرَ: سَمِعْتُ مُعَاذًا يَقُوْلُ: وَهُمْ بِالشَّأْمِ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: هٰذَا مَالِكٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاذًا يَقُوْلُ: وَهُمْ بِالشَّأْمِ.

جھٹلانے والے اور دیگر مخالفین کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا امر یعنی قیامت آجائے گی اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔" مالک بن یخامر نے کہا میں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ یہ گروہ شام میں ہوگا اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ مالک بن یخامر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کرتا ہے کہ یہ گروہ شام میں ہوگا۔

فوائد: مذکورہ احادیث میں حق پر قائم رہنے والے جس گروہ کا ذکر ہے دیگر احادیث میں ان کے دستور العمل کی وضاحت بایں الفاظ بیان ہوتی ہے کہ وہ میرے اور میرے صحابہ کرام کے راستہ پر چلنے والے ہوں گے، اس سے مراد سچے اہل حدیثوں کی جماعت ہے کیونکہ انہوں نے کتاب وسنت کو اپنا مسلک قرار دیا ہے اور توحید واتباع کو اپنا مشرب بنایا ہے، یہ صراحت بڑے ائمہ مثلاً: امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور علی بن مدینی سے منقول ہے، بعض ائمہ کرام کا ارشاد ہے:

اگر اس حدیث کا مصداق اہل حدیث نہیں ہیں تو پھر ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہیں؟

(سنن ترمذی، الفتن :۲۱۹۲)

ہمارے نزدیک یہی وہ گروہ ہے جسے امت کے تہتر فرقوں میں ایک جنتی فرقہ قرار دیا گیا ہے۔ امام بخاری نے عنوان ثابت کرنے کے لیے "یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے گا۔" کو دلیل بنایا ہے، اس سے مراد وہ کونی اور قدری امر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل فیصلہ کیا جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے، پھر اس تقدیر کے فیصلے کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمایا تاکہ آپ اپنی امت کو اس کی تعلیم دیں، جب اس کا وقت آپہنچے گا تو اللہ تعالیٰ کلمہ کن سے اسے برپا کر دیں گے امام بخاری کا

مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ امر اس کی صفات سے ہے اور غیر مخلوق ہے یہ امر اور اللہ کا قول دونوں ایک ہی چیز ہیں اور قیامت اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جو کلمہ کن کے اثرات سے ہو گی، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد معتزلہ کی تردید کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ امر مخلوق ہے ان کا مؤقف علمائے سلف کے خلاف ہے (واللہ اعلم)

٧٤٦١۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: وَقَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى مُسَيْلِمَةَ فِي أَصْحَابِهِ فَقَالَ ((لَوْ سَأَلْتَنِي هَذِهِ الْقِطْعَةَ مَا أَعْطَيْتُكَهَا وَلَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللَّهِ فِيكَ وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ لَيَعْقِرَنَّكَ اللَّهُ)).

[راجع: ٣٦٢٠]

٧٤٦١: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کے پاس رُکے جبکہ وہ اپنے حامیوں کے ہمراہ تھا آپ نے اس سے فرمایا: ''اگر تو مجھ سے یہ لکڑی کا ٹکڑا بھی مانگے تو میں تجھے یہ بھی نہ دوں گا اور تیرے متعلق اللہ نے جو حکم دے رکھا ہے تو اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور اگر تو نے (اسلام سے) روگردانی کی تو اللہ تجھے تباہ و برباد کر دے گا۔''

فوائد: مسیلمہ کذاب نے یمامہ کے علاقہ میں دعویٰ نبوت کیا اور یہ انتہائی شعبدہ باز انسان تھا۔ بہت سے لوگ اس سے متاثر ہو کر اس کے پیرو ہو گئے، وہ انبوہ کثیر لے کر مدینہ طیبہ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آپ مجھے اپنے بعد خلیفہ نامزد کر دیں تو میں اپنے ساتھیوں سمیت آپ پر ایمان لے آتا ہوں، آپ کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی چھڑی تھی۔ آپ نے فرمایا خلافت تو بڑی چیز ہے میں تجھے چھڑی کا یہ ٹکڑا بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہوں آخر کار مسیلمہ کذاب اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس یمامہ چلا گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس کے خلاف لشکر کشی کی جس میں مسلمان غالب آئے اور اسے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے قتل کر کے جہنم پہنچایا۔ (صحیح بخاری، المغازی: ٣٦٢٠)

اس حدیث میں ہے کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کر رکھا ہے تو اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔'' امام بخاری نے اس جملہ سے

عنوان ثابت کیا ہے یعنی تیرے وجود سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیری بدبختی اور شقاوت کا جو فیصلہ کیا ہے تو اس سے سرمو انحراف نہیں کر سکے گا۔ اس مقام پر امر اللہ سے مراد اس کا کونی اور قدری امر ہے۔ شرعی اور تکلیفی امر مراد نہیں ہے۔ (شرح كتاب التوحيد ص:٢٤٢، ج:٢)

دراصل امام بخاری اس عنوان اور پیش کردہ احادیث سے معتزلہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اللہ کا امر جو اللہ کے کلام سے عبارت ہے وہ اس کا پیدا کردہ ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے پیش کردہ آیت کریمہ میں اس امر اور قول سے خود کو موصوف کیا ہے تاہم یہ اسلوب اور انداز سراسر مجاز ہے۔ حقیقت پر مبنی نہیں، جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کا کلام جس سے ذات باری تعالیٰ متصف ہے وہ غیر مخلوق ہے تاہم اس کا تعلق مخلوق سے حادث ہے اور وہ اللہ کی مشیت اور ارادہ پر موقوف ہے۔ (عمدة القاری ص:٦٥٦، ج١٦)

٧٤٦٢- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: بَيْنَا أَنَا أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ حَرْثِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ مَعَهُ فَمَرَرْنَا عَلَى نَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَسْأَلُوهُ أَنْ يَجِيءَ فِيهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَنَسْأَلَنَّهُ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! مَا الرُّوحُ؟ فَسَكَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَقَالَ: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ

٧٤٦٢: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ کے ایک کھیت میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک چھڑی کا سہارا لئے جا رہے تھے۔ اس دوران ہم یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ ان سے روح کے متعلق دریافت کرو کچھ لوگوں نے یہ سوال نہ پوچھنے کا مشورہ دیا مبادا ایسا جواب دیں جو تمہیں ناگوار ہو اس کے باوجود کچھ یہودیوں نے اصرار کیا کہ ہم ضرور دریافت کریں گے چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نے اٹھ کر کہا اے ابو القاسم! روح کیا چیز ہے؟ رسول اللہ ﷺ

مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتُوا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ قَالَ الْأَعْمَشُ: هَكَذَا فِي قِرَاءَتِنَا. [راجع: ١٢٥]

نے جواب دینے میں کچھ سکوت فرمایا۔ تاہم مجھے معلوم ہوگیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ”یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، تم کہہ دو کہ روح میرے رب کا امر ہے اور انہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔“ (الاسراء: ۸۵) اعمش نے کہا ہماری قراءت میں اس طرح ہے۔

فوائد: مشہور قراءت میں وَمَا اوتیتم ہے یعنی تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ البتہ امام اعمش کی قراءت میں وما اوتو یعنی ماضی غائب کا صیغہ ہے اور یہ قراءت شاذ ہے روح کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے فلاسفہ نے اس کے متعلق جو کہا ہے وہ سب تخمینی باتیں ہیں، موجودہ سائنس دانوں کو سخت محنت اور کدوکاوش کے باوجود اس کے متعلق کوئی حقیقی علم نہیں ہو سکا، اس وقت کے یہودی اس معقولی جواب کو سن کر بالکل خاموش ہو گئے کیونکہ اس جواب نے قیل وقال کا دروازہ ہی بند کر دیا آیت کریمہ میں روح کی حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ ایک امر رب ہے، جب تک وہ کسی حیوان میں ہے اس کی قدر و قیمت ہے اور جب وہ اس سے الگ ہو جاتا ہے تو وہی حیوان بے قدر اور بے قیمت ہو کر رہ جاتا ہے، یہودیوں کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان لیا جائے کیونکہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ روح کی حقیقت کوئی شخص نہیں جانتا اگر یہ حضرت اللہ کے رسول ہیں تو روح کی حقیقت بیان نہیں کریں گے امام بخاری نے مذکورہ حدیث میں ذکر کردہ آیت کریمہ سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے کہ روح کا وجود اللہ کے امر کی مرہون منت ہے، اللہ کا امر ایک الگ حقیقت ہے جو غیر مخلوق ہے اور روح جو اس کی وجہ سے معرض وجود میں آیا ہے وہ مخلوق ہے اور اللہ کا امر اس روح کی تخلیق سے پہلے موجود تھا البتہ اس امر کا تعلق اس روح سے حادث ہے اس روح کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن سے ہی پیدا کیا ہے یہی بات عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

(شرح کتاب التوحید ص:۲۲۷، ج:۲)

(٣٠) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا﴾ [١٨/ الكهف: ١٠٩]

﴿وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ﴾ [٣١/ لقمان: ٢٧]

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ [٧/ الاعراف: ٥٤] سَخَّرَ ذَلَّلَ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں گی خواہ اتنی ہی اور سیاہی لائی جائے۔“

نیز فرمایا:

”زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے پھر اس کے بعد سات مزید سمندر بھی روشنائی مہیا کریں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔“

نیز فرمایا:

”یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر اپنے عرش پر قرار پکڑا۔ وہی رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے اور سورج، چاند، ستارے سب چیزیں اس (اللہ) کے حکم

کے تابع ہیں، یاد رکھو! اسی نے پیدا کیا تو حکم بھی اسی کا چلے گا، بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“

امام بخاری فرماتے ہیں کہ سخّر کا معنی اس نے کام میں لگا دیا ہے۔

وضاحت: امام بخاری نے اس عنوان کے تحت بھی اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام کو ثابت کیا ہے نیز بتایا ہے کہ کلام الٰہی غیر مخلوق ہے اس سلسلہ میں تین آیات کا حوالہ دیا ہے، پہلی دو آیات کا شان نزول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے، تو یہودیوں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ ہمیں تورات دی گئی ہے، اس میں ہر چیز کا علم ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ اگر تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور درخت قلم بن جائیں اور اللہ کے کلمات لکھنے کے لیے تمام لوگ بیٹھ جائیں تو اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، اللہ کے کلمات کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ یہ ذات الٰہی کی صفت ہیں، جس طرح اس کی ذات غیر متناہی ہے، اس طرح اس کی صفات کی انتہائی بھی ناممکن ہے سمندر یا سمندروں کا پانی خواہ کتنا ہی کثیر مقدار میں ہو بہرحال اس کی ایک حد ہے اور ایک محدود چیز کا لامحدود چیز سے کیا مقابلہ ہوسکتا ہے اس بنا پر سمندروں کی سیاہی تو ختم ہوسکتی ہے لیکن اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوسکتے۔

(فتح الباری ، ص:٥٤٤، ج:١٣)

اس طرح تیسری آیت میں خلق اور امر کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کلام خلق کے علاوہ ہے کیونکہ عربی قاعدے کے مطابق معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے اس سے مقصود معتزلہ کی تردید ہے جو کلام اللہ کو مخلوق کہتے ہیں آئندہ ابواب میں اسی مسئلہ کو بیان کیا جائے گا۔ امام بخاری نے اس مسئلہ کو اپنے رسالہ خلق افعال العباد میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

٧٤٦٣ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((تَكَفَّلَ اللَّهُ لِمَنْ

۷۴۶۳: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس شخص کا ضامن ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، وہ اپنے گھر سے اس لیے نکلتا ہے کہ

جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَتِهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرُدَّهُ إِلَى مَسْكَنِهِ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ)). [راجع: ٣٦]

خالص اللہ کے راستہ میں جہاد کرے اور اس کے کلمہ توحید کی تصدیق کرے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا یا ثواب و غنیمت کے ساتھ اس کو گھر واپس کرے گا۔"

فوائد: اس حدیث میں کلمہ سے مراد کلمہ طیبہ ہے جس کی تصدیق کرنا ایمان کی اولین بنیاد ہے دل سے تصدیق کرنا، زبان سے اقرار کرنا اور عمل سے اس کا ثبوت دینا انتہائی ضروری ہے، امام بخاری نے اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام کو ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ کے کلمات غیر محدود اور غیر مخلوق ہیں جس طرح اللہ کی ذات کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا ایسے ہی اس کے کلمات اور اس کی صفات کا احاطہ ناممکن ہے، اس کے کلمات خواہ دینیہ شرعیہ ہوں یا کونیہ قدریہ ہوں دونوں اقسام ہی اللہ کی صفات ہیں اور غیر مخلوق ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں:

"کائنات کی ہر چیز مخلوق ہے لیکن قرآن کریم مخلوق نہیں ہے، اللہ کی کلام اس کی مخلوق سے کہیں بڑھ کر عظیم القدر ہے کیونکہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لے تو کلمہ کن کہتا ہے وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے، جس چیز سے کوئی چیز وجود میں آئے وہ یقیناً بہت بڑی اور عظیم الشان ہوگی اور قرآن اللہ کی کلام ہے اس لیے وہ بھی غیر مخلوق ہے۔" (خلق افعال العباد ص:٣٤)

بہر حال امام بخاری نے مذکورہ آیات احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات غیر محدود اور لامتناہی ہیں اور کلام الٰہی غیر مخلوق ہے کیونکہ ان کلمات سے مخلوق کو معرض وجود میں لایا جاتا ہے اگر یہ بھی مخلوق ہوں تو مخلوق سے مخلوق کو پیدا کرنا لازم آتا ہے۔ (واللہ اعلم)

(٣١) بَابٌ فِي الْمَشِيئَةِ وَالْإِرَادَةِ

﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ﴾ [٣/ آل عمران: ٢٦] وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ [٧٦/ الدهر: ٣٠] ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ [١٨/ الكهف: ٢٤، ٢٣] ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ [٢٨/

القصص: ٥٦] قَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيْهِ: نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِبِ
﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾. [٢/ البقرة: ١٨٥]

اللہ کی مشیت اور اس کے ارادہ کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جسے تو چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے۔" (آل عمران:٢٦)

"اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔" (الدھر:٣٠)

"نیز کسی چیز کے متعلق یہ کبھی نہ کہیے کہ میں کل یہ ضرور کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔"
(الکہف:٢٣،٢٤)

"اے نبی! جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے ہو، اللہ ہی ہے وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔" (القصص:٥٦)

حضرت سعید بن مسیب اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت خواجہ ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

"اللہ تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ چاہتا ہے سختی کا برتاؤ نہیں چاہتا۔" (البقرۃ:١٨٥)

وضاحت: امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام کے اثبات کے دوران ہی مشیت و ارادہ کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صفت ارادہ کو اپنی صفت کلام کے ساتھ ہی بیان کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ہم تو جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اسے بس اتنا ہی کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔" (النحل:٤٠)

مشیت اور ارادہ کا ایک ہی معنی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات سے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وہ جس چیز کا ارادہ کر لے اسے کر ڈالتا ہے۔" (البروج:١٦)

دوسرے مقام پر فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ وہی کچھ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔" (الحج:١٨)

اللہ تعالیٰ کا ارادہ دو طرح کا ہے (١) ارادہ کونیہ (٢) ارادہ شرعیہ

ارادہ کونیہ میں مشیت کا معنی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جس شخص کو اللہ ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے

گمراہ کرنا چاہے اس کے سینہ میں سخت گھٹن پیدا کر دیتا ہے۔'' (الانعام:۱۲۵)

ارادہ شرعیہ میں محبت کا معنی پایا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے۔'' (النساء:۲۷)

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کونیہ لازمی طور پر واقع ہو کر رہتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ارادہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہی ہو جبکہ ارادہ شرعیہ کا وقوع ضروری نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ضرور ہوتا ہے اس کا تعلق اطاعت و معصیت سے ہے کائنات میں جس قدر بھی حوادثات ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے کونی اور قدری ارادہ کے تحت ہوتے ہیں حتیٰ کہ کفار کا کفر اور مشرکین کا شرک بھی اس کے تحت ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کفر و شرک کو پسند نہیں کرتا جیسا کہ اس نے خود اس کی وضاحت کی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے نیز وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پر راضی نہیں اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔'' (الزمر:۷)

امام بخاری نے پیش کردہ آیات میں ارادہ کی دونوں اقسام کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ پہلی چار آیات میں ارادہ کونیہ کا ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت عامہ کارفرما ہے، اس سے کائنات کی کوئی چیز خارج نہیں ہے اور آخری آیت میں ارادہ شرعیہ کا ذکر ہے جو اللہ کی رضا اور اس کی محبت پر مشتمل ہے۔

٧٤٦٤۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِذَا دَعَوْتُمُ اللَّهَ فَاعْزِمُوا فِي الدُّعَاءِ وَلَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِي فَإِنَّ اللَّهَ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ)). [راجع: ٦٣٣٨]

۷۴۶۴: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم اللہ سے دعا کرو تو عزم کے ساتھ کرو، تم میں سے کوئی یوں نہ کہے اگر تو چاہتا ہے تو مجھے عطا کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی مجبور نہیں کر سکتا۔''

فوائد: بندہ مسلم کو چاہیے کہ وہ دعا پورے وثوق اور یقین سے مانگے اس عقیدہ کے ساتھ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول کرے گا جلدی یا دیر ممکن ہے لیکن اندھیر نہیں ہوتا، دعا اپنا

رنگ ضرور دکھاتی ہے، دعا کو اللہ کی مشیت سے معلق نہ کیا جائے یوں نہ کہا جائے کہ اگر تو چاہتا ہے تو قبول کر لے، ایسا کرنے سے یہ وہم ہو سکتا ہے کہ مشیت کے بغیر اس کا عطا کرنا ممکن ہے حالانکہ مشیت کے بغیر تو جبر ہی ہے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر نہیں کر سکتا، مشیت کا استعمال وہاں ہوتا ہے جسے کسی کام پر مجبور کیا جا سکتا ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دعا کرتے وقت یوں نہ کہا جائے اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے معاف کر دے اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما دے انسان کو چاہیے کہ پورے عزم و وثوق کے ساتھ دعا کرے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اسے کوئی بھی کسی کام پر مجبور نہیں کر سکتا۔''

(صحیح مسلم الذکر: ٦٨١٣)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تعلیق کی صورت اس لیے ناپسند ہے کہ اس میں دعا کرنے والے کی اپنی مطلوبہ چیز بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے لاپرواہی کی بو آتی ہے۔

(فتح الباری :ص ٥٥١ ج:١٣)

٧٤٦٥۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح: وحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي عَبْدُ الْحَمِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رضي الله عنهما أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةً فَقَالَ لَهُمْ: ((أَلَا تُصَلُّونَ؟)) قَالَ عَلِيٌّ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّمَا أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللَّهِ فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا فَانْصَرَفَ رَسُولُ

٧٤٦٥: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ ان کے اور اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: ''تم لوگ (تہجد کی) نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جواب دیا یا رسول اللہ! ہمارے نفس اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے گا اٹھا دے گا جب میں نے یہ بات کہی تو رسول اللہ ﷺ واپس چلے گئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا البتہ میں نے آپ ﷺ کو واپس جاتے وقت یہ کہتے ہوئے سنا۔

اللَّهِ ﷺ حِينَ قُلْتُ: ذَلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُدْبِرٌ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَيَقُولُ: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾. [١٨/ الكهف: ٥٤] [راجع: ١١٢٧]

آپ ﷺ اپنی ران پر ہاتھ مار کر یہ فرما رہے تھے: ''انسان اکثر باتوں میں بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے۔'' (الاسراء:٥٤)

فوائد: انسان کی یہ سرشت ہے کہ وہ جس بات کو نہ ماننے کا تہیہ کر لے اس پر طرح طرح کے اعتراض وارد کرتا ہے اور مختلف حیلوں بہانوں سے ''عذر گنا بدتر از گناہ'' کے طور پر جواب پیش کرتا ہے'' اس غرض کے لیے سب سے عمدہ بہانہ مشیت الٰہی کا ہوتا ہے، مشیت الٰہی کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال بنانے والے عموماً یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اللہ کی مشیت اور اللہ کی رضا میں بہت فرق ہے مثلاً: اللہ کی رضا اس بات میں ہے کہ سب لوگ اس کے فرمانبردار بن جائیں اور کوئی شخص بھی کفر وشرک اور ظلم وزیادتی کا راستہ اختیار نہ کرے مگر اس کی مشیت یہ ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کا امتحان لیا جائے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ تمیز اور قوت ارادہ عطا فرمائی ہے پھر جو شخص اپنے اختیار وارادہ سے اللہ کا فرمانبردار ہوا اسے اچھا بدلہ دیا جائے گا اور جس نے کفر وشرک کا راستہ اختیار کیا اسے سزا دی جائے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت کے راستہ پر چلنا مشیت الٰہی بھی ہے اور رضا الٰہی بھی مگر کفر وشرک کا راستہ اختیار کرنا مشیت الٰہی تو ہے لیکن رضا الٰہی نہیں ہے مشیت الٰہی کو بہانہ بنانے کی مثال مذکورہ حدیث میں بیان ہوئی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ جواب مشیت کے لحاظ سے تو صحیح تھا اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب نہیں دیا البتہ آپ کو اس بات پر افسوس ہوا کہ عمل کرنے کا اختیار انسان کو دے دیا گیا ہے اسے کیوں نظر انداز کر دیا گیا ادب کا تقاضا یہ تھا کہ نماز تہجد کی توفیق کے لیے اللہ سے دعا کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے بھی اس کی دعا کی اپیل کرتے، اس سے رسول اللہ ﷺ خوش خوش واپس ہوتے اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ مشیت الٰہی کو بطور بہانہ استعمال کرنا صرف ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کا ہی کام نہیں بلکہ بعض دفعہ ایک نیکوکار مؤمن بھی اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے اسے استعمال کر لیتا ہے

حالانکہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق مشرکین نے اپنے شرک کے جواز میں اسی مشیت الٰہی کو بطور بہانہ استعمال کیا تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مشرک کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے آباء واجداد اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔'' (الانعام:١٤٨)

بہر حال لوگوں پر شریعت کے احکام کی متابعت لازم ہے، اس متابعت کو مشیت الٰہی کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہیے امام بخاری نے اس حدیث سے جبریہ، قدریہ اور معتزلہ کی تردید کی ہے جو مشیت اور ارادہ میں فرق کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

٧٤٦٦ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ خَامَةِ الزَّرْعِ يَفِيءُ وَرَقُهُ مِنْ حَيْثُ أَتَتْهَا الرِّيحُ تُكَفِّئُهَا فَإِذَا سَكَنَتْ اعْتَدَلَتْ وَكَذٰلِكَ الْمُؤْمِنُ يُكَفَّأُ بِالْبَلَاءِ وَمَثَلُ الْكَافِرِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ صَمَّاءَ مُعْتَدِلَةً حَتَّى يَقْصِمَهَا اللّٰهُ إِذَا شَاءَ)). [راجع: ٥٦٤٤]

٧٤٦٦: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مؤمن کی مثال کھیت کے نرم پودے کی سی ہے کہ جدھر کی ہوا چلتی ہے اس کے پتے ادھر ہی جھک جاتے ہیں، جب ہوا رک جاتی ہے تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے یعنی ہوائیں اسے اِدھر اُدھر جھکاتی رہتی ہیں، اسی طرح مؤمن بلاؤں اور مصیبتوں کی وجہ سے اِدھر اُدھر جھکتا رہتا ہے جبکہ کافر کی مثال صنوبر کے سخت درخت جیسی ہے جو ایک حالت میں کھڑا رہتا ہے تاآنکہ جب اللہ چاہتا ہے تو اسے یکبار ہی اکھاڑ پھینکتا ہے۔''

فوائد: مؤمن کبھی مصائب میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے یا اس کے درجات کے بلندی کا باعث ہے جب آرام پاتا ہے تو خود کو اللہ کے ذکر وفکر میں مصروف کر لیتا ہے جیسے نرم کھیتی کی شاخ ہو جب ہوا چلتی ہے تو وہ کبھی اِدھر گرتی ہے، کبھی اُدھر گرتی ہے، جب ہوا ٹھہر جاتی ہے تو وہ سیدھی رہتی ہے اس کے برعکس کافر کی مثال صنوبر کے درخت

جیسی ہے وہ ہواؤں کی وجہ سے جھکتا نہیں ہے اس طرح کافر بھی احکام الٰہی کے سامنے جھکنا نہیں چاہتا یہاں تک کہ اللہ کا عذاب یا موت اسے یکدم ختم کر دیتی ہے پھر وہ اللہ کے حضور زندگی کے پورے گناہ لے کر پیش ہوتا ہے کیونکہ اس کی دنیوی زندگی نہایت آرام اور سکون سے گزری ہوتی ہے، امام بخاری نے اس حدیث سے اللہ کی مشیت کو ثابت کیا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو ایک ہی بار اس کی ہلاکت ہو جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تمام کام اللہ کی مشیت سے سرانجام پاتے ہیں، اس عالم رنگ و بو میں چھوٹا بڑا کوئی کام بھی اللہ کے ارادہ اور اس کی مشیت کے بغیر پروان نہیں چڑھتا اور اس کی مشیت ہر چیز میں کارفرما ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (واللہ اعلم)

٧٤٦٧۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللَّهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ قَائِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلَ: ((إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيْمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوْبِ الشَّمْسِ أُعْطِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوْا بِهَا حَتَّى انْتَصَفَ النَّهَارُ ثُمَّ عَجَزُوْا فَأُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا ثُمَّ أُعْطِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ الْإِنْجِيْلَ فَعَمِلُوْا بِهِ حَتَّى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوْا فَأُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا ثُمَّ أُعْطِيتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ حَتَّى غُرُوْبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِيتُمْ

۷۴۶۷: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ منبر پر کھڑے فرما رہے تھے کہ تمہارا زمانہ گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ نماز عصر سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے، اہل تورات کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل کیا تا آنکہ آدھا دن گزر گیا تو وہ عاجز ہو گئے انہیں ایک ایک قیراط اجرت دی گئی پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی انہوں نے اس پر عصر کی نماز تک عمل کیا پھر وہ اس پر عمل سے عاجز آ گئے تو انہیں بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا اس کے بعد تمہیں قرآن دیا گیا اور تم نے اس پر غروب آفتاب تک عمل کیا تو تمہیں دو، دو قیراط دیئے گئے اہل تورات نے کہا اے

قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ قَالَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ: رَبَّنَا! هَؤُلَاءِ أَقَلُّ عَمَلًا وَأَكْثَرُ أَجْرًا قَالَ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا فَقَالَ: فَذَلِكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ)). [راجع: ٥٥٧]

ہمارے پروردگار! ان لوگوں نے کام تھوڑا کیا لیکن اجرت زیادہ پائی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہاری اجرت میں کوئی کمی کی ہے انہوں نے کہا نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میرا فضل ہے میں جس پر چاہتا ہوں کرتا ہوں۔''

فوائد: قیراط ایک مقررہ حصے کا نام ہے جو نصف وانق کے برابر ہوتا ہے اور وانق درہم کے چھٹے حصے کے برابر ہے بعض اوقات قیراط سے کثیر مقدار بھی مراد لی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جس نے جنازہ میں شمولیت کی اسے ایک قیراط اور جو دفن کرنے تک ساتھ رہا اسے دو قیراط ملیں گے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیراط بڑے بڑے دو پہاڑوں کے برابر ہے، اس حدیث کے آخر میں ہے کہ میں جس پر چاہتا ہوں اپنا فضل کرتا ہوں امام بخاری نے حدیث کے اس حصہ سے عنوان ثابت کیا ہے کہ اللہ کی مشیت نافذ ہو کر رہتی ہے یہ کسی عرف یا قاعدے کی محتاج نہیں ہے بلکہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا لیکن معتزلہ اور ان کے ہم مسلک اللہ تعالیٰ پر اپنے عقلی فیصلے ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کو ایسا کرنا چاہیے، اللہ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے یعنی اللہ کو چاہیے کہ وہ گنہگار کو سزا دے اور فرمانبردار کو جزا دے حالانکہ یہ تمام باتیں اللہ کی مشیت پر موقوف ہیں وہ چاہے تو ایک پارسا عورت کو بلاوجہ گھر میں بلی باندھنے کی وجہ سے جہنم میں بھیج دے اور اگر چاہے تو ایک بدکار عورت کو محض کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے معاف کر دے اور جنت کا پروانہ عطا کر دے بہر حال اللہ کی مشیت تمام عالم رنگ و بو میں کارفرما ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اسے کوئی روکنے یا عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

٧٤٦٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُسْنَدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ:

۷۴۶۸: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک جماعت کے ساتھ بیعت کی، آپ نے بیعت لیتے وقت فرمایا:

بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِي رَهْطٍ فَقَالَ: ((أُبَايِعُكُمْ عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْنِي فِي مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَأُخِذَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ لَهُ كَفَّارَةٌ وَطُهُوْرٌ وَمَنْ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَذَلِكَ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ)).

[راجع: ۱۸]

''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا کے مرتکب نہیں ہو گے نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ ہی کسی پر بہتان باندھو گے جو تم نے خود تیار کیا ہو گا۔ نیکی کے کاموں میں میری نافرمانی نہیں کرو گے جس نے اس عہد کو پورا کیا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور جس نے لغزش کی اور اسے دنیا میں ہی پکڑ لیا گیا تو یہ حد اس کے لیے گناہوں کا کفارہ اور پاکیزگی کا ذریعہ ہو گی اور جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا تو وہ اللہ کے حوالہ ہے وہ اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو بخش دے۔''

فوائد: اس حدیث کے مطابق اللہ کے عہد کو پورا کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے جنت دینے کا وعدہ کیا ہے اور لغزش کے ارتکاب پر دو صورتیں ممکن ہیں اگر اس کا دنیا میں مؤاخذہ ہوا اور حد جاری ہو گئی تو یہ حد گناہ کا کفارہ اور پاکیزگی کا ذریعہ ہو گی۔ لیکن یہ کفارہ شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کے ارتکاب پر ہو گا، شرک سے توبہ کرنا ہو گی تب معاف ہو گا اگر دنیا میں مؤاخذہ نہ ہوا تو معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اس میں اہل سنت کے مؤقف کی تائید ہے کہ کفر کے علاوہ دیگر معاصی کے ارتکاب پر جہنم میں جانا یقینی نہیں ہے بلکہ اگر انسان توبہ کے بغیر مر گیا تو معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہو گا اگر چاہے تو اسے معاف کر دے وہ چاہے تو سزا دے لیکن خوارج اور معتزلہ نے اس کے برعکس مؤقف اختیار کیا ہے، خوارج کے نزدیک معاصی کے ارتکاب سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ کافر تو نہیں ہوتا البتہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا امام بخاری نے اس حدیث سے اللہ کی مشیت کو ثابت کیا ہے

کہ اگر انسان گناہ کے ارتکاب پر توبہ کے بغیر مر گیا تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ کرے گا، اس میں معتزلہ وغیرہ کی تردید ہے جو اپنی عقل سے اللہ کی شریعت کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں اور خوارج کو بھی تنبیہ ہے جو عام مسلمانوں کو گناہ کے ارتکاب پر کافر قرار دیتے ہیں۔

٧٤٦٩۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: ((أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ سُلَيْمَانَ عليه السلام كَانَ لَهُ سِتُّونَ امْرَأَةً فَقَالَ: لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى نِسَائِي فَلْتَحْمِلْنَ كُلُّ امْرَأَةٍ وَلْتَلِدْنَ فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَطَافَ عَلَى نِسَائِهِ فَمَا وَلَدَتْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَلَدَتْ شِقَّ غُلَامٍ قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ: لَوْ كَانَ سُلَيْمَانُ اسْتَثْنَى لَحَمَلَتْ كُلُّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ فَوَلَدَتْ فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ)).

[راجع: ٢٨١٩]

۷۴۶۹: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی ساٹھ بیویاں تھیں، انہوں نے کہا میں آج رات اپنی تمام بیویوں کے پاس جاؤں گا، ہر بیوی حاملہ ہوگی اور ایک ایک شہسوار کو جنم دیں گی جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرے گا، چنانچہ وہ اپنی بیویوں کے پاس گئے تو ان میں سے صرف ایک بیوی نے ناقص بچہ جنم دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر سلیمان علیہ السلام نے ان شاء اللہ کہہ دیا ہوتا تو ہر بیوی حاملہ ہوتی اور شہسوار کو جنم دیتی جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا۔“

فوائد: ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اپنے عزم کا اظہار کیا تو اس کے ساتھی نے کہا جناب ان شاء اللہ کہہ دیں لیکن اس یاددہانی کے باوجود انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا (صحیح بخاری، الجہاد: ۲۸۱۹) دوسری روایت میں ہے کہ فرشتہ نے ان شاء اللہ کہنے کی یاددہانی کرائی لیکن آپ نے اس کلمہ کو نہ کہا بلکہ بھول گئے۔ (صحيح بخاري: ٥٢٤٢)

دراصل آپ کو اپنے آپ پر اس قدر خود اعتمادی تھی اور ظاہری اسباب پر بھروسہ تھا کہ یاددہانی کے باوجود اس پر عمل نہ کر سکے، آپ کو اپنی مراد میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جس قدر بھی اسباب مہیا ہوں اسے اللہ کی مشیت کا سہارا ضرور لینا

چاہیے کیونکہ اس کے بغیر کوئی کام بھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اگر حضرت سلیمان علیہ السلام مشیت الٰہی کا سہارا لیتے تو اللہ ضرور ان کی منشا پوری کرتا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا اس لیے یاد دہانی کے باوجود وہ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے اس سلسلہ میں رسول ﷺ کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ کسی چیز کے متعلق یہ کبھی نہ کہیں کہ میں کل یہ ضرور کروں گا الا یہ کہ اللہ چاہے۔(الکہف:۲۳) مطلب یہ ہے کہ ہر کام اللہ کی مشیت کے تحت ہی ہوتا ہے لہٰذا اس قاعدہ کو ہر وقت ملحوظ رکھنا چاہیے کیونکہ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ وہ فلاں وقت فلاں کام کر سکے گا یا نہیں اور نہ ہی کوئی اپنے افعال میں خود مختار ہے کہ جو چاہے کر سکے لہٰذا کوئی شخص خواہ پورے صدق دل اور سچی نیت سے بھی کوئی وعدہ یا مستقبل سے متعلق کوئی بات کرے تو اسے ان شاء اللہ ضرور کہہ لینا چاہیے مگر افسوس کہ کچھ بدنیت قسم کے لوگوں نے ان شاء اللہ کو اپنی بدنیتی پر پردہ ڈالنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے ان کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ اپنا کام چلائیں بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا ان لوگوں نے اس بابرکت کلمہ کو اس قدر بدنام کر دیا ہے کہ جب کوئی اپنے وعدے کے ساتھ ان شاء اللہ کہتا ہے تو سننے والا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ اس کی نیت میں فتور ہے ایسا کرنا اللہ کی آیات کے ساتھ بدترین قسم کا مذاق ہے جس کا ایمان دار آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

۷۴۷۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ عَلَى أَعْرَابِيٍّ يَعُودُهُ فَقَالَ: ((لَا بَأْسَ عَلَيْكَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ)) قَالَ: قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: طَهُورٌ بَلْ هِيَ حُمَّى تَفُورُ عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ تُزِيرُهُ الْقُبُورَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((فَنَعَمْ إِذًا)). [راجع: ۳۶۱٦]

۷۴۷۰: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دیہاتی کی بیمار پرسی کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو اسے فرمایا: ”کوئی مضائقہ نہیں ان شاء اللہ یہ بیماری تمہارے لیے پاکیزگی کا باعث ہو گی۔“ دیہاتی نے کہا آپ اسے پاکیزگی کا باعث فرماتے ہیں بلکہ یہ تو وہ بخار ہے جو ایک بوڑھے پر جوش مار رہا ہے اور اسے قبر تک پہنچا کر چھوڑے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں ایسا ہی ہوگا۔“

فوائد: رسول اللہ ﷺ نے اسے اللہ کی مشیت کے حوالہ سے بتایا کہ یہ بیماری تجھے گناہوں سے پاک کردے گی لیکن اس دیہاتی نے اسے بعید خیال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تجھے ہماری بات پر یقین نہیں ہے تو ویسے ہی ہوگا جیسا کہ تو خیال کرتا ہے تیرے متعلق اللہ کا حکم ضرور پورا ہو کر رہے گا چنانچہ دوسرے دن شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ دنیا سے چل بسا۔ (فتح الباری ص:٦٢٥، ج:٦)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مصائب وآلام گناہوں کے لیے کفارہ ہیں، لیکن یہ سب اللہ کی مشیت کے تحت ہوتا ہے لہذا انسان کو چاہیے کہ انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ کے حضور اس کے فضل وکرم کی دعا کرے تمام معاملات اس کے ہاتھ میں ہیں وہ اپنی مرضی اور مشئیت کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے، تمام انسان اس کے محتاج اور غلام ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (واللہ اعلم)

٧٤٧١۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ حِينَ نَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ وَرَدَّهَا حِينَ شَاءَ)) فَقَضَوْا حَوَائِجَهُمْ وَتَوَضَّؤُوا إِلَى أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَضَّتْ فَقَامَ فَصَلَّى. [راجع: ٥٩٥]

۷۴۷۱: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ نماز (فجر) سے سورہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تمہاری ارواح کو روک لیتا ہے اور جب چاہتا ہے انہیں چھوڑ دیتا ہے اس لیے تم اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کرو آخر جب سورج پوری طرح طلوع ہو گیا اور خوب دن نکل آیا تو آپ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔"

فوائد: امام بخاری نے اس حدیث کو انتہائی اختصار سے بیان کیا ہے البتہ کتاب مواقیت الصلوۃ میں اسے تفصیل سے روایت کیا ہے (صحیح بخاری حدیث نمبر ۵۹۵) یہ واقعہ کس سفر میں پیش آیا؟ اس کے متعلق مختلف روایات ہیں ہمارے رجحان کے مطابق غزوہ خیبر سے واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا۔ (مصنف عبدالرزاق، ص:٥٨٧، ج:١)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی مشیت کو بیان کیا ہے کہ تمہارے ارواح اللہ کے قبضہ میں ہیں وہ ان کا مالک ہے،، جب اسے قبض کر لیتا ہے تو انسان مردہ شمار ہوتا ہے اسی طرح انسان صاحب اختیار نہیں ہے کہ جب چاہے سو جائے اور جب چاہے بیدار ہو جائے یہ سب کچھ اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللہ ہی ہے جو موت کے وقت ارواح کو قبض کر لیتا ہے اور جو مرا نہ ہو اس کی روح نیند کی حالت میں قبض کر لیتا ہے پھر جس کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہو اس کی روح کو تو روک لیتا ہے اور دوسری ارواح کو ایک مقررہ مدت کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔"

(الزمر:٤٢)

امام بخاری نے مشیت الٰہی کے اثبات کے لیے اس حدیث کو پیش کیا ہے جو اپنے مقصود میں بالکل واضح ہے۔

٧٤٧٢۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَالْأَعْرَجِ ح وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ فِي قَسَمٍ يُقْسِمُ بِهِ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِينَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ

٧٤٧٢: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا آپس میں جھگڑا ہوا مسلمان نے قسم کھاتے ہوئے کہا اس ذات کی قسم! جس نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں پر بزرگی دی یہودی نے کہا اس ذات کی قسم! جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام اہل جہاں پر منتخب کیا، اس دوران مسلمان نے ہاتھ اٹھایا اور یہودی کو طمانچہ رسید کر دیا، یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لے کر آیا اور اس نے اپنا اور مسلمان کا معاملہ پیش کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور میں سب

يَدَهُ عِنْدَ ذَلِكَ فَلَطَمَ الْيَهُودِيَّ فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنْ اسْتَثْنَى اللَّهُ؟)). [راجع: ٢٤١١]

سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ عرش کا ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں اب مجھے معلوم نہیں کہ یہ ان لوگوں سے ہوں گے جو بے ہوش ہوئے ہوں لیکن مجھ سے پہلے انہیں ہوش آ گیا ہو یا اللہ تعالیٰ نے انہیں بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔"

فوائد: حضرات انبیاء علیہم السلام کے درجات میں باہمی تفاوت کو خود اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یہ رسول ہم نے انہیں ایک دوسرے سے بڑھ کر فضیلت دی ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور کچھ وہ ہیں جن کے درجات بلند کیے۔"

(البقرہ:۲۵۳)

نیز فرمایا: "ہم نے انبیاء علیہم السلام میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے" (الاسراء:۵۵)

رسول اللہ نے فرمایا "میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔"

(صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۲۷۸)

مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، یہ آپ نے تواضع اور انکساری کے طور پر فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ میری اس طرح فضیلت ثابت نہ کرو جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین کا پہلو نمایاں ہو۔

اس حدیث کے آخر میں ایک استثنا کا ذکر ہے جس کی وضاحت درج ذیل آیت کریمہ میں ہے:

"اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں اور زمین میں موجود مخلوق ہے سب

بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ (بچانا) چاہے۔'' (الزمر:٦٨)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسی مخلوق بھی ہوگی جو بے ہوش نہیں ہوگی رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس بے ہوشی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے وہ بھی اس صورت میں کہ شاید وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے ہوں یا وہ بے ہوش ہوئے ہی نہ ہوں اس لیے کہ وہ دنیا میں ایک بار بے ہوش ہو چکے تھے۔

امام بخاری نے اس حدیث سے مشیت الٰہی کو ثابت کیا ہے کہ وہ عام ہے اور کائنات کی ہر چیز کو شامل ہے۔

٧٤٧٣۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ أَبِي عِيسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((الْمَدِينَةُ يَأْتِيهَا الدَّجَّالُ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا فَلَا يَقْرَبُهَا الدَّجَّالُ وَلَا الطَّاعُونُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ)).

٧٤٧٣: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دجال مدینہ طیبہ کا رخ کرے گا تو فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا اس لیے اگر اللہ نے چاہا تو دجال اس کے قریب نہیں ہو سکے گا اور نہ ہی مرض طاعون اس کا رخ کرے گی۔''

[راجع: ١٨٨١]

فوائد: بخاری کی ایک روایت میں وضاحت ہے کہ مکہ اور مدینہ میں دجال داخل نہیں ہو سکے گا، وہاں فرشتے ان کی حفاظت کے لیے پہرہ دیں گے (صحیح بخاری، فضائل المدینہ:١٨٨١) معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمان حکمران کفر اور اہل کفر کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھیں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ حرمین شریفین کی حفاظت کے لیے فرشتوں کو تعینات کرے گا، امام بخاری نے اس حدیث سے مشیت الٰہی کو ثابت کیا ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو دجال اور طاعون دونوں مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے، بعض روایات میں مکہ مکرمہ کا بھی ذکر ہے کہ وہاں بھی طاعون نہیں آ سکے گی رسول اللہ ﷺ نے اسے اللہ کی مشیت سے معلق کیا ہے کہ حرمین شریفین کی دجال اور طاعون سے حفاظت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے جو اس

حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

٧٤٧٤ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ فَأُرِيدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ أَخْتَبِيَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ)).

[راجع: ٦٣٠٤]

۷۴۷۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہے ان شاء اللہ میرا ارادہ ہے کہ اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھوں۔''

فوائد: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دعا صرف اہل توحید کے حق میں قبول ہوگی مشرکین کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ ان شاء اللہ وہ دعا ان کے لیے قبول ہوگی جنہیں اس حالت میں موت آئی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۹۹)

رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کو اللہ کی مشیت پر موقوف رکھا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دے رکھی ہے کہ وہ ضرور قبول ہوگی، امام بخاری نے اس سے ثابت کیا ہے کہ ہر چیز اللہ کی مشیت کے تحت ہے کائنات کی کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا جیسا کہ انسان کو اس کی چاہت کے بغیر بھی کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ کائنات کا مالک ہے وہ اس کا نظام چلانے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔

٧٤٧٥ـ حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ بْنِ جَمِيلٍ اللَّخْمِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ

۷۴۷۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک وقت سو رہا تھا کہ خود کو ایک کنویں پر دیکھا میں نے اس سے جتنا اللہ نے چاہا اس میں سے پانی نکالا، اس کے بعد ابن ابی

رَأَيْتُنِي عَلَى قَلِيبٍ فَنَزَعْتُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ أَنْزِعَ ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ ثُمَّ أَخَذَهَا عُمَرُ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَفْرِي فَرِيَّهُ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ حَوْلَهُ بِعَطَنٍ)).

قحافہ رضی اللہ عنہ نے ڈول پکڑ لیا اس نے ایک یا دو ڈول نکالے البتہ ان کے ڈول کھینچنے میں کمزوری تھی اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے پھر اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لے لیا تو وہ ان کے ہاتھ میں ایک بڑا ڈول بن گیا میں نے مؤمنوں میں کوئی پہلوان نہیں دیکھا جو اس طرح ڈول پر ڈول نکالتا ہو یہاں تک کہ لوگوں نے اس کنویں کے اردگرد گھاٹ بنا لیے۔"

فوائد: ابن ابی قحافہ سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے دو ڈول نکالے ڈول نکالنے کی تعبیر امور خلافت کو انجام دینے سے ہے، حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کمزوری سے مراد مالِ غنیمت کی کمی ہے کیونکہ آپ کے دور میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے آپ انہیں دین اسلام کی طرف واپس لانے کے لیے ان کی سرکوبی میں لگے رہے یہ عمل فتوحات اور ان کے نتیجہ میں مال غنیمت سے کہیں بڑھ کر درجہ رکھتا ہے چونکہ ارتداد کا عمل آپ کے دور حکومت میں ہوا تھا اس لیے مذکورہ کمزوری کو ان کی طرف منسوب کیا گیا پھر اسے معاف کر دیا گیا کیونکہ آپ نے انہیں اسلام کی طرف واپس لانے میں پوری توانائیاں صرف کر دیں، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس قدر طاقت اور مہارت سے ڈول کھینچے یہ بھی ان کے کامیاب دور حکومت کی طرف اشارہ ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو پانی کھینچا اسے اللہ کی مشیت سے منسلک کیا ہے کیونکہ اللہ کی مشیت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ انسان کی اپنی چاہت بھی ہوتی ہے لیکن وہ بھی اللہ کی مشیت کے تحت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔" (الدھر:۳۰)

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی اپنی چاہت ہی سب کچھ نہیں جب تک کہ اللہ کی

چاہت شامل حال نہ ہو اور اللہ کی چاہت اندھیر نگری نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد اس کی حکمت اور وسیع علم ہے۔

٧٤٧٦۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ وَرُبَّمَا قَالَ جَاءَهُ السَّائِلُ أَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ: ((اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا وَيَقْضِي اللَّهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ مَا شَاءَ)). [راجع: ١٤٣٢]

٧٤٧٦: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جب رسول اللہ کے پاس کوئی سائل یا ضرورت مند آتا تو فرماتے: ''اس کے متعلق سفارش کرو تمہیں ثواب دیا جائے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبانی وہی جاری کرتا ہے جو چاہتا ہے۔''

فوائد: رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے انتہائی خیر خواہ اور ہمدرد تھے، کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے جس میں امت کی فلاح و بہبود مضمر ہوتی تھی حتیٰ کہ بعض کام جنہیں عام انسان معمولی خیال کرتا اس کے متعلق بھی آپ راہنمائی فرماتے تاکہ لوگ حصول ثواب میں شریک ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کسی کی حق تلفی کریں گے لیکن اس کے باوجود اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سفارش کرنے کی تلقین کرتے تاکہ وہ سفارش کے نتیجہ میں ثواب کے حق دار ٹھہریں اس حدیث میں مشیت الٰہی کا واضح اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے میری زبان سے عطیہ کے الفاظ نکلتے ہی سفارش کرنے والے مفت میں ثواب حاصل کر لیتے ہیں اگرچہ ان کی سفارش مشیت الٰہی پر اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، کوئی چیز اس کی مشیت کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی جبکہ اسباب اس کی مشیت کے تحت ہیں امام بخاری اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے یہ حدیث لائے ہیں۔ (واللہ اعلم)

٧٤٧٧۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ سَمِعَ أَبَا

٧٤٧٧: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں

هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا يَقُلْ: أَحَدُكُمُ اللَّهُمَّ! اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِي إِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْأَلَتَهُ إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ لَا مُكْرِهَ لَهُ)). [راجع: ٦٣٣٩]

کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی بایں الفاظ دعا نہ کرے اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے معاف کر دے اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر، اگر تو چاہے تو مجھے رزق عطا فرما، بلکہ انسان کو چاہیے کہ وہ عزم اور پختگی کے ساتھ سوال کرے کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔''

فوائد: دعا کرتے وقت اللہ کی مشیت پر موقوف رکھنے سے منع کیا گیا ہے اس کی دو وجوہات ہیں۔

① مشیت پر موقوف رکھنے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اسے چاہت کے بغیر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ تصور درست نہیں کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اسے کوئی بھی مجبور نہیں کرسکتا۔

② اس انداز سے دعا کرنا گویا مطلوب اور مطلوب منہ سے لاپرواہی ظاہر ہوتی ہے لہٰذا دعا کرتے وقت مشیت الٰہی پر موقوف رکھنے کے بجائے پورے عزم کے ساتھ دعا کرنا چاہیے سوال میں پختگی کا مطلب یہ ہے کہ طلب میں شدت ہو،، اس میں کسی قسم کی لچک کا اظہار نہ ہو اور نہ ہی ایسے سوال کو مشیت پر موقوف رکھا جائے۔ (شرح کتاب التوحید ص:۲۹۱، ، ج۲)

٧٤٧٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرٌو قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى أَهُوَ

حدیث نمبر ۷۴۷۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ اور حر بن قیس بن حصن الفزاری رضی اللہ عنہما موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے متعلق اختلاف کر رہے تھے کہ کیا وہ حضرت خضر علیہ السلام ہی تھے؟ اتنے میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں بلایا اور کہا کہ میں اور میرا

خَضِرٌ؟ فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ الْأَنْصَارِيُّ فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ: إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيْلَ إِلَى لُقِيِّهِ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللَّهِ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ قَالَ: نَعَمْ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللَّهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((بَيْنَا مُوْسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ؟ فَقَالَ مُوْسَى: لَا فَأُوْحِيَ إِلَى مُوْسَى بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ فَسَأَلَ مُوْسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْحُوْتَ آيَةً وَقِيلَ لَهُ: إِذَا فَقَدْتَ الْحُوْتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ فَكَانَ مُوْسَى يَتْبَعُ أَثَرَ الْحُوْتِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ فَتَى مُوْسَى لِمُوْسَى: ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوْتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ﴾ قَالَ مُوْسَى: ﴿ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ فَوَجَدَا خَضِرًا وَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا مَا قَصَّ اللَّهُ)). [راجع: ٧٤]

یہ ساتھی شک میں مبتلا ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے وہ "صاحب" کون تھے جن سے ملاقات کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے راستہ پوچھا تھا؟ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں کوئی حدیث سنی ہے، انہوں نے کہا" ہاں" میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا "کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک مجمع میں تھے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور سوال کیا آیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا مجھ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے، چنانچہ آپ پر وحی نازل ہوئی کیوں نہیں ہمارا بندہ خضر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ملاقات کا راستہ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک مچھلی کو نشان قرار دیا اور آپ سے کہا گیا کہ جب تم مچھلی کو گم پاؤ تو واپس لوٹ آنا وہیں ان سے ملاقات ہوگی اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کے کنارے مچھلی کا نشان تلاش کرتے رہے، آپ کے خادم نے انہیں بتایا آپ کو معلوم نہیں کہ جہاں ہم نے چٹان کے سایہ میں آرام کیا تو میں مچھلی وہاں بھول گیا تھا اور مجھے شیطان نے اسے یاد کرنے سے غافل کر

دیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ وہی جگہ ہے جس کی تلاش میں ہم سرگرداں ہیں وہ فوراً اپنے پاؤں کے نشانات پر واپس ہو گئے اور انہوں نے وہاں حضرت خضر علیہ السلام کو پا لیا، ان دونوں کا وہ قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔"

فوائد: ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ کر رہے تھے وہ تقریر اس قدر پر تاثیر تھی کہ حاضرین پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، ایک شخص نے متاثر ہو کر سوال کر دیا کہ آپ سے زیادہ کوئی علم رکھنے والا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چاہیے تھا کہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دیتے لیکن انہوں نے کہا کہ یہاں کوئی مجھ سے زیادہ عالم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ انداز پسند نہ آیا اور انہیں بتایا کہ حضرت خضر علیہ السلام میرے بندے ایسے ہیں جو تجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں، اس بنا پر آپ نے سمندری سفر کرنے کی زحمت کی، قرآن کریم میں اس واقعہ کی تفصیل ہے کہ پہلے کشتی میں سوراخ کیا پھر ایک معصوم بچے کو مار ڈالا آخر میں اجرت کے بغیر ایک گری ہوئی دیوار کو سہارا دیا۔

امام بخاری نے اس مقام پر انتہائی اختصار سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور اس میں محل استشہاد بھی نہیں بیان ہوا آپ نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس مین درج ذیل آیت کریمہ مذکور ہے:

"موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ مجھے ان شاء اللہ صابر پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔" (الكهف:٦٩)

امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔

(صحيح بخاری، التفسير:٤٧٢٥)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رفاقت کے دوران صبر کرنے کو اللہ کی مشیت پر موقوف رکھا اور اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پورا عزم کیا لیکن اللہ

تعالیٰ کی مشیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش کے تابع نہ تھی کہ اسے پورا ہونے دیا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تمام معاملات پر غالب ہوتی ہے کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اسے کوئی عاجز کرنے والا نہیں، اس لیے موسیٰ علیہ السلام بھرپور کوشش کے باوجود اپنے پروگرام کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے رسول اللہ ﷺ نے بھی اس پر بایں الفاظ تأسف فرمایا کہ "کاش موسیٰ علیہ السلام صبر سے کام لیتے تاکہ ہمارے سامنے اللہ کی قدرت کے عجائبات کا مظاہرہ ہوتا۔"

(صحيح بخاری، التفسير:٤٧٢٧)

٧٤٧٩۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((نَنْزِلُ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلَى الْكُفْرِ)) يُرِيدُ الْمُحَصَّبَ. [راجع: ١٥٨٩]

۷۴۷۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہم ان شاء اللہ کل خیف بنی کنانہ میں قیام کریں گے جہاں ایک زمانہ میں کفار مکہ نے کفر پر قائم رہنے کے لیے آپس میں قسمیں آٹھائی تھیں۔" خیف بنی کنانہ سے مراد وادی محصب تھی۔

فوائد: وادی محصب مکہ مکرمہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے وہاں قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب سے بائیکاٹ کرنے کے متعلق قسمیں اٹھائیں تھیں، ان کا باہمی معاہدہ ہوا تھا کہ ہم ان سے خرید و فروخت، شادی بیاہ، رہنا سہنا اور لین دین نہیں کریں گے تا آنکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حوالے کر دیں اس بائیکاٹ کے معاہدے کو لکھ کر بیت اللہ سے آویزاں کر دیا تھا، اس کی وضاحت کتاب الحج میں ہے۔ (صحيح بخاری، الحج:١٥٩٠)

اس حدیث میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحجہ کی بارہ تاریخ منیٰ میں قیام کے دوران فرمایا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے مذکورہ عزم کا اظہار کیا تھا۔ (صحيح بخاری، المناقب:٣٨٨٢)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع اور فتح مکہ دونوں مواقع پر اس کا اظہار کیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنے عزم کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اسباب و ذرائع مہیا فرمائے اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ممکن اور آسان کام کو غیر ممکن اور مشکل کر دے کیونکہ کائنات کا نظام اس کی مشیت سے وابستہ ہے۔ (واللہ اعلم)

٧٤٨٠- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: حَاصَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَهْلَ الطَّائِفِ فَلَمْ يَفْتَحْهَا فَقَالَ: ((إِنَّا قَافِلُوْنَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ)) فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ: نَقْفُلُ وَلَمْ نَفْتَحْ؟ قَالَ: ((فَاغْدُوْا عَلَى الْقِتَالِ)) فَغَدَوْا فَأَصَابَتْهُمْ جِرَاحَاتٌ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّا قَافِلُوْنَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ)) فَكَأَنَّ ذَلِكَ أَعْجَبَهُمْ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ. [راجع: ٤٣٢٥]

۷۴۸۰: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا لیکن ابھی فتح نہیں کیا تھا کہ آپ نے فرمایا: "ہم ان شاء اللہ کل مدینہ واپس چلے جائیں گے۔" مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم فتح کئے بغیر ہی لوٹ جائیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تمہارا یہی عزم ہے تو پھر کل صبح لڑائی شروع کرو۔" لیکن جب وہ صبح جنگ کرنے کے لیے گئے تو بہت زخمی ہو گئے یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہم ان شاء اللہ کل واپس چلے جائیں گے۔" اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے، مسلمانوں کا یہ حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے۔

فوائد: رسول اللہ ﷺ جب غزوہ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا، چونکہ وہ بڑے نشانہ باز اور تیر انداز تھے اس لیے اس قلعہ کو فتح کرنا مشکل تھا وہاں تادیر قیام کی ضرورت تھی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر شفقت فرماتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا کہ ہم کل مدینہ لوٹ جائیں گے لیکن مسلمانوں کو یہ پروگرام پسند نہ آیا اور اسے فتح کرنے

کا عزم کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تمہارا اسے فتح کرنے کا پروگرام ہے تو صبح جنگ کا آغاز کر دو چنانچہ جنگ شروع کر دی گئی، مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا اور انہیں کاری زخم لگے، جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو پھر فرمایا ہم ان شاء اللہ واپس لوٹ جائیں گے، اس عزم پر مسلمان بہت خوش ہوئے اب انہیں پتہ چلا کہ خیر و برکت تو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر عمل کرنے میں ہے رسول اللہ ﷺ ان کے عزم کی تبدیلی پر مسکرا دیئے کہ ابھی کل کی بات ہے کہ لڑنے پر آمادہ تھے اور آج واپسی کے لیے خوش ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث سے اللہ کی مشیت کو بیان کیا ہے کہ پہلے دن رسول اللہ ﷺ نے واپسی کا عزم کیا اور اسے اللہ کی مشیت پر موقوف رکھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا اور اس کے اسباب مہیا نہ فرمائے اگلے دن پھر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ لوٹ جانے کا عزم کیا اور اسے اللہ کی مشیت پر موقوف رکھا اب یہ پروگرام اللہ کی مشیت کے عین مطابق تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اسباب اور ذرائع مہیا کر دیئے بہرحال اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی کی محتاج نہیں ہے وہ تمام جہاں میں کارفرما ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے وہ بے نیاز اور بے پرواہ ہے اس سلسلہ میں کسی کا محتاج نہیں، البتہ ہم اس بات کے پابند ہیں کہ اپنے آئندہ کے پروگرام اللہ کی مشیت سے وابستہ کریں، اس میں کامیابی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ کامیابی یا ناکامی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور تم چاہ نہیں سکتے مگر وہی کچھ جو اللہ رب العالمین چاہتا ہو۔" (التکویر:۲۹)

مختصر یہ ہے کہ اللہ کے ارادے کی دو اقسام ہیں (۱) ارادہ کونیہ (۲) ارادہ شرعیہ

ارادہ کونیہ جو مشیت کے معنی میں ہو جیسا کہ قرآن میں ہے: "اگر اللہ یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کر دے۔" ارادہ شرعیہ جو محبت کے معنی میں ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر توجہ دے لیکن اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کو پسند فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز وقوع پذیر بھی ہو جائے البتہ جب ارادہ کونیہ فرماتا ہے تب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ چیز فوراً پیدا ہو جاتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔" (یٰسین:۸۲)

البتہ شرعی ارادہ میں اس کا وقوع پذیر ہونا ضروری نہیں کیونکہ محبوب چیز کبھی وقوع پذیر ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ (واللہ اعلم)

(۲۲) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ [٣٤/ سبا: ٢٣]

وَلَمْ يَقُلْ مَاذَا خَلَقَ رَبُّكُمْ وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ ﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ [٢/ البقرة: ٢٥٥]

وَقَالَ مَسْرُوْقٌ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ: إِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحْيِ سَمِعَ أَهْلُ السَّمٰوَاتِ شَيْئًا فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ وَسَكَنَ الصَّوْتُ عَرَفُوْا أَنَّهُ الْحَقُّ وَنَادَوْا: ﴿مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ﴾.

وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((يَحْشُرُ اللّٰهُ الْعِبَادَ فَيُنَادِيهِمْ بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ مَنْ بَعُدَ كَمَا يَسْمَعُهُ مَنْ قَرُبَ أَنَا الْمَلِكُ أَنَا الدَّيَّانُ)).

ارشاد باری تعالیٰ ہے

”اس کے ہاں صرف اس شخص کی سفارش فائدہ دے سکتی ہے، جس کے لیے وہ خود اجازت دے حتیٰ کہ جب ان لوگوں سے گھبراہٹ دور ہوگی تو وہ پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ جواب دیں گے حق فرمایا ہے اور وہ عالی شان نیز سب سے بڑا ہے۔“ (سبا:۲۳)

یہ نہیں کہا کہ تمہارے رب نے کیا پیدا کیا ہے؟

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے

”وہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے۔“ (البقرہ:۲۳)

حضرت مسروق نے جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی

کے ذریعے کلام کرتا ہے تو آسمان والے کچھ سنتے ہیں پھر جب ان کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے اور آواز بھی ٹھہر جاتی ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کلام برحق تھا پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بیان کیا جاتا ہے وہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جمع کرے گا پھر انہیں ایسی آواز سے پکارے گا کہ دور والے سنیں گے جیسے قریب والے سنتے ہیں اللہ فرمائے گا میں بادشاہ ہوں، ہر ایک کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہوں۔

وضاحت: امام بخاری کی اس عنوان سے غرض اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام کی وضاحت کرنا ہے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام بخاری کی طرف سے یہ پہلا عنوان ہے جس کے تحت انہوں نے مسئلہ کلام سے متعلق گفتگو کی ہے اور اس کی بے شمار فروعات ہیں۔

(فتح الباری، ص٤٥٥ ج ١٣)

مسئلہ کلام کے متعلق چار مذاہب ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت غیر مخلوق ہے اور اس کے شایان شان مبنی بر حقیقت اور اصوات وحروف پر مشتمل ہے لہٰذا اسے بلا تحریف و تعطیل اور بلا تکییف و تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، اس کی دو اقسام ہیں۔ صفت ذات، اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہے اور ہمیشہ متکلم رہے گا ایسا نہیں کہ وہ پہلے متکلم نہیں تھا اور بعد میں متکلم ہوا۔

صفت فعل، اس کا مطلب ہے کہ اس کی بعض کلام اس کی مشیت کے تابع ہیں، اس نے جب چاہا، جو چاہا اور جیسے چاہا کلام کیا، اس قسم کا کائنات کے ساتھ تعلق حادث ہوتا ہے۔

☆ دوسرا مذہب جہمیہ کا ہے کہ کلام اللہ کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ہوا میں یا جہاں سے سنائی دیتی ہے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت، نسبت خلق یا نسبت تشریف ہے جیسا کہ ناقۃ اللہ اور بیت اللہ میں ہے۔

☆ اشعری حضرات کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اس کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کی مشیت سے متعلق نہیں ہے اور یہ سنے جانے والے حروف

اور آوازیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جو اس نے اپنی صفت کلام کی تعبیر کے لیے پیدا کئے ہیں،

☆ چوتھا مذہب توقف وتفویض کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے متعلق توقف کیا جائے ،اس کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کے متعلق بحث نہ کی جائے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیا جائے۔

امام بخاری نے پیش کردہ آیات واحادیث سے اہل سنت کا موقف ثابت کیا ہے کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ حروف اور سنی جانے والی آوازوں کے ساتھ کلام فرماتا ہے چنانچہ پہلی آیت میں ہے کہ فرشتے جب اللہ کا کلام سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ یہ نہیں کہتے کہ تمہارے رب نے کیا پیدا کیا ہے چنانچہ امام بخاری نے پہلی آیت کے آخر میں اس کی وضاحت کی ہے نیز ان دونوں آیات میں قیامت کے دن سفارش کو اللہ کے اذن پر موقوف رکھا گیا ہے، ذات باری تعالیٰ کا اذن بھی کلام پر مشتمل ہوگا کم ازکم جسے سفارش کی اجازت دی جائے گی وہ تو ضرور سنے گا، اس سے بھی کلام الٰہی کا ثبوت ملتا ہے اور ان گمراہ لوگوں کی تردید ہے جو کلام الٰہی کے منکر ہیں یا اسے حروف وآواز کے بغیر تسلیم کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس سلسلہ میں دو معلق روایات بھی پیش کی ہیں چنانچہ پہلی روایات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ومرفوعاً دونوں طرح مروی ہے، حافظ ابن حجر نے امام احمد کے حوالہ سے متصل سند سے اس روایت کو بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

”جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو آسمان والے زنجیروں کے کھینچے جانے کے وقت نکلنے والی آواز کی طرح آواز سنتے ہیں۔“

(فتح الباری: ص۵۵۸ ج۱۳)

”امام ابوداؤد نے اسے مرفوع حدیث کے طور پر پیش کیا ہے۔“ (ابو داؤد' السنة ٤٧٣٨)

”حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہ مضمون قدرے مختلف الفاظ سے مروی ہے۔“ (تفسیر طبری، ص۹۱ ج ۱۲)

دوسری معلق روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بواسطہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ مروی ہے، اسے امام بخاری نے متصل سند سے اپنی کتاب الادب المفرد (ص ۳۳۷) میں بیان کیا ہے،

امام احمد نے بھی اسے مرفوعاً بیان کیا ہے۔(مسند امام احمد ص ٤٩٥ ج ٣)

امام بخاری نے ان روایات سے معتزلہ، خوارج، مرجۂ اور جہمیہ کی تردید کی ہے، ان کا موقف ہے کہ اللہ کے متکلم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوح محفوظ یا کسی دوسری چیز درخت وغیرہ میں کلام پیدا کرنے والا ہے۔ وہ ایسی گفتگو نہیں کرتا جو براہ راست اس سے سنی جا سکے اور وہ حروف واصوات پر مشتمل نہیں ہوتی جبکہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور وہ ایسی گفتگو کرتا ہے جسے آسمانوں میں رہنے والے فرشتے سنتے ہیں اور وہ آواز وحروف پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ مذکورہ احادیث میں صراحت ہے اور اس کی کلام مخلوق کی کلام سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی کیونکہ مخلوق کی کلام صرف نزدیک سے سنی جا سکتی ہے جبکہ قیامت کے دن اللہ کی گفتگو کو ہر نزدیک، دور والا سنے گا، یہ صفت اللہ کے ساتھ مختص ہے،

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ''ندا'' کو اللہ کی طرف سے منسوب کیا گیا ہے اور ندا سے مراد وہ کلام ہے جو آواز حروف پر مشتمل ہو وھوالمقصود

الغرض مسئلہ کلام باری کے متعلق بہت سے لوگ راہ راست سے بھٹک گئے انہوں نے ایسی تاویلات کا سہارا لیا جو بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہیں، اللہ تعالیٰ جو ہر شئی پر قادر ہے اور تمام کمالات سے متصف ہے اس نے اپنی ادنی سی مخلوق انسان کو کلام کی ایسی طاقت دی ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنا اظہار مافی الضمیر کرتا ہے لیکن وہ اللہ جو خود کلام نہ کر سکے اور نہ ہی اپنی آواز کسی کو سنا سکے اور اس کی مخلوق سہولت اور فراغت کے ساتھ جب چاہیں جو چاہیں باتیں کریں ہمارے نزدیک بچوں اور بے وقوف لوگوں کا یہ خیال ہو سکتا ہے عقلمند اور صاحب بصیرت انسان اس قسم کے خیالات سے کوسوں دور ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر گامزن رکھے اور قیامت کے دن اپنی رحمت کا معاملہ کرے۔

٧٤٨١ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ

٧٤٨١: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ''جب اللہ

قَالَ: ((إِذَا قَضَى اللَّهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ...... قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ: صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذَلِكَ فَإِذَا: ﴿فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾)).

تعالیٰ آسمان میں کوئی فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اس کے فیصلے کے آگے اظہار عاجزی کرنے کے لیے اپنے پَر مارتے ہیں گویا ان کے پَروں کی ایسی آواز ہوتی ہے جیسے صاف پتھر پر زنجیر ماری گئی ہو۔

قَالَ عَلِيٌّ: وَحَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِهَذَا؟

شیخ بخاری علی بن مدینی نے کہا سفیان کے علاوہ دوسرے راویوں نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ یہ حکم فرشتوں کو پہنچاتا ہے۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کی جاتی ہے تو وہ عرض کرتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا کہا ہے؟ وہ کہتے ہیں حق فرمایا ہے اور وہ اللہ بلند وبرتر اور بزرگ ہے۔

قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ. قَالَ عَلِيٌّ: قُلْتُ لِسُفْيَانَ قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ: أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ لِسُفْيَانَ: إِنَّ إِنْسَانًا رَوَى عَنْ عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَرْفَعُهُ أَنَّهُ قَرَأَ: فُرِّغَ قَالَ سُفْيَانُ: هَكَذَا قَرَأَ عَمْرٌو فَلَا أَدْرِي سَمِعَهُ هَكَذَا أَمْ لَا قَالَ سُفْيَانُ: وَهِيَ قِرَاءَتُنَا. [راجع: ٤٧٠١]

علی بن مدینی نے کہا ان سے سفیان نے، ان سے عمرو نے، ان سے عکرمہ نے اور ان سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہی حدیث بیان کی۔ سفیان نے کہا، ان سے عمرو نے بیان کیا، انہوں نے عکرمہ سے سنا اور ان سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ علی بن مدینی نے کہا میں نے سفیان بن عیینہ سے دریافت کیا کہ عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے عکرمہ سے سنا انہوں نے کہا میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا تو سفیان بن عیینہ نے اس امر کی تصدیق کی۔ میں نے سفیان بن

عیینہ سے کہا کہ ایک شخص، عمرو بن دینار کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ذکر کرتا ہے کہ انہوں نے فزع کے بجائے فرغ پڑھا ہے، سفیان بن عیینہ نے کہا کہ عمرو بن دینار نے ایسا ہی پڑھا تھا، اب مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے اس طرح سنا ہے، یا نہیں سفیان بن عیینہ نے کہا ہماری قراءت بھی اسی طرح ہے۔

فوائد: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے مراد اس کا کسی چیز کے متعلق فرشتوں کو حکم دینا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی گزشتہ احادیث میں وضاحت ہے اور فرشتوں کا اظہار عاجزی کے پیش نظر اپنے پَروں کا مارنا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے اور حکم کو سنتے ہیں نیز حروف و آواز پر مشتمل کلام کو ہی سنا جا سکتا ہے، امام بخاری بھی اس امر کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کلام بھی حروف و آواز پر مشتمل ہے اور وہ سنی جا سکتی ہے لیکن وہ مخلوق کی کلام سے مشابہت نہیں رکھتی، اللہ تعالیٰ بھی حقیقی کلام کا اظہار کرتا ہے جسے فرشتے سنتے ہیں اور اظہار عاجزی کے لیے اپنے پَر مارتے ہیں جن سے ایسی آواز برآمد ہوتی ہے جیسا کہ سخت چٹان پر لوہے کی زنجیر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔

امام بخاری نے حدیث کے اختتام پر کچھ اسناد ذکر کی ہیں، ان سے آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عکرمہ سے تدلیس کے شبہ کو دور کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ مذکورہ حدیث متصل سند سے مروی ہے اور اس میں تدلیس کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٤٨٢ـ حَـدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَـدَّثَـنَـا الـلَّيْـثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَـابٍ قَـالَ: أَخْبَـرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ

۷۴۸۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی بات کو اتنی توجہ سے

عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَا أَذِنَ اللَّهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ)) وَقَالَ صَاحِبٌ لَهُ: يُرِيدُ أَنْ يَجْهَرَ بِهِ. [راجع: ٥٠٢٠]

نہیں سنتا جس قدر رسول اللہ ﷺ کے قرآن پڑھنے کو متوجہ ہو کر سنتا ہے۔ جبکہ وہ اسے خوش الحانی سے پڑھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ جب آپ اسے بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔

فوائد: شارحین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری کے قائم کردہ عنوان کے مطابق نہیں ہے حتی کہ علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے حدیث میں مذکور لفظ اذن سے قول مراد لیا ہے، حالانکہ امام بخاری جیسے فقیہ سے یہ بات بہت بعید ہے۔ (عمدة القاری، ص ٦٧٢ ج ١٦)
ہمارے نزدیک اس لفظ کا معنی متوجہ ہو کر سننا ہے، امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ توجہ سے اسی کلام کو سنا جا سکتا ہے جو حروف و آواز پر مشتمل ہو اور خوش الحانی سے بھی وہی کلام پڑھی جا سکتی ہے جو الفاظ واصوات پر مشتمل ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی حروف آواز پر مشتمل ہے اور وہ حقیقی کلام سے متصف ہے۔ واللہ اعلم

٧٤٨٣۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((يَقُولُ اللَّهُ: يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ فَيُنَادَى بِصَوْتٍ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ)). [راجع: ٣٣٤٨]

٧٤٨٣: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اے آدم! وہ عرض کریں گے "لبیک وسعدیک" پھر بلند آواز سے ندا دے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے تم اپنی نسل سے جہنم کا لشکر نکال کر باہر کر دو۔

فوائد: اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے کلام میں آواز اور حروف ہیں اور اسے سنا جا سکتا ہے اور ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کی کلام صرف نفسی

کلام ہے جس میں حروف وآواز نہیں ہیں کیونکہ جس کلام میں آواز اور حروف ہوتے ہیں وہ حادث ہے اور اللہ کی کوئی صفت بھی حادث نہیں ہے، ان لوگوں نے اللہ کی کلام کو مخلوق کی کلام کے مثل قرار دیا، پھر قیاس کا سہارا لیتے ہوئے، اس کی تاویلیں کی ہیں، حالانکہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ باآواز بلند حضرت آدم کو حکم دے گا کہ تم اپنی اولاد سے جہنم کا لشکر الگ کردو، ترمذی کی ایک روایت میں اس کی مزید وضاحت ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے مندرجہ ذیل دو آیات باآواز بلند تلاوت فرمائیں۔

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو، بلاشبہ قیامت کا جھٹکا بڑی ہولناک چیز ہے، اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔“ (الحج: ۱۔۲)

پھر آپ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ ایسا کب ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ اس دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم کو باآواز بلند فرمائے گا اے آدم! اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر الگ کردو، حضرت آدم عرض کریں گے اے پروردگار! دوزخ کے لیے کتنا لشکر الگ کردوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم کے لیے اور ایک شخص جنت کے لیے۔ (ترمذی، التفسیر: ۳۱۶۹)

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ باآواز بلند حضرت آدم کو جہنم کا حصہ الگ کردینے کا حکم دے گا، اور یہ حکم آواز اور حروف پر مشتمل ہوگا، وھو المقصود

٧٤٨٤ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ وَلَقَدْ أَمَرَهُ رَبُّهُ أَنْ يُبَشِّرَهَا

۷۴۸۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے جس قدر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر غیرت آتی تھی اور کسی عورت پر نہیں آتی تھی، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ وہ انہیں جنت میں ایک گھر کی

بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ. [راجع: ٣٨١٦]   بشارت دے دیں۔

فوائد: دوسری روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیرت کا سبب بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں اکثر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات ایک بکری ذبح کرتے پھر ان کی سہیلیوں کے ہاں کافی مقدار میں گوشت بھیجتے تھے۔

(صحیح بخاری، مناقب: ٣٨١٦)

اس حدیث سے امام بخاری نے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ کا کلام نفسی نہیں بلکہ حروف و آواز پر مشتمل ہے اور قدیم ہی نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً وہ جب چاہتا ہے کلام کرتا رہتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بشارت دینے کے لیے کلام فرمایا، اس حدیث میں لفظ ''امر'' آیا ہے اور امر کلام سے ہوتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے کلام کی نفی کی اس نے گویا رسالت کی نفی کی ہے کیونکہ رسالت مامورات اور منہیات پر مشتمل ہوتی ہے۔

(شرح کتاب التوحید: ص ٣٢٨ ج ٢)

(٣٣) بَابُ كَلَامِ الرَّبِّ مَعَ جِبْرِيلَ وَنِدَاءِ اللَّهِ الْمَلَائِكَةَ

وَقَالَ مَعْمَرٌ: ﴿وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ﴾ [٢٧/ النمل: ٦] أَيْ يُلْقَى عَلَيْكَ وَتَلَقَّاهُ أَنْتَ أَيْ تَأْخُذُهُ عَنْهُمْ وَمِثْلُهُ ﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ﴾.

[٢/ البقرة: ٣٧]

اللہ تعالیٰ کا حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنا اور دوسرے فرشتوں کو ندا دینا

''ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور آپ یہ قرآن ایک حکیم و علیم ہستی کی طرف سے پا رہے ہیں۔''

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت معمر نے فرمایا کہ تم پر یہ قرآن القاء کیا جاتا ہے اور تم اسے فرشتوں سے اخذ کرتے ہو جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے۔''

وضاحت: لغوی اعتبار سے تلقی کا معنی آگے بڑھ کر ملاقات کرنا ہے جسے ہم استقبال سے

تعبیر کرتے ہیں چونکہ رسول اللہ ﷺ وحی کے انتظار میں رہتے کہ کس وقت وحی اترتی ہے؟ گویا جب وحی اترتی تو آپ اس کا استقبال کرتے، امام بخاری ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام حروف و آواز پر مشتمل ہے اور اللہ کا کلام کرنا مبنی بر حقیقت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہم کلام ہوتا ہے اور دیگر فرشتوں کو بھی ندا دیتا ہے اور اس کی ندا کلام ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٤٨٥۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا نَادَى جِبْرِيلَ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ يُنَادِي جِبْرِيلُ فِي السَّمَاءِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ وَيُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ)). [راجع: ٣٢٠٩]

٧٤٨٥: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں پھر وہ آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین والوں میں رکھ دی جاتی ہے۔

فوائد: امام بخاری نے کلام الٰہی کی حقیقت و ماہیت کو ثابت کرنے کے بعد اب اس کی اقسام و انواع کا ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے ہم کلام ہونا بھی ایک قسم ہے جسے اس عنوان میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کلام کرتے ہیں کہ وہ فلاں آدمی سے محبت کرتے ہیں واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کے کئی ایک اسباب ہیں ان میں سے ایک توبہ و استغفار ہے اور ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک رہنا بھی اللہ کی بندے سے محبت کا باعث ہے، اس کے علاوہ دشمن اسلام کے سامنے سینہ

سپر ہونا اور کثرت نوافل کا اہتمام کرنا بھی اللہ کی محبت کے اسباب ہیں، بہر حال اللہ تعالیٰ جب چاہے، اور جس سے چاہے گفتگو کرتا ہے، اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا حضرت جبرئیل کو ندا دینا ثابت ہے اور نداء باآواز بلند پکارنے کا کہا جاتا ہے، انہی الفاظ سے عنوان ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٤٨٦۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ وَصَلَاةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ)). [راجع: ٥٥٥]

٧٤٨٦: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس رات اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور عصر و فجر کی نمازوں میں وہ اکٹھے ہوتے ہیں پھر وہ فرشتے جو تم میں رات گزارتے ہیں جب اوپر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ بندوں کے احوال سے خوب واقف ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

فوائد: اس حدیث کے مطابق فرشتے لوگوں کے شب و روز کے عمل لے کر اوپر جاتے ہیں، اسی طرح ان کا تانتا لگا رہتا ہے، اس حدیث سے امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے علاوہ دوسرے فرشتوں سے بھی کلام کرتا ہے اور اس کا کلام قرآن مجید کے علاوہ بھی ہے، اللہ کا کلام حروف و اصوات پر مشتمل، مبنی بر حقیقت ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے سوال کرنے کا ذکر ہے اور سوال ایسی کلام سے ہوتا ہے جو دوسروں کو سنائی دے اور وہ کلام حروف و آواز پر مشتمل ہو۔ کلام نفسی کے ذریعے سوال کرنا چہ معنی دارد؟ واللہ اعلم۔

اس حدیث میں رات گزارنے والے فرشتوں کا خاص طور پر اس لئے ذکر ہوا کہ جو لوگ رات کے وقت نیک کام کرنے میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رات کو آرام کے لیے بنایا ہے تو وہ دن کے اوقات میں بطریق اولی اللہ کی اطاعت میں مصروف رہتے ہوں گے۔

٧٤٨٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أَتَانِي جِبْرِيْلُ فَبَشَّرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) قُلْتُ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى قَالَ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى. [راجع: ١٢٣٧]

٧٤٨٧: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور مجھے خوشخبری دی کہ جو شخص بایں حالت فوت ہو جائے کہ وہ کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ جنت میں جائے گا، میں نے عرض کیا اگرچہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب ہو؟ آپ نے فرمایا گو وہ چوری اور زنا کا مرتکب ہو۔

فوائد: فرشتوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ہم تیرے پروردگار کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔" (مریم:٦٤)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس وقت اترتے تھے جب انہیں اللہ کا امر ہوتا اس بناء پر حدیث میں مذکورہ بشارت بامر الٰہی تھی گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہم کلام ہو کر یہ پیغام دیا، اور پیغام ہمیشہ کلام سے دیا جاتا ہے اور اس میں نداء بھی داخل ہے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤحد اگرچہ گنہگار ہو آخرکار جنت کا حقدار ہوگا خواہ اللہ تعالیٰ اسے گناہوں کی سزا دے دے یا معاف کر دے۔

(٣٤) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُوْنَ﴾ [٤/ النساء: ١٦٦] قَالَ مُجَاهِدٌ:

﴿يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ [٦٥/ الطلاق: ١٢] بَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ وَالْأَرْضِ السَّابِعَةِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے، اپنے علم کی بناء پر اتارا ہے اور فرشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔

امام مجاہد نے فرمایا کہ آیت کریمہ ''ان کے درمیان حکم نازل ہوتا ہے۔'' کا مفہوم بایں طور ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اترتے رہتے ہیں۔''

وضاحت: اس عنوان سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ قرآن سناتا تھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام یہی کلام رسول اللہ ﷺ کو سناتے تھے، یہ قرآن الفاظ و معانی پر مشتمل ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور اللہ کا کلام مخلوق نہیں جیسا کہ جہمیہ اور معتزلہ کہتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت لامحدود ہے اس طرح اس کے کلام کی پہنائیاں اور حقائق بھی لامحدود ہیں، فرشتوں کی گواہی اس لحاظ سے قابل اعتبار ہے کہ کائنات کے جملہ امور اللہ کے اذن سے انہی کے ہاتھوں سرانجام پارہے ہیں اور اللہ کا کلام بھی انہی کے ذریعے نازل ہوا ہے۔

دوسری آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس عالم رنگ و بو کے انتظام و تدبیر کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام تکونیہ اور شرعیہ ان آسمانوں اور زمینوں میں نازل ہوتے رہتے ہیں۔

٧٤٨٨۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَا فُلَانُ! إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَقُلْ: اَللّٰهُمَّ

٧٤٨٨: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فلاں! جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یہ دعا پڑھا کرو''اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا اور اپنا رخ تیری

أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مُنْجىٰ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنَّكَ إِنْ مُتَّ فِي لَيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَإِنْ أَصْبَحْتَ أَصَبْتَ أَجْرًا)). [راجع: ٢٤٧] [مسلم: ٦٨٨٤]

طرف موڑ دیا، اپنا معاملہ تیرے حوالے کر دیا، تجھ سے ڈرتے ہوئے اور تیری طرف رغبت کرتے ہوئے یہ سب کچھ کیا، تیرے سوا کوئی پناہ اور جائے نجات نہیں، اے اللہ! میں تیری کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی ہے اور تیرے نبی کو مان لیا جو تو نے بھیجا ہے۔" اگر تو اس رات فوت ہو جائے تو فطرت اسلام پر تمہاری موت ہوگی اور اگر صبح کو زندہ اٹھے تو تجھے اجر و ثواب ملے گا۔

فوائد: عنوان سابق میں اللہ کا حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ہم کلام ہونا بیان ہوا تھا اور اس باب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اپنے علم کے مطابق نازل کیا ہے اور یہ قرآن کریم حضرت جبرئیل کے واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوا جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے گفتگو کی اور انہیں قرآن کریم اتارنے کا حکم دیا، اس طرح ہر دو عنادین میں مناسبت ہے، امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسے اتارا گیا ہے، پیدا نہیں کیا گیا، نازل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کا کلام حادث ہے بلکہ وہ اللہ کی صفت ہے، مخلوق کی صفات سے کس طرح سے بھی اس کی مشابہت نہیں ہے، اس حدیث میں ہے کہ اس کتاب پر ایمان لانے کا ذکر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، اس سے امام بخاری نے عنوان کو ثابت کیا ہے، بہر حال قرآن مجید، اللہ کی کلام پر مشتمل ہے اور وہ اس کا نازل کردہ ہے کسی اعتبار سے بھی مخلوق نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٤٨٩۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى

۷۴۸۹: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے دن بایں

قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْأَحْزَابِ: ((اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ وَزَلْزِلْ بِهِمْ)) زَادَ الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي خَالِدٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ. [راجع: ۲۹۳۳]

الفاظ دعا کی اے اللہ! اپنی کتاب قرآن مجید کو نازل کرنے والے، جلدی حساب لینے والے، (دشمن کے) گروہوں کو شکست سے دوچار کر اور ان کے پاؤں اکھاڑ دے۔ امام حمیدی نے اس روایت کو بایں الفاظ بیان کیا۔ ہم سے سفیان بن عیینہ نے بواسطہ ابن ابی خالد بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔

فوائد: اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل صفت کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''قرآن مجید کو نازل کرنے والے۔''

امام بخاری نے ان الفاظ سے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بلکہ اس کی نازل کردہ کتاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس صفت الٰہی کے حوالے سے دعا کی ہے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت مبنی بر حقیقت ہے چونکہ امام بخاری کو فتنہ خلق قرآن سے پالا پڑا تھا، اس لئے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن اللہ کی مخلوق نہیں بلکہ اس کی نازل کردہ کتاب ہے۔

امام بخاری کی پیش کردہ حدیث میں عنعنہ تھا اس لئے آپ نے امام حمیدی سے نقل کیا کہ حدیث کی سند سماع پر مبنی ہے۔

۷۴۹۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ هُشَيْمٍ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ [۱۷/ الاسراء: ۱۱۰] قَالَ: أُنْزِلَتْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُتَوَارٍ بِمَكَّةَ فَكَانَ إِذَا رَفَعَ صَوْتَهُ سَمِعَ

۷۴۹۰: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے درج ذیل آیت کے متعلق فرمایا ''آپ اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بالکل پست آواز سے بلکہ ان کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ اختیار کریں'' (بنی اسرائیل: ۱۱۰) یہ آیت اس وقت نازل

الْـمُشْرِكُوْنَ فَسَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَـنْ جَـاءَ بِـهِ فَـقَـالَ اللَّهُ ﴿لَا تَـجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ حَتَّـى يَسْـمَعَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿وَلَا تُـخَافِتْ بِهَا﴾ عَـنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسْـمِـعُهُـمْ ﴿وَابْتَـغِ بَيْـنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ أَسْـمِـعْهُـمْ وَلَا تَـجْهَرْ حَتَّى يَأْخُذُوا عَنْكَ الْقُرْآنَ. [راجع: ٤٧٢٢]

ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے، جب آپ بلند آواز سے قرآن پڑھتے، اور مشرکین مکہ قرآن سنتے تو قرآن، صاحب قرآن اور قرآن لانے والے حضرت جبرئیل کو برا بھلا کہتے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اپنی نماز میں قرآن کریم باآواز بلند نہ پڑھیں کہ مشرکین قرآن کو برا بھلا کہیں اور نہ اتنی آہستہ پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی راستہ اختیار کریں یعنی آواز اتنی بلند بھی نہ کریں کہ مشرکین سن لیں اور اس قدر آہستہ بھی نہ پڑھیں کہ آپ کے صحابہ سن نہ سکیں بلکہ اس کے بین بین پڑھیں یعنی اپنے صحابہ کرام کو سنائیں اور زیادہ بلند آواز نہ کریں تاکہ صحابہ کرام آپ سے قرآن سیکھ لیں۔

فوائد: رسول اللہ ﷺ اس امید سے قرآن مجید باآواز بلند پڑھتے تھے تاکہ مشرکین اسے سنیں اور اس پر غور وفکر کریں لیکن انہوں نے ردعمل کے طور پر اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا، اس لئے زیادہ اونچا پڑھنے سے آپ کو روک دیا گیا، امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں کیونکہ اس کی صفت ''انزال'' بیان ہوئی ہے اس لئے یہ کلام اللہ کی صفت ہے اس کی مخلوق نہیں کیونکہ مخلوق کی تلاوت نہیں ہوتی اور نہ ہی بلند وپست آواز سے پڑھا جا سکتا ہے، بہرحال قرآن کریم مخلوق نہیں بلکہ اس کی نازل کردہ کتاب ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث کے متعدد دلائل سے ثابت ہے۔

(٣٥) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللّٰهِ﴾ [٤٨/ الفتح: ١٥] ﴿إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾ حَقٌّ ﴿وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ﴾ [٨٦/ الطارق: ١٤، ١٣] بِاللَّعِبِ.

ارشاد باری تعالیٰ:

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل دیں۔''

''بے شک یہ قرآن فیصلہ کن بات ہے۔'' فصل کا معنی ''برحق'' ہے۔ ''یہ کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں۔'' ھزل کا معنی کھیل تماشہ ہے۔

وضاحت: ابن بطال نے لکھا ہے کہ اس عنوان کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ کا کلام اس کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور وہ ہمیشہ سے متکلم ہے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی اس عنوان سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا کلام صرف قرآن کریم کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ وہ ایک ہی نوع پر مشتمل نہیں بلکہ اس کی متعدد انواع ہیں جیسا کہ آئندہ احادیث سے معلوم ہوگا اگرچہ اللہ کا کلام غیر مخلوق اور اس کی صفت قائمہ ہے تاہم وہ اپنی کلام سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے، بندوں کی حاجات وضروریات کے پیش نظر ان کے لیے شرعی احکام بھیجتا ہے، یہ احکام اللہ تعالیٰ کی کلام ہی ہیں۔ (فتح الباری، ص ٥٧٠ ج ١٣)

امام بخاری اس عنوان کے تحت چند ایک احادیث قدسیہ پیش کرتے ہیں جو در حقیقت اللہ تعالیٰ کی کلام ہیں واضح رہے کہ اللہ کی کلام کو قول اور نداء سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں چند احادیث بھی آئندہ پیش ہوں گی۔ واللہ اعلم۔

٧٤٩١ـ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((قَالَ اللّٰهُ يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا

٧٤٩١: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے آدم کا بیٹا میرے لئے تکلیف کا باعث کیونکہ وہ زمانے کو بُرا بھلا کہتا ہے جبکہ میں خود زمانہ ہوں، میرے ہی

الدَّهْرُ بِيَدِي الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ)). [راجع: ٤٨٢٦]

ہاتھ میں تمام کام ہیں، میں جس طرح چاہتا ہوں رات اور دن کو پھیرتا رہتا ہوں۔

٧٤٩٢۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((يَقُولُ اللَّهُ الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَأَكْلَهُ وَشُرْبَهُ مِنْ أَجْلِي وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِينَ يُفْطِرُ وَفَرْحَةٌ حِينَ يَلْقَى رَبَّهُ وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ)). [راجع: ١٨٩٤]

۷۴۹۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، روزہ خاص طور پر میرے ہی لئے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا، چنانچہ روزہ دار میری خاطر اپنی خواہشات اور کھانا، پینا چھوڑتا ہے نیز روزہ ایک ڈھال ہے اور روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی اس وقت جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری خوشی اس وقت جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے پاکیزہ اور عمدہ ہے۔

فوائد: ان دونوں احادیث قدسیہ سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام صرف قرآن مجید کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے حسب موقع کلام کرتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ احادیث کے مضامین کو اللہ کا قول قرار دیا ہے، حالانکہ یہ احادیث قرآن کے علاوہ ہیں، اس سے معتزلہ اور جہمیہ کی تردید بھی مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے سے انکار کرتے ہیں، قبل ازیں عنوان میں ایک آیت کا حوالہ تھا چنانچہ مسلمان صلح حدیبیہ کے موقع پر بہت رنجیدہ تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے ان سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں بلا شرکتِ غیرے ایک فتح حاصل ہوگی جبکہ منافقین اس وعدہ کو تبدیل کرنا چاہتے تھے یہ وعدہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام تھا جو قرآن مجید کے علاوہ تھا۔ واللہ اعلم۔

٧٤٩٣۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا خَرَّ عَلَيْهِ رِجْلُ جَرَادٍ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ يَحْثِي فِي ثَوْبِهِ فَنَادَى رَبُّهُ: يَا أَيُّوبُ! أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ! وَلَكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ)). [راجع: ٢٧٩]

۷۴۹۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایک دفعہ حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کر رہے تھے، اچانک ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں آپ انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے، ان کے پروردگار نے آواز دی، اے ایوب! کیا میں نے تجھے مال دے کر ان ٹڈیوں سے بے پرواہ نہیں کر دیا ہے، عرض کیا کیوں نہیں؟ اے پروردگار! تو نے مجھے بہت غنی کیا ہے لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں، اس سے میں کیونکر بے پرواہ ہو سکتا ہوں؟

فوائد: اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ندا دی اور ان سے خطاب فرمایا یہ خطاب بآواز بلند تھا، جن لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ کا کلام آواز اور حروف کے بغیر ہے وہ کس قدر کم عقل اور گمراہ ہیں آج کل بھی ایسے بہت لوگ ہیں جو جہمیہ اور معتزلہ جیسا عقیدہ رکھتے ہیں، بہر حال اللہ تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ بھی کلام کیا ہے اور وہ جب چاہے، جیسے چاہے، جس سے چاہے ہم کلام ہوتا ہے، وہ قادر مطلق ہے، اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔

٧٤٩٤۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْأَغَرِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ

۷۴۹۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اس وقت جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو کہتا ہے

يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟)). [راجع: ١١٤٥]

کوئی شخص ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی شخص ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اسے عطا کروں، کوئی شخص ہے جو مجھ سے معافی مانگے تو میں اسے بخش دوں۔

فوائد: رات کے آخری تہائی حصہ میں کھانا وغیرہ ہضم ہو جانے کے باعث سانس کی آمدورفت آسان ہو جاتی ہے، حواس کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاتا ہے نیز تشویش کن امور اور دنیا کا شوروغل بھی نہیں ہوتا الغرض یہ وقت تنہائی اور یکسوئی کا ہوتا ہے، ان پر سکون لمحات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پکارتا ہے، اس وقت عبادت میں بڑی لذت آتی ہے، اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا پر اترنا اور کلام کرنا ثابت ہوا، اللہ تعالیٰ کی یہ کلام قرآن مجید کے علاوہ اور آواز وحروف پر مشتمل ہے جو لوگ ان حقائق کا انکار کرتے ہیں یا دوراز کار تاویل کا دروازہ کھولتے ہیں انہیں غور وفکر کرنا چاہئے کہ وہ کدھر اپنا رخ کئے ہوئے ہیں، کیا اس قدر واضح دلائل کے بعد بھی انکار یا تاویل کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

٧٤٩٥۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ((نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)). [راجع: ٢٣٨]

۷۴۹۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے آخری امت ہیں لیکن آخرت میں سب سے آگے ہوں گے۔

٧٤٩٦۔ وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ اللَّهُ: ((أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ)). [راجع: ٤٦٨٤]

۷۴۹۶: اسی سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم خرچ کرو تو میں تم پر خرچ کروں گا۔

فوائد: رسول اللہ ﷺ کی یہ امت گو آخری امت ہے لیکن جنت میں سب امتوں سے

پہلے جائے گی، اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک فرمانِ الٰہی بیان کیا ہے جو مبنی بر حقیقت اور آواز و حروف پر مشتمل ہے، یہ فرمان قرآن کریم کے علاوہ ہے اور غیر مخلوق ہے، یقیناً یہ فرمان اللہ کا کلام ہے جسے حدیث قدسی کہا جاتا ہے۔

٧٤٩٧۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ: ((هَذِهِ خَدِيجَةُ أَتَتْكَ بِإِنَاءٍ فِيهِ طَعَامٌ أَوْ إِنَاءٍ فِيهِ شَرَابٌ فَأَقْرِئْهَا مِنْ رَبِّهَا السَّلَامَ وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ)). [راجع: ٣٨٢٠]

۷۴۹۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس برتن لے کر آرہی ہیں جس میں کھانا یا پینے کا پانی ہے، انہیں ان کے پروردگار کی طرف سے سلام کہہ دیں نیز انہیں جنت میں ایسے گھر کی بشارت دیں جو موتیوں سے بنا ہوا ہے، اس میں کسی قسم کا شوروغل اور کوئی مشقت نہیں ہوگی۔

فوائد: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ایک کلام بحق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بیان ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل سے مخاطب ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام اور بشارت ارسال کی۔ اس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ کو سلام بھیجتا ہے، طبرانی کی روایت میں ہے کہ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے اور اس کی طرف سے سلامتی آتی ہے البتہ سلام لانے والے حضرت جبرئیل کو میری طرف سے سلام ہو۔ (فتح الباری، ص ۵۷۳ ج ۱۳)

اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کا ایک کلام بیان ہوا ہے جو اس کی مشیت سے متعلق ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے کلام سے شرفیاب کرتا ہے اور یہ کلام غیر قرآن اور غیر مخلوق ہے وھو المقصود۔

٧٤٩٨۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُاللَّهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ

۷۴۹۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں

بْـنِ مُـنَبِّـهٍ عَـنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((قَـالَ اللّٰهُ أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ)). [راجع: ٣٢٤٤]

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: میں نے جنت میں اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں، جنہیں نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا۔

فوائد: اس حدیث قدسی میں بھی اللہ تعالیٰ کا کلام نقل ہوا ہے جو قرآن کریم کے علاوہ ہے اور یہ کلام مبنی بر حقیقت ہے نیز یہ کلام غیر مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے اللہ جب چاہے جسے چاہے اس قسم کے کلام سے عزت دیتا ہے۔

٧٤٩٩ـ حَـدَّثَنَا مَحْمُوْدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَـا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِـي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ أَنَّ طَـاوُسًـا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا تَهَجَّدَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ: ((اللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْـتَ قَيِّـمُ السَّمٰـوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ الْحَقُّ وَالْجَنَّةُ حَـقٌّ وَالنَّـارُ حَـقٌّ وَالنَّبِيُّـوْنَ حَـقٌّ وَالسَّـاعَةُ حَقٌّ اللّٰهُمَّ! لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ

٧٤٩٩: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو پڑھتے: ”اے اللہ! حمد تیرے ہی لیے ہے، تو آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے، تعریف تیرے ہی لیے ہے تو آسمانوں وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے، تو برحق ہے تیرا وعدہ سچا ہے تیرا کلام بھی برحق ہے، تیری ملاقات مبنی بر حقیقت ہے، جنت حق ہے اور دوزخ بھی حق ہے، تمام انبیاء سچے ہیں اور قیامت بھی برحق ہے اے اللہ! میں تیرے حضور سرنگوں ہوا، تجھ پر ایمان لایا، میں نے تجھ پر ہی توکل کیا تیری ہی طرف رجوع کیا، تیرے ہی سامنے اپنا مقدمہ پیش کرتا ہوں اور تجھ ہی سے اپنا فیصلہ چاہتا ہوں، اس لئے میرے اگلے پچھلے تمام

حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ إِلَهِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ)). [راجع: ١١٢٠]

گناہوں کو معاف کر دے جو میں نے پوشیدہ کئے ہیں یا علانیہ طور پر ان کا مرتکب ہوا ہوں، تو ہی میرا معبود ہے اور تیرے علاوہ کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے۔"

فوائد: اس دعا مبارکہ میں ہے کہ اللہ! تیرا کلام برحق ہے، اس لئے اللہ کا کلام مبنی برحقیقت ہے اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اللہ کی کلام میں حروف اور آواز کے منکر ہیں، کیونکہ اس حدیث میں کلام الٰہی کو قول سے تعبیر کیا گیا ہے جو آواز و حروف پر مشتمل ہوتا ہے نیز اس حدیث میں اللہ کے قول کی صفت "حق" بیان ہوتی ہے۔ جس کا معنی ثابت اور لازوال ہے، اللہ کے قول میں ہدایت اور عدل ہے جبکہ منافقین اور کفار اس کی حقانیت سے پہلو تہی کر کے اسے تبدیل کرنا چاہتے ہیں، ایسا کردار ادا کرنے سے انہیں خود نقصان ہوگا۔

٧٥٠٠ـ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الأَيْلِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ الَّذِي حَدَّثَنِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: وَلَكِنِّي وَاللَّهِ! مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللَّهَ يُنْزِلُ فِي بَرَاءَتِي وَحْيًا يُتْلَى وَلَشَأْنِي فِي نَفْسِي كَانَ أَحْقَرَ

٧٥٠٠: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے منافقین کی طرف سے لگائے گئے بہتان کے متعلق فرمایا اللہ کی قسم! مجھے یہ گمان نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے حق میں وحی نازل فرمائے گا جس کی قیامت تک لیے تلاوت کی جائے گی، میرے نزدیک میرا درجہ اس سے بہت کمتر تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی ایسا کلام کرے جس کی تلاوت کی جائے البتہ مجھے یہ امید ضرور تھی کہ رسول اللہ ﷺ بحالت نیند کوئی خواب دیکھ لیں گے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ میری برأت کر دے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل دس آیات نازل فرمائیں "جن لوگوں نے تہمت کی باتیں کیں

مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللَّهُ فِيَّ بِأَمْرٍ يُتْلَى وَلَكِنِّي كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَرَى رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ فِي النَّوْمِ رُؤْيَا يُبَرِّئُنِي اللَّهُ بِهَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوْا بِالْإِفْكِ﴾ الْعَشْرَ الآيَاتِ.

وہ تم میں سے ایک ٹولہ ہے تا یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔'' (النور:۱۱ تا ۲۰)

[٢٤/ النور: ٢٠، ١١] [راجع: ٢٥٩٣]

فوائد: غزوہ بنی مطلق سے واپسی پر منافقین سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جس کی تفصیل کتاب التفسیر میں بیان ہوئی ہے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بہتان سے بری قرار دیا، اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے ذریعے اپنے احکام بھیجتا ہے، لیکن اس کا کلام صرف قرآن مجید کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ وہ جب چاہتا ہے اس کلام کے ذریعے اپنے بندوں کی اصلاح کرتا ہے۔ اس کی کلام غیر مخلوق ہے اور اس کی نازل کردہ کتابوں میں محصور نہیں ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث سے اللہ کا کلام ثابت کیا ہے جس کا معتزلہ اور جہمیہ انکار کرتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

٧٥٠١۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُغِيْرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((يَقُوْلُ اللَّهُ: إِذَا أَرَادَ عَبْدِي أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَلَا تَكْتُبُوْهَا عَلَيْهِ حَتَّى يَعْمَلَهَا فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا بِمِثْلِهَا وَإِنْ تَرَكَهَا مِنْ أَجْلِي فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا

۷۵۰۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے اے فرشتو! جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو جب تک وہ اس پر عمل نہ کرے اس کا گناہ نہ لکھو اور اگر وہ اس کے مطابق عمل کرے تو پھر اس کے برابر گناہ لکھو، اگر وہ میرے خوف سے اس برائی کو ترک کر دے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھو اور اگر کوئی بندہ نیکی کرنا چاہے تو اس کے لیے ارادہ ہی پر ایک نیکی لکھ دو اور اگر اس پر عمل کر لے تو دس

إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ)). گنا سے سات سو گنا تک نیکی لکھو۔

فوائد: اس قدسی حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے علاوہ بھی کلام کرتا ہے اور بندوں کی راہنمائی کے لیے ایسے احکام دیتا ہے جس سے اصلاح مقصود ہوتی ہے اور وہ احکام قرآن کے علاوہ ہیں، اور اللہ کی کلام پر مشتمل ہوتے ہیں، جس میں الفاظ اور آواز ہوتی ہے، چنانچہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قول کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے، اسی سے امام بخاری نے عنوان بالا ثابت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٥٠٢۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِاللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي مُزَرِّدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَقَالَ: مَهْ؟ قَالَتْ: هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ فَقَالَ: أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ: بَلَى يَا رَبِّ! قَالَ: فَذَلِكِ لَكِ)) ثُمَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾.

[٤٧/ محمد: ٢٢] [راجع: ٤٨٣٠]

٧٥٠٢: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، جب اس سے فارغ ہوا تو رحم کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے رحم! ٹھہر جا، اس نے عرض کیا اے اللہ! یہ قطع رحمی سے تیری پناہ مانگنے کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا اور جو تجھے قطع کرے گا میں اسے قطع کروں گا رحم نے عرض کیا اے میرے پروردگار! کیوں نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بس یہ تیرے لئے ہے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی "ممکن ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتے کاٹنا شروع کر دو۔" (محمد:٢٢)

فوائد: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تائید کے طور پر اس آیت کریمہ کو خود تلاوت فرمایا تاکہ صلہ رحمی کی اہمیت اجاگر ہو۔ (بخاری، التفسير: ٤٨٣١)

اس حدیث کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود رحم سے ہم کلام ہوا اور اس سے خطاب کیا، اس کلام

کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے خطابات اس کی نازل کردہ کتب میں محصور نہیں ہیں نیز اس کے خطابات ایسی صفات ہیں جو اس کی مشیئت سے متعلق ہیں، مخلوق کے ساتھ کسی بھی پہلو سے ان کی مشابہت نہیں ہے، آیت کریمہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اکثر لوگ دنیاوی اقتدار اور مال و دولت ملنے پر اپنے رشتے دار سے فساد اور قطع رحمی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

٧٥٠٣۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ صَالِحٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ: مُطِرَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: ((قَالَ اللَّهُ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِي)). [راجع: ٨٤٦]

٧٥٠٣: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک مرتبہ بارش ہوتی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ اس بارش کی کی وجہ سے میرے کچھ بندوں نے میرے ساتھ کفر کیا اور کچھ بندے میرے ساتھ ایمان لانے والے بن گئے۔

فوائد: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قول کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کی واضح دلیل ہے نیز اس کا کلام غیر مخلوق ہے، دوسری حدیث میں تفصیل ہے کہ بارش ہونے پر جو لوگ بارش کو اللہ کی طرف سے کہتے ہیں وہ مؤمن بن جاتے ہیں اور جو ستاروں کی تاثیر سے بارش آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے ہو جاتے ہیں، اور ستاروں پر ایمان لانے والے بن جاتے ہیں۔

٧٥٠٤۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((قَالَ اللَّهُ: إِذَا أَحَبَّ عَبْدِي لِقَائِي أَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ وَإِذَا كَرِهَ لِقَائِي كَرِهْتُ لِقَاءَهُ)). [مسلم: ١٨٣٤]

٧٥٠٤: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے جب میرا بندہ مجھ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہوں اور جب وہ مجھ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو میں بھی اس کی

ملاقات کو برا جانتا ہوں۔

فوائد: اس حدیث میں ایک ایسا فرمان الٰہی ذکر ہوا ہے جسے ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخری وقت میں یاد رکھنے سعادت نصیب کرے، یہ حدیث قدسی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے اسے بیان کیا ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت جب بندہ مؤمن اپنے انجام کو دیکھتا ہے اور جنت میں شراب طہور کی بہتی ہوئی نہروں کا نظارہ کرتا ہے تو اس کا دل اللہ سے ملاقات کے لیے بے قرار ہوتا ہے ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں اور اس کے برعکس ایک جرم پیشہ انسان موت کے وقت جہنم کی بلاؤں کو دیکھتا ہے جن سے موت کے بعد اس نے دو چار ہونا ہے تو وہ مرنے سے گھبراتا ہے ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے (آمین یارب العالمین)

٧٥٠٥ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((قَالَ اللّٰهُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي)). [راجع: ٧٤٠٥]

٧٥٠٥: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔

فوائد: پوری حدیث اس طرح ہے کہ جب بندہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے بھری محفل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری، التوحید: ٧٤٠٥)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ میرے متعلق یہ گمان رکھتا ہے کہ میں اس کے گناہ معاف کر کے اس کے ساتھ اپنے فضل وکرم کا معاملہ کروں تو میں اس کے گناہ معاف کر کے اُس پر اپنا فضل وکرم کرتے ہوئے اسے رحمت و برکت سے نوازتا ہوں اگر اس کے برعکس میرے متعلق یہ گمان رکھتا ہے کہ میں اسے سزا دوں تو میں اسے سزا سے دو چار کر دیتا ہوں۔

امام بخاری نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ کا کلام قرآن مجید کے علاوہ بھی

ہے چنانچہ احادیث قدسیہ تمام اللہ کا کلام ہیں کیونکہ ان میں رسول اللہ ﷺ نے قول کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی ہے اور اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور اس کی ایسی صفت ہے جو اس کی مشیت سے متعلق ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٥٠٦۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَإِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوهُ وَاذْرُوا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ فَأَمَرَ اللَّهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيهِ وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيهِ ثُمَّ قَالَ: لِمَ فَعَلْتَ قَالَ: مِنْ خَشْيَتِكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهُ)). [راجع: ٣٤٨١] [مسلم: ٦٩٨٠]

٧٥٠٦: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی جس نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا تھا وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دیں پھر اس کی آدھی راکھ کو ہوا میں اڑا دیں اور باقی آدھی دریا میں بہا دیں، اللہ کی قسم! اگر اللہ اس پر قادر ہوا تو وہ اسے ایسا عذاب دے گا جو دنیا کے کسی شخص کو بھی نہیں دے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو اس نے تمام راکھ جمع کر دی جو اس کے اندر تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس آدمی سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے عرض کیا اے اللہ! میں نے تجھ سے ڈرتے ہوئے ایسا کیا اور تو سب سے زیادہ جاننے والا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔

فوائد: وہ شخص بنی اسرائیل میں کفن چور تھا جو قبروں میں مردوں سے کفن اتارا کرتا تھا اگر سوال کیا جائے کہ وہ شخص مؤمن تھا یا کافر؟ اگر مومن تھا تو اس نے اللہ کی قدرت میں شک کیوں کیا؟ اگر کافر تھا تو اس کی مغفرت کیوں کر ہوتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مومن تھا اور دہشت زدہ ہو کر اس نے یہ اقدام کیا اس کے مومن ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے کہا اے اللہ! میں نے تیرے خوف سے ایسا کیا تھا؟ (عمدۃ القاری ص ۶۸۴ ج ۱۶) بہر حال اہل توحید

کے لیے مغفرت کی بڑی امید ہے آدمی کو چاہیے کہ وہ شرک سے اپنے دامن کو بچائے رکھے اور توحید پر قائم رہے شرک ایک ایسی نحوست ہے کہ اگر اس پر موت آجائے تو بخشش کی بالکل امید نہیں ہے، اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا، سمندر اور مرنے والے سے گفتگو کی اور یہ گفتگو بھی آواز حروف مشتمل تھی اور قرآن کریم کے علاوہ تھی، حیف ہے ان لوگوں پر جو اس کا انکار کرتے ہیں یا دوراز کار تاویل کا سہارا لیتے ہیں۔

۷۵۰۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي عَمْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ عَبْدًا أَصَابَ ذَنْبًا وَرُبَّمَا قَالَ: أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ وَرُبَّمَا قَالَ: أَصَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهُ: أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ أَصَابَ ذَنْبًا أَوْ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ أَوْ أَصَبْتُ آخَرَ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا وَرُبَّمَا قَالَ أَصَابَ ذَنْبًا قَالَ: رَبِّ أَصَبْتُ أَوْ قَالَ أَذْنَبْتُ آخَرَ فَاغْفِرْهُ لِي فَقَالَ أَعَلِمَ

۷۵۰۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ ایک بندے نے بہت گناہ کئے اور کہا اے میرے پروردگار! میں تیرا ہی گنہگار بندہ ہوں تو مجھے معاف کر دے، اس کے رب نے فرمایا کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور گناہ کی وجہ سے مؤاخذہ بھی کرتا ہے چنانچہ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا پھر جس قدر اللہ نے چاہا وہ گناہ سے باز رہا پھر کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو عرض کیا اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے، اسے بھی معاف کر دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ضرور ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور اس کی پاداش میں سزا بھی دیتا ہے چنانچہ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، پھر جس قدر اللہ نے چاہا وہ گناہ سے باز رہا پھر اس نے دوبارہ

عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ؟ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثَلَاثًا فَلْيَعْمَلْ مَا شَاءَ)). [مسلم: ٦٩٨٦، ٦٩٨٧]

گناہ کیا تو اللہ کے حضور عرض کرنے لگا اے میرے پروردگا! میں نے پھر گناہ کرلیا ہے تو مجھے معاف کر دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشا ہے اور گناہ کے سبب مؤاخذہ بھی کرتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا تین بار فرمایا اب جو چاہے عمل کرلے۔

فوائد: مذکورہ حدیث پیش کرنے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا مبنی برحقیقت ہے چنانچہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ایک گنہگار کے متعلق گفتگو کرنا مذکور ہے نیز یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے مگر قرآن کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کلام الٰہی کو ذکر کیا ہے جو لوگ اللہ کے کلام کا انکار کرتے ہیں وہ گویا رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے منکر ہیں۔

اس حدیث سے استغفار کی بھی فضیلت ثابت ہوتی اور استغفار کی تین شرطیں ہیں گناہ کا ترک کرنا، اس پر شرمسار ہونا پھر اس کے نہ کرنے کا عزم بالجزم کرنا اگر اس نیت کے ساتھ پھر گناہ ہو جائے تو استغفار کرنے سے وہ گناہ ختم ہو جائے گا۔ بشرطیکہ گناہ پر اصرار نہ کرے، اصرار کا یہ معنی ہے کہ گناہ پر نادم ہونے کے بجائے پھر اس کے ارتکاب کی نیت رکھے صرف زبانی استغفار کرتا رہے ایسا زبانی استغفار جو دل کی گہرائی سے نہ ہو بجائے خود استغفار کے قابل ہے۔

٧٥٠٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَبْدِ الْغَافِرِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا فِيمَنْ

٧٥٠٨: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے پچھلی امتوں میں سے ایک شخص کا ذکر کیا جسے اللہ تعالیٰ نے مال واولاد سب کچھ دے رکھا تھا، جب اس کے

سَلَفَ أَوْ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ قَالَ- كَلِمَةً: يَعْنِي- أَعْطَاهُ اللَّهُ مَالًا وَوَلَدًا فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ أَيَّ أَبٍ كُنْتُ لَكُمْ؟ قَالُوْا: خَيْرَ أَبٍ قَالَ: فَإِنَّهُ لَمْ يَبْتَئِرْ أَوْ لَمْ يَبْتَئِزْ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرًا وَإِنْ يَقْدِرِ اللَّهُ عَلَيْهِ يُعَذِّبْهُ فَانْظُرُوْا إِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُوْنِي حَتَّى إِذَا صِرْتُ فَحْمًا فَاسْحَقُوْنِي أَوْ قَالَ فَاسْحَكُوْنِي فَإِذَا كَانَ يَوْمُ رِيحٍ عَاصِفٍ فَأَذْرُوْنِي فِيهَا فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ: ((فَأَخَذَ مَوَاثِيقَهُمْ عَلَى ذَلِكَ وَرَبِّي! فَفَعَلُوْا ثُمَّ أَذْرَوْهُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: كُنْ فَإِذَا هُوَ رَجُلٌ قَائِمٌ قَالَ اللَّهُ: أَيْ عَبْدِي مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ فَعَلْتَ؟ مَا فَعَلْتَ قَالَ: مَخَافَتُكَ أَوْ فَرَقٌ مِنْكَ قَالَ: فَمَا تَلَافَاهُ أَنْ رَحِمَهُ عِنْدَهَا)) وَقَالَ مَرَّةً أُخْرَى: ((فَمَا تَلَافَاهُ غَيْرُهَا)). فَحَدَّثْتُ بِهِ أَبَا عُثْمَانَ فَقَالَ: سَمِعْتُ هَذَا مِنْ سَلْمَانَ غَيْرَ أَنَّهُ زَادَ فِيهِ: ((أَذْرُوْنِي فِي الْبَحْرِ)) أَوْ كَمَا حَدَّثَ.

حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ وَقَالَ: لَمْ يَبْتَئِرْ. [راجع: ٣٤٧٨]

مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا میں تمہارے لیے کیسا باپ ثابت ہوا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا تو اچھا باپ ہے، اس نے کہا لیکن تمہارے باپ نے اللہ کے حضور کوئی نیکی نہیں بھیجی ہے اندریں حالات اگر اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہوا تو اسے سخت عذاب دے گا، اب تم خیال کرو جب میں مر جاؤں تو مجھے آگ میں جلا دو حتی کہ جب میں کوئلہ ہو جاؤں تو مجھے خوب پیس کر سخت آندھی کے دن ہوا میں اڑا دینا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے رب کی قسم! اس کام کے لیے اس نے اپنے بیٹوں سے پختہ وعدہ لیا چنانچہ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا، اسے جلا کر راکھ کر ڈالا پھر اس راکھ کو تیز ہوا کے دن اڑا دیا، اس کاروائی کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ہو جا تو وہ فوراً ایک مرد بن کر کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندے! تجھے کس بات نے اس پر آمادہ کیا کہ تو نے یہ کام کر ڈالا، اس نے عرض کیا تیرے خوف نے مجھے اس اقدام پر آمادہ کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی سزا نہیں دی بلکہ اس پر رحم فرمایا۔

راوی کہتا ہے پھر میں نے یہ بات ابو عثمان

وَقَالَ خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ وَقَالَ لَمْ يَبْتَئِزْ فَسَّرَهُ قَتَادَةُ لَمْ يَدَّخِرْ.

نھدی سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے اسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے سنا البتہ انہوں نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ''میری راکھ کو دریا میں بہا دینا، بعض روایات میں ''لم یبتئز'' کے الفاظ میں حضرت قتادہ نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اس نے کوئی نیکی آخرت کے لیے ذخیرہ نہ کی۔

فوائد: اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ ایمان رکھنا ضروری ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن حدیث مذکورہ کے مطابق مرنے والے کو اللہ کی قدرت کے متعلق یہ شک تھا کہ میرے اس اقدام سے میں اللہ کی پکڑ سے بچ جاؤں گا، چونکہ یہ اقدام اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کیا تھا اس لئے رحمت الٰہی نے ایسے پالیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔ اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار بندے سے فرمایا ''اے میرے بندے! تو نے یہ اقدام کیوں کیا؟ امام بخاری نے اس سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا برحق ہے اور جو لوگ کلام الٰہی سے انکار کرتے ہیں وہ صحیح آیات اور واضح احادیث کے منکر ہیں۔

(٣٦) بَابُ كَلَامِ الرَّبِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ.

اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن حضرات انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں سے کلام کرنا

یہ آٹھواں عنوان ہے کہ امام بخاری اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کو ثابت کر رہے ہیں قبل ازیں اللہ تعالیٰ کا حضرت جبرئیل اور دیگر فرشتوں سے ہم کلام ہونے کو ثابت کیا تھا۔ اور اس باب میں حضرات انبیاء اور دیگر لوگوں سے ہم کلام ہونے کو ثابت کیا جائے گا۔

٧٥٠٩۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ رَاشِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللَّهِ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ:

٧٥٠٩: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا ''قیامت کے دن میری

سَمِعْتُ أَنَسًا رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ شُفِّعْتُ فَقُلْتُ: يَا رَبِّ! أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ خَرْدَلَةٌ فَيَدْخُلُوْنَ ثُمَّ أَقُوْلُ: أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى شَيْءٍ)) فَقَالَ: أَنَسٌ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. [راجع: ٤٤]

سفارش قبول کی جائے گی میں عرض کروں گا اے پروردگار! جنت میں ان لوگوں کو داخل فرما جن کے دلوں میں رائی برابر ایمان ہے، چنانچہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ میں پھر عرض کروں گا اسے بھی جنت میں داخل کردے جس کے دل میں معمولی سا بھی ایمان ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا گویا میں اس وقت بھی رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں انگلیوں کے اشارہ سے ادنی چیز کی وضاحت کررہے تھے۔

فوائد: یہ حدیث انتہائی مختصر ہے، مفصل حدیث اس کے بعد بیان ہوگی، اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ اور اللہ رب العزت کا روز محشر ایک مکالمہ نقل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ سے ہم کلام ہوگا اس میں معتزلہ اور جہمیہ کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا انکار کرتے ہیں، امام بخاری نے اسی مکالمہ سے اپنے قائم کردہ عنوان کو ثابت کیا ہے۔

٧٥١٠۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَنَزِيُّ قَالَ: اجْتَمَعْنَا نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ فَذَهَبْنَا إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَذَهَبْنَا مَعَنَا بِثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ إِلَيْهِ يَسْأَلُهُ لَنَا عَنْ حَدِيْثِ الشَّفَاعَةِ فَإِذَا هُوَ فِي قَصْرِهِ فَوَافَقْنَاهُ يُصَلِّي الضُّحَى فَاسْتَأْذَنَّا فَأَذِنَ لَنَا وَهُوَ

٧٥١٠: سعید بن ہلال عنزی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم اہل بصرہ جمع ہوئے اور حضرت ثابت البنانی کو ساتھ لے کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تا کہ وہ ہمارے لئے حدیث شفاعت کا ان سے استفسار کریں، حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے محل میں تشریف فرما تھے، جب ہم وہاں پہنچے تو آپ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، ہم نے ان

قَاعِدٌ عَلَى فِرَاشِهِ فَقُلْنَا لِثَابِتٍ: لَا تَسْأَلْهُ عَنْ شَيْءٍ أَوَّلَ مِنْ حَدِيثِ الشَّفَاعَةِ فَقَالَ: يَا أَبَا حَمْزَةَ! هَؤُلَاءِ إِخْوَانُكَ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ جَاءُوكَ يَسْأَلُونَكَ عَنْ حَدِيثِ الشَّفَاعَةِ فَقَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ ﷺ قَالَ: ((إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيمَ فَإِنَّهُ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوسَى فَإِنَّهُ كَلِيمُ اللَّهِ فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيسَى فَإِنَّهُ رُوحُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ ﷺ فَيَأْتُونِي فَأَقُولُ أَنَا لَهَا فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي وَيُلْهِمُنِي مَحَامِدَ أَحْمَدُهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْآنَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيَقُولُ: يَا مُحَمَّدُ: ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ: يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي فَيَقُولُ: انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ

سے اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت دے دی، اس وقت آپ اپنے بستر پر بیٹھے تھے، ہم نے حضرت ثابت سے کہہ رکھا تھا کہ ان سے حدیث شفاعت سے قبل کوئی نہ پوچھنا، چنانچہ حضرت ثابت نے کہا اے ابو حمزہ! یہ آپ کے دینی بھائی ہیں بصرہ سے آئے ہیں اور آپ سے حدیث شفاعت پوچھنا چاہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ گویا ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیث سنائی، آپ نے فرمایا قیامت کے دن لوگ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ظاہر ہوں گے پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، ان سے عرض کریں گے کہ آپ پروردگار کے پاس ہماری سفارش کریں وہ کہیں گے کہ میں سفارش کے لائق نہیں ہوں تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے خلیل ہیں چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے وہ بھی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں ہاں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی پانے والے ہیں، لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے کہ میں اس قابل

مِنْهَا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيرَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُودُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ: يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي فَيَقُولُ: انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُودُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيَقُولُ: يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي فَيَقُولُ: انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ)) فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ أَنَسٍ قُلْتُ لِبَعْضِ أَصْحَابِنَا: لَوْ مَرَرْنَا بِالْحَسَنِ وَهُوَ مُتَوَارٍ فِي مَنْزِلِ أَبِي خَلِيفَةَ فَحَدَّثْنَاهُ بِمَا حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَأَتَيْنَاهُ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَأَذِنَ لَنَا فَقُلْنَا لَهُ: يَا أَبَا سَعِيدٍ! جِئْنَاكَ مِنْ عِنْدِ أَخِيكَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَلَمْ نَرَ

نہیں ہوں البتہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے میں اس قابل نہیں ہوں البتہ تم حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ، جب وہ میرے پاس آئیں گے تو میں کہوں گا ہاں میں شفاعت کرنے کے لائق ہوں، پھر میں اپنے رب سے اجازت چاہوں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی، اندریں حالات اللہ تعالیٰ اپنے لیے مجھے تعریفی کلمات الہام کرے گا، جن کے ذریعے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کروں گا جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں چنانچہ جب میں اللہ کی تعریفیں بیان کروں گا اور اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤں گا تو مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، بات کرو تمہاری بات سنی جائے گی، جو مانگو وہ دیا جائے گا، سفارش کرو وہ قبول کی جائے گی پھر میں عرض کروں گا اے پروردگار! میری امت، میری امت، کہا جائے گا جاؤ، دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لاؤ جن کے دلوں میں ایک جو کے برابر ایمان ہے چنانچہ میں جاؤں گا اور تعمیل حکم کروں گا، پھر میں واپس آؤں گا اور انہیں تعریفی کلمات

مِثْلَ مَا حَدَّثَنَا فِي الشَّفَاعَةِ فَقَالَ: هِيْهِ فَحَدَّثْنَاهُ بِالْحَدِيْثِ فَانْتَهَى إِلَى هَذَا الْمَوْضِعِ فَقَالَ: هِيْهِ فَقُلْنَا: لَمْ يَزِدْ لَنَا عَلَى هَذَا فَقَالَ: لَقَدْ حَدَّثَنِي وَهُوَ جَمِيعٌ مُنْذُ عِشْرِيْنَ سَنَةً فَلَا أَدْرِي أَنَسِيَ أَمْ كَرِهَ أَنْ تَتَّكِلُوْا قُلْنَا: يَا أَبَا سَعِيْدٍ! فَحَدِّثْنَا فَضَحِكَ وَقَالَ: خُلِقَ الإِنْسَانُ عَجُوْلًا مَا ذَكَرْتُهُ إِلَّا وَأَنَا أُرِيْدُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدَّثَنِي كَمَا حَدَّثَكُمْ بِهِ قَالَ: ((ثُمَّ أَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ: يُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! ائْذَنْ لِي فِيْمَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ فَيَقُوْلُ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ)). [راجع: ٤٤] [مسلم: ٤٧٩]

سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا اور اللہ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا پھر مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھاؤ، کہو آپ کی بات کو سنا جائے گا سوال کریں آپ کا مطلوب دیا جائے گا، سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، میں عرض کروں گا اے پروردگار! میری امت، میری امت، مجھے کہا جائے گا کہ جاؤ اوران لوگوں کو دوزخ سے نکال لاؤ جن کے دلوں میں ذرہ یا رائی کے برابر بھی ایمان ہے چنانچہ میں جاؤں گا اور تعمیل حکم کروں گا، میں پھر واپس آؤں گا اور تعریفی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا پھر اللہ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھاؤ، کہیں آپ کی بات کو سنا جائے گا، سوال کرو آپ کا مطلوب ملے گا، سفارش کرو اسے قبولیت سے نوازا جائے گا پھر میں عرض کروں گا اے پروردگار! میری امت، میری امت، اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ اور دوزخ سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دلوں میں ایک رائی کے دانہ سے بھی کم بلکہ کمتر ایمان ہو، میں جاؤں گا اور تعمیل حکم کروں گا۔ پھر جب ہم فراغت کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس آئے

تو میں نے اپنے کچھ ساتھیوں سے کہا کہ ہمیں امام حسن بصری کے پاس بھی جانا چاہئے وہ اس وقت (حجاج بن یوسف سے ڈرتے ہوئے) ابوخلیفہ کے مکان میں روپوش تھے، ہمیں چاہئے کہ ان سے وہ حدیث بیان کریں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سنائی ہے چنانچہ یہ ان کے پاس آئے، انہیں سلام کیا، انہوں نے ہمیں اجازت دی تو ہم نے ان سے کہا اے ابوسعید! ہم آپ کے پاس آپ کے بھائی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں سے آئے ہیں انہوں نے جو حدیث شفاعت بیان کی ہے وہ ہم نے کسی سے نہیں سنی، حسن بصری نے کہا اسے بیان کرو ہم نے ان سے ساری حدیث بیان کی، جب ہم حدیث کے آخر مقام تک پہنچے تو انہوں نے کہا اور بیان کرو ہم نے عرض کیا اس سے زیادہ انہوں نے بیان نہیں کی، حسن بصری نے کہا انہوں نے مجھے بیس سال قبل یہ حدیث بیان کی تھی جبکہ وہ پورے قوی نوجوان تھے، اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ باقی ماندہ حدیث بھول گئے ہیں یا انہوں نے تمہارے اندیشہ توکل کے پیش نظر اسے بیان نہیں کیا ہے، ہم نے عرض کیا ابو سعید! آپ ہم سے حدیث بیان کریں وہ

ہنس کر بولے انسان بہت جلد باز ہے اور اسی سرشت پر اس کی پیدائش ہوئی ہے، میں نے اس کا ذکر ہی اس کے بیان کرنے کے لیے کیا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہی حدیث بیان کی تھی جو تمہیں بیان کی ہے (اور اس میں یہ الفاظ مزید بڑھائے) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں چوتھی بار واپس آؤں گا اور انہی تعریفی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا پھر اللہ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ جو کہو گے اسے سنا جائے گا، جو مانگو گے دیا جائے گا، جو شفاعت کرو گے قبول کی جائے گی، میں عرض کروں گے اے پروردگار! مجھے ان لوگوں کو بھی جہنم سے نکالنے کی اجازت دیں جنہوں نے صرف "لا الہ الا اللّٰہ" ہی کہا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری عزت، میرے جلال، میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم! میں دوزخ سے ان لوگوں کو بھی نکالوں گا جنہوں نے صرف لا الہ الا اللّٰہ کہا ہے۔

فوائد: یہ حدیث پہلے (۷۴۱۰، ۷۴۴۰) میں بیان ہو چکی ہے، ہم نے وہاں اس اعتراض کا جواب دیا تھا کہ اس کی ابتداء اس کے انتہاء سے ہم آہنگ نہیں ہے کیونکہ اس کی ابتداء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شفاعت طلب کرنے والے عام لوگ ہیں جبکہ سفارش خاص اس امت کے لیے کی جا رہی ہے نیز یہ سفارش کا مطالبہ میدان محشر کے خوف وہراس کو دور

کرنے کے لیے تھا جبکہ اس میں لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کا ذکر ہے، ہم نے وہاں جواب دیا تھا کہ اس حدیث میں اختصار ہے کہ اس میں صرف امت محمدیہ کی سفارش پر اکتفا کیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سفارش کرنے کی اجازت دی جائے گی جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا ہے، وہ قیامت کے دن خوف وہراس کے ازالہ کے لیے ہوگی، یہی وہ مقام محمود کی خصوصیت ہے جس میں کوئی اور نبی شریک نہیں ہے، جہنم سے نکالنے کے متعلق دیگر انبیا بلکہ صلحاء امت بھی سفارش کریں گے، اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ سے فرمائے گا کہ جس کے دل میں جو یارائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اسے دوزخ سے نکال لو، امام بخاری نے اس سے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے ہم کلام ہوگا، لیکن جہمیہ اور معتزلہ اسے تسلیم نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ آواز حروف سے کلام کرنا جسم کا خاصا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے، امام بخاری نے اس حدیث سے ان کی خوب تردید فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مبنی برحقیقت ہے اور وہ مخلوق کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتا اور اللہ کا کلام قرآن مجید کے علاوہ بھی ہے نیز وہ غیر مخلوق ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی سفارش سے ہمکنار کرے اور آپ کے جھنڈے تلے ہم سب کو جمع کرے (آمین)

٧٥١١- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِاللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ آخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ وَآخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنَ النَّارِ رَجُلٌ يَخْرُجُ حَبْوًا فَيَقُولُ لَهُ رَبُّهُ: ادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَقُولُ: رَبِّ الْجَنَّةُ مَلْأَى فَيَقُولُ لَهُ ذَلِكَ ثَلَاثَ

7511: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والا اور جہنم سے تمام لوگوں سے بعد میں نکلنے والا وہ شخص ہوگا جو گھسٹ کر نکلے گا اس سے پروردگار فرمائے گا تو جنت میں داخل ہو جا، وہ عرض کرے گا اے میرے رب! جنت تو بالکل بھری ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ تین مرتبہ اسے فرمائے گا اور وہ ہر مرتبہ یہی

مَرَّاتٍ فَكُلَّ ذٰلِكَ يُعِيدُ عَلَيْهِ الْجَنَّةُ مَلْأٰى فَيَقُوْلُ إِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا عَشْرَ مِرَارٍ)). [راجع: ٦٥٧١]

جواب دے گا کہ جنت تو بھری پڑی ہے، آخر کار اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا تیرے لئے دنیا کے مثل دس گنا ہے۔

فوائد: اس حدیث سے امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دوسروں بندوں سے بھی ہم کلام ہوگا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے خود ہم کلام ہوگا اور اسے دس گنا نعمتائے جنت کی بشارت دے گا۔

واضح رہے کہ جنت میں سب کے بعد داخل ہونے والے دو قسم کے آدمی ہوں گے ایک وہ جو پل صراط سے گرتا پڑتا ہوا تمام لوگوں کے آخر میں جنت میں داخل ہوگا، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے آخر میں جنت کے اندر داخل ہونے والا وہ شخص ہوگا جو پل صراط سے گزرتے وقت کبھی چلے گا، کبھی اوندھے منہ گر پڑے گا اور کبھی جہنم کی لپٹ اسے جھلس دے گی اور وہ سیاہ ہو چکا ہوگا بالآخر جب اسے عبور کرلے گا تو جہنم کی طرف منہ کر کے کہے گا، بابرکت ہے وہ ذات جس نے مجھے تیرے عذاب سے بچالیا ہے۔(صحیح مسلم، الایمان: ۳۱۰)

دوسرا وہ شخص جو جہنم میں جائے گا بالآخر اسے سزا بھگتنے کے بعد سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا جس کا مذکورہ حدیث میں ذکر ہے، اس کی مزید تفصیل علامہ قرطبی نے بیان کی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا آخری آدمی جو جنت میں داخل ہوگا وہ قبیلہ جہینہ کا آدمی ہوگا اہل جنت اسے دیکھ کر کہیں گے کہ جہینہ کے پاس یقینی خبر ہے اسے پوچھو کہ آیا جہنم میں کوئی آدمی رہ گیا ہے یا نہیں۔(تذکرہ، ص۵۱۵ ج۲) واللہ اعلم۔

٧٥١٢ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ

۷۵۱۲: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ تمہارا

حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ فَيَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ وَيَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ)) قَالَ الْأَعْمَشُ: وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ خَيْثَمَةَ مِثْلَهُ وَزَادَ فِيهِ: ((وَلَوْ بِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ)). [راجع: ١٤١٣]

پروردگار اس طرح گفتگو کرے گا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، وہ شخص اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو اسے اپنے اعمال کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آئے گا اور اپنے بائیں جانب دیکھے گا تو بھی اسے اپنے اعمال کے علاوہ کچھ نظر نہیں آئے گا، پھر جب اپنے سامنے دیکھے گا تو اپنے سامنے جہنم کے سوا اور کوئی چیز نہ دیکھے اس لیے تم جہنم سے بچنے کی فکر کرو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کرنے سے ہی کیوں نہ ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ (جہنم سے بچو) خواہ ایک اچھی بات ہی کے ذریعے ہو۔

فوائد: اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے براہ راست ہم کلام ہو گا، ان کے درمیان کوئی واسطہ یا ترجمان نہیں ہوگا، توحید باری تعالیٰ کے بعد قیامت کے دن جو اعمال کام آئیں گے ان میں سے کسی غریب، مسکین اور حاجت مند کی فی سبیل اللہ مدد کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے، وہ مدد خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہوں اگر اس میں خلوص ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا دے گا، اگر اتنی بھی ہمت نہیں تو دوسروں کو بھلی بات کہنا بھی بہت وزن رکھتی ہے، زبان سے دوسروں کی خیر خواہی کرنے کو اپنی زندگی کا معمول بنا لیا جائے تو یہ عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت کارآمد ہے۔

٧٥١٣۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: جَاءَ حَبْرٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ: إِنَّهُ

٧٥١٣: حضرت عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ یہودیوں کا ایک عالم آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا جب قیامت کا دن ہوگا

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ جَعَلَ اللَّهُ السَّمٰوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْمَاءَ وَالثَّرَى عَلَى إِصْبَعٍ وَالْخَلَائِقَ عَلَى إِصْبَعٍ ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ أَنَا الْمَلِكُ . فَلَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَضْحَكُ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ تَعَجُّبًا وَتَصْدِيقًا لِقَوْلِهِ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَكَ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾.

[٣٩/ الزمر: ٦٧] [راجع: ٤٨١١]

تو اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر زمین کو ایک انگلی پر پانی اور کیچڑ کو ایک انگلی پھر اور دیگر تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر اٹھا لے گا پھر ان تمام کو حرکت دے گا اور کہے گا میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہنسنے لگے یہاں تک آپ کے دندان مبارک کھل گئے آپ اس کی تصدیق اور ان باتوں پر تعجب کر رہے تھے پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ''انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے، وہ ان باتوں سے پاک اور بالاتر ہے جو یہ لوگ اس کے شریک ٹھہراتے ہیں۔'' (الزمر:٦٧)

فوائد: گویا سب معبودان باطلہ بھی اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہوں گے جنہیں آج یہ مشرک اللہ کا ہمسر قرار دے رہے ہیں اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا مذکور ہے کہ میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں، بلاشبہ قیامت کے دن ایک وقت ایسا آئے گا جب ہر ایک کو اپنی اپنی ہی پڑی ہوگی، سب قیامت کی ہولناکیوں سے دہشت زدہ ہوں گے، کسی کو کلام کرنے کی ہمت اور فرصت نہیں ہوگی، ہر طرف مکمل سکوت اور سناٹا چھایا ہوگا ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ سب کو مخاطب کر کے پوچھے گا۔

''آج حکومت کس کی ہے؟'' (المؤمن: ١٦)

آج دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں، جابر کہاں ہیں اور متکبرین کہاں ہیں؟ ان سوالوں کا

کوئی جواب نہیں دے گا پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائے گا۔

”آج بادشاہی صرف اکیلے اللہ کی ہے جو ہر چیز کو دبا کے رکھے ہوئے ہے۔“

(المؤمن: ١٦)

رسول اللہ ﷺ کو ہنسی اس بات پر آئی کہ یہودی عالم اللہ کی شان کس انداز سے بیان کررہا ہے حالانکہ یہود وہ قوم ہیں جنہوں نے اللہ کی قدر ومنزلت کو کما حقہ نہیں سمجھا اور حضرت عزیرؑ کو خواہ مخواہ اللہ کا بیٹا بنا ڈالا، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی صحیح اور سچی باتوں کی تصدیق کرنا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔

٧٥١٤۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ فِي النَّجْوَى؟ قَالَ: ((يَدْنُو أَحَدُكُمْ مِنْ رَبِّهِ حَتَّى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيْهِ فَيَقُولُ: أَعَمِلْتَ كَذَا؟ وَكَذَا فَيَقُولُ: نَعَمْ وَيَقُولُ: أَعَمِلْتَ كَذَا؟ وَكَذَا فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيُقَرِّرُهُ ثُمَّ يَقُولُ: إِنِّي سَتَرْتُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ)) وَقَالَ آدَمُ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا صَفْوَانُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ. [راجع: ٢٤٤١]

٧٥١٤: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ان سے ایک آدمی نے سرگوشی کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کیسے سنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں کوئی شخص اپنے رب کے قریب ہوگا تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا پردہ ڈال کر فرمائے گا تو نے فلاں، فلاں عمل کیا تھا! بندہ ہاں میں جواب دے کر ان کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ پر پردہ ڈالا تھا اور آج بھی تجھے معاف کرتا ہوں۔“

ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

فوائد: اس میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے سرگوشی کے انداز میں گفتگو کرے گا، اسے اپنے قریب کرنے اور اس پر پردہ ڈالنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ گفتگو کوئی اور نہ

سنے تا کہ بندے کو ذلت اور رسوائی سے محفوظ رکھا جائے، یہ گفتگو مبنی بر حقیقت اور الفاظ و حروف پر مشتمل ہوگی، امام بخاری ان لوگوں تردید کرنا چاہتے ہیں جن کا موقف ہے کہ اللہ کا کلام ایک قدیم نفسی صفت ہے جس میں آواز اور حروف نہیں ہیں، اگر اللہ کا کلام ایسا ہے کہ تو بندہ اس سر گوشی کو کیونکر سن سکے گا؟ اللہ تعالیٰ اہل جہنم سے بھی گفتگو کرے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ وہ ایک ایسے کافر سے کہے گا جسے بہت ہلکا سا عذاب دیا جا رہا ہوگا، اگر تجھے دنیا اور اس کا ساز و سامان دے دیا جائے تو کیا اسے فدیہ کے طور پر دے کر اس عذاب سے نجات حاصل کر لے گا، وہ جواب دے گا ہاں میں اس کے لیے تیار ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا جب تو اپنے باپ کی پشت میں تھا تو تجھ سے بہت آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا لیکن تو نے شرک کرنے کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر دیا (صحیح مسلم، صفات المنافقین: ۲۸۰۵) امام بخاری نے حدیث کے آخر میں ایک اور سند بیان کی ہے تا کہ راوی حدیث صفوان سے قتادہ کے سماع کی تصریح ہو جائے اور انقطاع کا احتمال ختم ہو جائے، واللہ اعلم۔

(۳۷) بَابُ قَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾.

[٤/ النساء: ١٦٤]

ارشاد باری تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا

وضاحت: اس آیت کریمہ میں مصدر، فعل کی تاکید کے لیے ہے، اس انداز سے گفتگو کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے مجاز کا احتمال اٹھ جاتا ہے اور آیت کریمہ میں حقیقی کلام مراد ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود کلام نہیں کی تھی بلکہ اس نے درخت میں کلام کو پیدا کیا تھا اور اس درخت سے حضرت موسیٰ نے کلام کو سنا تھا، یہ آیت اس موقف کی تردید کرتی ہے اور اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ہی متکلم تھا یہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے ساتھ قائم ہے، اس کلام کو تلاوت کرنے والے کی تلاوت اور قاری کی

قرأت کے وقت سنا جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان سے بلاتوسط غیرے باتیں کیں اگر اللہ تعالیٰ نے درخت میں بات کرنے کی قوت پیدا کردی تھی تو اس سے حضرت موسیٰ علوم کی فضیلت کیا ہوئی۔ واللہ اعلم۔

٧٥١٥۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنَا عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى فَقَالَ مُوسَى: أَنْتَ آدَمُ الَّذِي أَخْرَجْتَ ذُرِّيَّتَكَ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالَاتِهِ وَبِكَلَامِهِ ثُمَّ تَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِّرَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى)). [راجع: ٣٤٠٩]

٧٥١٥: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا باہمی مناظرہ ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ وہی آدم علیہ السلام ہیں جس نے اپنی نسل کو جنت سے نکالا تھا، حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا آپ وہی موسیٰ علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنی گفتگو سے شرفیاب کیا تھا، پھر بھی آپ مجھے ایک ایسے امر کے سبب ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے قبل ہی میرے لئے مقدر کردیا تھا چنانچہ حضرت آدم حضرت موسیٰ علیہما السلام پر غالب آگئے۔

فوائد: معتزلہ کا خیال ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے بلکہ وہ اسے ہوا یا درخت میں پیدا کرتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام سنی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے درخت میں پیدا کی تھی، امام بخاری نے ان کی تردید کے لیے یہ حدیث پیش کی ہے، اس میں رسالت اور کلام کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے، رسالت کے لیے کوئی فرشتہ وحی لاتا ہے اور کلام براہ راست ہوتی ہے حافظ ابن حجر نے ایک روایت بایں الفاظ نقل کی ہے:

"حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تو ایسا رسول ہے جس سے اللہ

تعالیٰ نے پس پردہ براہ راست گفتگو کی درمیان میں مخلوق وغیرہ کا کوئی واسطہ نہ تھا۔" (فتح الباری، ص ج)

بہر حال اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کا صاف صاف اثبات ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ بلا توسط غیرے جس سے چاہے جب چاہے کلام کر سکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا، جو لوگ اس کی تاویلیں کرتے ہیں وہ درحقیقت صفت کلام کے انکار کے لیے راستہ ہموار کرتے ہیں۔ (قاتلهم الله انی یؤفکون)

٧٥١٦ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: ((يُجْمَعُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُوْنَ: لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلَى رَبِّنَا فَيُرِيْحُنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ لَهُ: أَنْتَ آدَمُ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ وَأَسْجَدَ لَكَ الْمَلَائِكَةَ وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيْحَنَا فَيَقُوْلُ لَهُمْ: لَسْتُ هُنَاكُمْ فَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطِيْئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ)). [راجع: ٤٤]

٧٥١٦: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جب اہل ایمان کو جمع کیا جائے گا تو وہ کہیں گے کاش کہ ہماری کوئی سفارش کرے تا کہ ہم اس تکلیف دہ مقام سے راحت حاصل کریں چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے آپ ابو البشر آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست مبارک سے پیدا کیا اور آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا پھر ہر چیز کے نام آپ کو سکھائے، لہٰذا آپ ہمارے لئے ہمارے رب کے حضور سفارش کریں تا کہ وہ ہمیں اس مقام سے راحت نصیب کرے، آپ جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں اور آپ ان سے اپنی اس غلطی کا ذکر کریں گے جو ان سے سرزد ہوئی تھی۔

فوائد: امام بخاری نے اس حدیث کو انتہائی اختصار سے بیان کیا ہے، آپ نے ایک دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے، اس کے الفاظ ہیں۔

"لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کے متعلق کہیں گے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے تورات دی، اس سے ہم کلام ہوا اور سرگوشی کے لیے انہیں اپنے قریب کیا۔" (صحیح بخاری، التوحید: ۷۵۱۰)

اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام ثابت ہوتی ہے، اس سے معتزلہ کی تردید مقصود ہے جو کلام الٰہی کی تاویل کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا، اور یہ گفتگو کسی واسطہ اور ترجمان کے بغیر تھی، واللہ اعلم۔

۷۵۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِاللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِاللَّهِ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ: أَنَّهُ جَاءَهُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوحَى إِلَيْهِ وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَقَالَ أَوَّلُهُمْ أَيُّهُمْ هُوَ؟ فَقَالَ أَوْسَطُهُمْ: هُوَ خَيْرُهُمْ فَقَالَ آخِرُهُمْ: خُذُوا خَيْرَهُمْ فَكَانَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَرَهُمْ حَتَّى أَتَوْهُ لَيْلَةً أُخْرَى فِيمَا يَرَى قَلْبُهُ وَتَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ وَكَذَلِكَ الْأَنْبِيَاءُ تَنَامُ أَعْيُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوبُهُمْ فَلَمْ يُكَلِّمُوهُ حَتَّى احْتَمَلُوهُ فَوَضَعُوهُ عِنْدَ بِئْرِ زَمْزَمَ فَتَوَلَّاهُ مِنْهُمْ جِبْرِيلُ فَشَقَّ

۷۵۱۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے وہ واقعہ بیان کیا جس رات رسول اللہ ﷺ کو مسجدِ کعبہ سے معراج کے لیے لے جایا گیا تھا، وحی آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس تین فرشتے آئے جبکہ آپ مسجدِ حرام میں محوِ استراحت تھے، ان میں سے ایک نے پوچھا وہ کون ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ان میں جو سب سے بہتر ہیں، تیسرے نے کہا ان میں جو بہتر ہے اسے لے لو۔ اس رات تو اتنا ہی واقعہ پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد انہیں نہیں دیکھا تا آنکہ وہ دوسری رات آئے جبکہ آپ کا دل دیکھ رہا تھا اور آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں لیکن دل نہیں سو رہا تھا۔ حضرت انبیاء علیہم السلام کا یہی حال ہوتا ہے، ان کی آنکھیں سوتی ہیں

جِبْرِيْلُ مَا بَيْنَ نَحْرِهِ إِلَى لَبَّتِهِ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَدْرِهِ وَجَوْفِهِ فَغَسَلَهُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ بِيَدِهِ حَتَّى أَنْقَى جَوْفَهُ ثُمَّ أُتِيَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ فِيْهِ تَوْرٌ مِنْ ذَهَبٍ مَحْشُوًّا إِيْمَانًا وَحِكْمَةً فَحَشَا بِهِ صَدْرَهُ وَلَغَادِيْدَهُ يَعْنِي عُرُوْقَ حَلْقِهِ ثُمَّ أَطْبَقَهُ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَضَرَبَ بَابًا مِنْ أَبْوَابِهَا فَنَادَاهُ أَهْلُ السَّمَاءِ مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ جِبْرِيْلُ: قَالُوْا: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مَعِيَ مُحَمَّدٌ قَالَ: وَقَدْ بُعِثَ قَالَ: نَعَمْ قَالُوْا: فَمَرْحَبًا بِهِ وَأَهْلًا فَيَسْتَبْشِرُ بِهِ أَهْلُ السَّمَاءِ لَا يَعْلَمُ أَهْلُ السَّمَاءِ بِمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِهِ فِي الْأَرْضِ حَتَّى يُعْلِمَهُمْ فَوَجَدَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا آدَمَ فَقَالَ لَهُ جِبْرِيْلُ: هَذَا أَبُوْكَ آدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَرَدَّ عَلَيْهِ آدَمُ وَقَالَ: مَرْحَبًا وَأَهْلًا بِابْنِي نِعْمَ الِابْنُ أَنْتَ فَإِذَا هُوَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِنَهَرَيْنِ يَطَّرِدَانِ فَقَالَ: ((مَا هَذَانِ النَّهَرَانِ يَا جِبْرِيْلُ؟)) قَالَ: هَذَا النِّيْلُ وَالْفُرَاتُ عُنْصُرُهُمَا ثُمَّ مَضَى بِهِ فِي السَّمَاءِ فَإِذَا هُوَ بِنَهَرٍ آخَرَ عَلَيْهِ قَصْرٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَزَبَرْجَدٍ

لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات نہیں کی بلکہ آپ کو اٹھا کر چاہ زمزم کے پاس لے آئے، اس مقام پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے متعلقہ کام سنبھال لیا، اس نے آپ کے گلے سے دل سے نیچے تک سینہ چاک کیا پھر اسے آب زمزم کے ساتھ اپنے ہاتھ سے دھویا تا آنکہ آپ کا سینہ اور پیٹ خوب صاف کر دیا چنانچہ آپ کا اندر پاک ہو گیا، پھر آپ کے پاس سونے کا طشت لایا گیا، جس میں ایمان وحکمت سے بھرا ہوا سونے کا ایک برتن تھا، اس سے آپ کا سینہ مبارک اور حلق کی رگیں بھر دیں پھر اسے برابر کر دیا اس کے بعد آپ کو لے کر آسمان دنیا پر چڑھے اور اس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر دستک دی، آسمان والوں نے ان سے پوچھا آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ میں جبرئیل ہوں، انہوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا کہ میرے ساتھ حضرت محمد ﷺ ہیں، پوچھا آیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں، آسمان والوں نے انہیں خوش آمدید کہا کہ تم اپنے ہی لوگوں میں آئے ہو، آسمان والے اس سے بہت خوش ہوئے، ان میں

فَضَرَبَ يَدَهُ فَإِذَا هُوَ مِسْكٌ أَذْفَرُ قَالَ: ((مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ؟)) قَالَ: هَذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي خَبَأَ لَكَ رَبُّكَ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَتْ لَهُ الْأُولَى مَنْ هَذَا؟ قَالَ جِبْرِيلُ: قَالُوا وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ ﷺ قَالُوا: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالُوا: مَرْحَبًا بِهِ وَأَهْلًا ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ وَقَالُوا لَهُ مِثْلَ مَا قَالَتِ الْأُولَى وَالثَّانِيَةُ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى الرَّابِعَةِ فَقَالُوا لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ فَقَالُوا مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَقَالُوا لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَقَالُوا لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ كُلُّ سَمَاءٍ فِيهَا أَنْبِيَاءُ قَدْ سَمَّاهُمْ فَأَوْعَيْتُ مِنْهُمْ إِدْرِيسَ فِي الثَّانِيَةِ وَهَارُونَ فِي الرَّابِعَةِ وَآخَرَ فِي الْخَامِسَةِ لَمْ أَحْفَظِ اسْمَهُ وَإِبْرَاهِيمَ فِي السَّادِسَةِ وَمُوسَى فِي السَّابِعَةِ بِتَفْضِيلِ كَلَامِ اللَّهِ.

فَقَالَ مُوسَى رَبِّ لَمْ أَظُنَّ أَنْ يُرْفَعَ

سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ زمین میں کیا کرنا چاہتا ہے جب تک وہ انہیں بتا نہیں دیتا، رسول اللہ ﷺ نے آسمان دنیا پر حضرت آدم علیہ السلام کو پایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا یہ آپ کے پدر محترم حضرت آدم ہیں، انہیں سلام کریں، چنانچہ آپ نے انہیں سلام کہا تو حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور کہا میرے بیٹے! آپ کا آنا مبارک ہو، آپ کیا ہی اچھے بیٹے ہیں، پھر آپ نے اچانک آسمان دنیا پر دو نہریں دیکھیں جو جاری تھیں، آپ نے پوچھا اے جبرئیل! یہ نہریں کیسی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ نیل اور فرات کا اصل منبع ہیں، پھر آپ آسمان پر مزید سیر کرنے لگے تو ایک دوسری نہر کو دیکھا، جس کے اوپر موتیوں اور زبرجد سے تیار شدہ ایک محل تھا، اس پر آپ نے ہاتھ مارا تو پتہ چلا کہ وہ تو مشک ہے، پوچھا اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ جواب دیا یہ کوثر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے محفوظ رکھا ہے، پھر آپ دوسرے آسمان پر چڑھے تو فرشتوں نے یہاں بھی وہی سوال کیا جو پہلے آسمان پر کیا تھا یعنی کون ہیں؟ کہا جبرئیل ہوں، پوچھا آپ

عَلَيَّ أَحَدٌ ثُمَّ عَلَا بِهِ فَوْقَ ذَلِكَ بِمَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ حَتَّى جَاءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى وَدَنَا لِلْجَبَّارِ رَبِّ الْعِزَّةِ فَتَدَلَّى حَتَّى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى فَأَوْحَى اللَّهُ فِيمَا أَوْحَى إِلَيْهِ خَمْسِينَ صَلَاةً عَلَى أُمَّتِكَ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثُمَّ هَبَطَ حَتَّى بَلَغَ مُوسَى فَاحْتَبَسَهُ مُوسَى فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! مَاذَا عَهِدَ إِلَيْكَ رَبُّكَ؟ قَالَ: ((عَهِدَ إِلَيَّ خَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ)) قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ ذَلِكَ فَارْجِعْ فَلْيُخَفِّفْ عَنْكَ رَبُّكَ وَعَنْهُمْ فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى جِبْرِيلَ كَأَنَّهُ يَسْتَشِيرُهُ فِي ذَلِكَ فَأَشَارَ إِلَيْهِ جِبْرِيلُ أَنْ نَعَمْ إِنْ شِئْتَ فَعَلَا بِهِ إِلَى الْجَبَّارِ فَقَالَ: وَهُوَ مَكَانَهُ يَا رَبِّ! خَفِّفْ عَنَّا فَإِنَّ أُمَّتِي لَا تَسْتَطِيعُ هَذَا فَوَضَعَ عَنْهُ عَشْرَ صَلَوَاتٍ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مُوسَى فَاحْتَبَسَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُرَدِّدُهُ مُوسَى إِلَى رَبِّهِ حَتَّى صَارَتْ إِلَى خَمْسِ صَلَوَاتٍ ثُمَّ احْتَبَسَهُ مُوسَى عِنْدَ الْخَمْسِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! وَاللَّهِ! لَقَدْ رَاوَدْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ قَوْمِي

کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا حضرت محمد ﷺ! پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے! جواب دیا ''ہاں'' فرشتے بولے انہیں خوش آمدید اور بشارت ہو، پھر وہ آپ کو لے کر تیسرے آسمان پر چڑھے اور یہاں بھی وہی سوال کیا جو پہلے اور دوسرے آسمان پر کیا تھا، پھر چوتھے آسمان پر لے گئے اور یہاں بھی وہی سوال کیا پھر پانچویں آسمان پر آپ کو لے کر چڑھے اور یہاں بھی وہی سوال کیا۔ پھر چھٹے آسمان پر آپ کو لے گئے اور یہاں بھی وہی سوال کیا، پھر آپ کو لے کر ساتویں آسمان پر چڑھے تو یہاں بھی وہی سوال کیا، ہر آسمان پر انبیاء علیہم السلام ہیں، راوی کہتا ہے کہ ان کے نام آپ نے لئے مجھے اتنا یاد ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام دوسرے آسمان پر، حضرت ہارون علیہ السلام چوتھے آسمان پر، پانچویں آسمان پر بھی کسی نبی کا نام لیا لیکن مجھے اب یاد نہیں، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر، یہ انہیں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی کی وجہ سے فضیلت ملی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! مجھے گمان نہ تھا کہ کوئی مجھ سے زیادہ

عَلَى أَدْنَى مِنْ هٰذَا فَضَعُفُوْا فَتَرَكُوْهُ فَأُمَّتُكَ أَضْعَفُ أَجْسَادًا وَقُلُوْبًا وَأَبْدَانًا وَأَبْصَارًا وَأَسْمَاعًا فَارْجِعْ فَلْيُخَفِّفْ عَنْكَ رَبُّكَ كُلَّ ذٰلِكَ يَلْتَفِتُ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى جِبْرِيْلَ لِيُشِيْرَ عَلَيْهِ وَلَا يَكْرَهُ ذٰلِكَ جِبْرِيْلُ فَرَفَعَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ فَقَالَ: ((يَا رَبِّ! إِنَّ أُمَّتِي ضُعَفَاءُ أَجْسَادُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ وَأَسْمَاعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَأَبْدَانُهُمْ فَخَفِّفْ عَنَّا فَقَالَ الْجَبَّارُ يَا مُحَمَّدُ! قَالَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ قَالَ: إِنَّهُ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ كَمَا فَرَضْتُهُ عَلَيْكَ فِي أُمِّ الْكِتَابِ قَالَ: فَكُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا فَهِيَ خَمْسُوْنَ فِي أُمِّ الْكِتَابِ وَهِيَ خَمْسٌ عَلَيْكَ فَرَجَعَ إِلَى مُوْسَى فَقَالَ: كَيْفَ فَعَلْتَ فَقَالَ: خَفَّفَ عَنَّا أَعْطَانَا بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا)) قَالَ مُوْسَى: قَدْ وَاللّٰهِ: رَاوَدْتُ بَنِي إِسْرَائِيْلَ عَلَى أَدْنَى مِنْ ذٰلِكَ فَتَرَكُوْهُ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَلْيُخَفِّفْ عَنْكَ أَيْضًا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَا مُوْسَى! قَدْ وَاللّٰهِ: اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي مِمَّا اخْتَلَفْتُ إِلَيْهِ قَالَ: فَاهْبِطْ بِاسْمِ

بلندی پر پہنچے گا، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو لے کر اس سے بھی اوپر گئے، جس کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے، یہاں تک آپ سدرۃ المنتہیٰ پر آئے اور اللہ رب العزت کے قریب ہوئے اور اتنے قریب جیسا کہ کمان کے دونوں کنارے یا اس سے بھی زیادہ قریب پھر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری وحی کے ساتھ آپ کی امت پر دن اور رات میں پچاس نمازوں کو فرض کیا پھر رسول اللہ ﷺ نیچے تشریف لائے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ کو روک لیا اور پوچھا اے محمد! تمہارے رب نے تم سے کیا عہد لیا ہے؟ فرمایا: میرے رب نے مجھ سے دن رات میں پچاس نمازیں ادا کرنے کا عہد لیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ کی امت میں انہیں ادا کرنے کی ہمت نہیں، واپس جائیں، اپنی اور اپنی امت کی طرف سے ان میں کمی کی درخواست کریں چنانچہ رسول اللہ ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف مشورہ لینے کے لیے متوجہ ہوئے تو انہوں نے اشارہ کیا کہ اگر آپ چاہیں تو بہتر ہے، پھر آپ انہیں لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنے مقام پر کھڑے ہو

اللَّـهِ)) قَـالَ: وَاسْتَيْـقَـظَ وَهُوَ فِي مَسْجِدِ الْحَرَامِ. [راجع: ٣٥٧٠]

کر عرض کیا اے پروردگا! ہم سے تخفیف کر دے، کیونکہ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دس نمازوں کی کمی کر دی، پھر آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو انہوں نے آپ کو روکا، حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کو بار بار اللہ کی طرف بھیجتے رہے یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، پانچ نمازوں کی ادائیگی پر بھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو روکا اور کہا اے محمد! میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں کہ میں نے اپنی قسم بنی اسرائیل کا اس سے کم نمازیں ادا کرنے کا تجربہ کیا ہے وہ انتہائی ناتواں ثابت ہوئے اور انہوں نے اسے چھوڑ دیا، آپ کی امت تو جسم، دل، بدن، نظر اور سماعت کے اعتبار سے بہت کمزور ہے اور آپ واپس جائیں اور اپنے رب سے مزید تخفیف کی درخواست کریں، رسول اللہ ﷺ ہر مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوتے رہے تاکہ وہ آپ کو اس کے متعلق مشورہ دیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اسے ناپسند نہیں کرتے تھے، آخر کار پانچویں بار آپ کو اوپر لے گئے تو آپ نے عرض کیا اے پروردگار! میری امت جسم دل، کان اور بدن ہر حیثیت سے

کمزور ہے، ہم سے مزید تخفیف فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! آپ نے عرض کیا میں حاضر ہوں، اس حاضری میں میری سعادت ہے، فرمایا میرے ہاں وہ قول بدلا نہیں جاتا جیسا کہ میں نے تم پر ام الکتاب میں فرض کیا ہے، مزید فرمایا ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے لہٰذا یہ ام الکتاب میں پچاس ہیں مگر تم پر فرض پانچ ہی ہیں، پھر جب آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آئے تو انہوں نے پوچھا، اب کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ تخفیف کر دی کہ ہر نیکی کے بدلے دس گنا ثواب ملے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ کی قسم! میں نے بنی اسرائیل کا اس سے کم نمازوں کا تجربہ کیا ہے، انہوں نے اسے بھی چھوڑ دیا تھا آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیں اور ان میں مزید کمی کی درخواست کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! اللہ کی قسم! اب مجھے اپنے رب سے حیا آتا ہے کہ بار بار ایک کام کے لیے اس کی طرف جاؤں، انہوں نے کہا پھر اللہ کا نام لے کر زمین پر اتر جائیں۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام ہی میں تھے کہ بیدار ہوئے۔

فوائد: اس حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے اور یہ اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی کی وجہ سے فضیلت ملی، امام بخاری نے اس طویل حدیث کے مذکورہ ٹکڑے سے عنوان ثابت کیا ہے، دراصل اس فضیلت کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا اے پروردگار! مجھے گمان نہ تھا کہ کوئی مجھ سے زیادہ بلندی پر پہنچے گا، قرآن مجید کی صراحت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اللہ رب العزت جب ہم کلام ہوا تو انہوں نے مطالبہ کیا ''پروردگار! مجھے اپنا آپ دکھلا دیجئے کہ میں ایک نظر تجھے دیکھ سکوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا، البتہ اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تو بھی مجھے دیکھ سکے گا، پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے پھر جب انہیں کچھ افاقہ ہوا تو کہنے لگے: تیری ذات پاک ہے میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ (الاعراف: ۱۴۳)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے موسیٰ! میں نے تجھے اپنی رسالت اور ہم کلامی کی بناء پر تمام لوگوں پر ترجیح دیتے ہوئے تجھے منتخب کر لیا ہے۔ (الاعراف: ۱۴۴)

یعنی اگر دیدار نہیں ہو سکا تو اور تھوڑی نعمتیں اور فضیلتیں جو تمہیں عطا کی ہیں تمہیں اپنا رسول بنایا، براہ راست ہم کلامی کا شرف بخشا اور تمام جہانوں سے تمہیں منتخب کیا لہٰذا میری طرف سے آمدہ شرعی احکام پر اچھی طرح عمل کرو اور مذکورہ نعمتوں پر میرا شکر ادا کرتے رہو۔

بہر حال امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ماضی، حال اور مستقبل بلکہ ہر آن صفت کلام سے متصف ہے اللہ جب چاہے، جس سے چاہے جیسے چاہے ہم کلام ہونے پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حقیقی کلام کی جو آواز وحروف پر مشتمل تھی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زمین پر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں طور کلام کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے محمد! آپ نے عرض کیا میں حاضر ہوں، اس حاضری میں میری سعادت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے ہاں وہ قول بدلا نہیں جاتا جیسا کہ میں نے تم پر ام الکتاب میں فرض کیا ہے مزید فرمایا کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے لہٰذا یہ ام الکتاب

میں پچاس نمازیں ہیں مگر تم پر فرض پانچ ہی ہیں۔"

حدیث کے اس حصہ میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے بلا واسطہ گفتگو فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا کلام سنا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یا محمد کہہ کر خطاب کیا اور رسول اللہ ﷺ نے لبیک وسعدیک کے الفاظ سے جواب دیا، البتہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف زمین پر ملا تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اعزاز آسمانوں پر ملا ہے۔

حضرت شریک سے مروی اس حدیث پر بہت سے اعتراضات کئے گئے ہیں، ان کے جوابات طوالت کا باعث ہیں، استاذ محترم شیخ ڈاکٹر عبداللہ بن محمد الغنیمان رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں کتاب التوحید کی شرح میں نقل کیا ہے اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

(شرح كتاب التوحيد: ص٤٤٣ تا ٤٦٤)

(٣٨) بَابُ كَلَامِ الرَّبِّ مَعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

پروردگار کا اہل جنت سے گفتگو کرنا

اس عنوان سے مقصود بھی کلام الٰہی کو ثابت کرنا ہے قبل ازیں اللہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں، انبیاء کرام اور خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرنا ثابت کیا تھا نیز اس کلام کی انواع واقسام بیان کی تھیں، اب کلام کی ایک نوع اہل جنت سے باری تعالیٰ کا ہم کلام ہونا جسے امام بخاری نے اس عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

٧٥١٨ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي

۷۵۱۸: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا اے جنت والو! وہ عرض کریں گے لبیک وسعدیک، تمام تر خیر و برکت تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے اللہ فرمائے گا کیا تم خوش ہو؟ عرض کریں گے ای ہمارے پروردگار! ہم

يَدَيْكَ فَيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ! وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُولُ: أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُونَ: يَا رَبِّ! وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا)). [راجع: ٦٥٤٩]

خوش کیوں نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہ دیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے افضل انعام نہ دوں؟ اہل جنت عرض کریں گے اے پروردگا! اس سے افضل کیا چیز ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اپنی خوشی ورضا مندی تم پر اتارتا ہوں، آئندہ کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

فوائد: جنت کی نعمتیں بے شمار، لاتعداد اور لازوال ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی، غلام کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا آقا ہمیشہ کے لیے اس پر راضی رہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے مؤمن مردوں اور اہل ایمان خواتین سے ایسے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نیز سدا بہار باغات میں پاکیزہ قیام گاہوں کا بھی (وعدہ کر رکھا ہے) اور اللہ کی خوشنودی تو ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“ (التوبہ: ۷۲)

اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے گفتگو کرے گا، اہل جنت اس بابرکت کلام کو سنیں گے اور سوال وجواب کریں گے، اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوں گے، یہ گفتگو بار بار ہوگی، ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کلام اس کی مشیت سے متعلق ہے وہ جب چاہے جیسے چاہے جس سے چاہے ہم کلام ہوسکتا ہے اور اس کی کلام آواز وحروف پر مشتمل ہے جسے سنا اور سمجھا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو اس نعمت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اہل جنت سے مذکورہ گفتگو کسی خاص طبقہ سے نہیں بلکہ تمام اہل جنت سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ متعدد مرتبہ اہل جنت کو شرف ہم کلامی سے سرفراز کریں گے۔

٧٥١٩۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَوْمًا يُحَدِّثُ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ: ((أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ فَقَالَ لَهُ: أَوَلَسْتَ فِيمَا شِئْتَ؟ قَالَ: بَلَى وَلَكِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَزْرَعَ فَأَسْرَعَ وَبَذَرَ فَتَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهُ وَاسْتِوَاؤُهُ وَاسْتِحْصَادُهُ وَتَكْوِيرُهُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: دُونَكَ يَا ابْنَ آدَمَ! فَإِنَّهُ لَا يُشْبِعُكَ شَيْءٌ)) فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَا تَجِدُ هَذَا إِلَّا قُرَشِيًّا أَوْ أَنْصَارِيًّا فَإِنَّهُمْ أَصْحَابُ زَرْعٍ فَأَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِأَصْحَابِ زَرْعٍ فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ. [راجع: ٢٣٤٨]

٧٥١٩: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گفتگو کر رہے تھے، اس وقت آپ کے پاس ایک دیہاتی بھی بیٹھا تھا، آپ نے فرمایا کہ اہل جنت میں سے ایک شخص اپنے رب سے کھیتی باڑی کرنے کی اجازت طلب کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا وہ سب کچھ تیرے پاس نہیں ہے جو تو چاہتا ہے؟ وہ عرض کرے گا کیوں نہیں لیکن مجھے کھیتی باڑی سے محبت ہے چنانچہ وہ بہت جلد بیج بوئے گا اور پل جھپکنے میں ہی وہ اُگ آئے گا، سیدھا ہو جائے گا، کاٹنے کے قابل ہو جائے گا اور پہاڑوں کی طرح غلے کے انبار لگ جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! یہ لے لے، تیرے پیٹ کو کوئی چیز نہیں بھر سکتی، دیہاتی نے کہا یا رسول اللہ! یہ پیشکش تو قریشی یا انصاری ہی اٹھائیں گے کیونکہ وہی کھیتی باڑی والے ہیں، ہم تو کسان نہیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑے۔

فوائد: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان دنیا میں جو کام کرتا ہے وہ اس سے اتنا مانوس ہو جاتا ہے کہ بعض اوقات وہ جنت میں بھی اسے کرنے کی خواہش کرتا ہے حالانکہ وہاں اس قسم کی خواہش کا چنداں فائدہ نہ ہوگا تاہم اللہ تعالیٰ جنت میں اہل جنت کی خواہشات کا احترام کریں گے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”وہاں (جنت میں) تمہارا جو جی چاہے گا تمہیں ملے گا اور جو کچھ مانگو گے تمہارا ہو گا۔“ (حم السجدہ: ۳۱)

امام بخاری نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے ہم کلام ہو گا اور صفت کلام، علامتِ کمال ہے اور اللہ کی مشیت سے متعلق ہے وہ جب چاہے گا، جس سے چاہے گا کلام کرے گا، جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے یا دور دراز کار تاویل کی ہے وہ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔

(۳۹) بَابُ ذِكْرِ اللّٰهِ بِالْأَمْرِ

وَذِكْرِ الْعِبَادِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالرِّسَالَةِ وَالْإِبْلَاغِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ [۲/ البقرة: ۱۵۲] ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَائَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ [۱۰/ يونس: ۷۱، ۷۲] غُمَّةٌ هَمٌّ وَضِيقٌ قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿اقْضُوا إِلَيَّ﴾ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ يُقَالُ: افْرُقْ اقْضِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ﴾ [۹/ التوبة: ۶] إِنْسَانٌ يَأْتِيهِ فَيَسْتَمِعُ مَا يَقُولُ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَهُوَ آمِنٌ حَتَّى يَأْتِيَهُ فَيَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ وَحَتَّى يَبْلُغَ مَأْمَنَهُ حَيْثُ جَاءَهُ النَّبَأُ الْعَظِيمُ الْقُرْآنُ ﴿صَوَابًا﴾ [۷۸/ النبأ: ۳۸] حَقًّا فِي الدُّنْيَا وَعَمَلٌ بِهِ.

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو حکم دے کر یاد کرنا

اور بندوں کا اللہ کو یاد کرنا اس طرح ہے کہ وہ اس سے دعا کریں اس کے حضور عاجزی اور بے بسی کا اظہار کریں نیز لوگوں کو اس کا پیغام پہنچائیں اور تبلیغ کریں کیونکہ ارشاد باری

تعالیٰ ہے تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ (البقرۃ:۱۵۲)

"آپ انہیں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنائیں، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تمہیں میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی آیات سے نصیحت کرنا ناگوار گزرتا ہے تو میں نے اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے، تم یوں کرو کہ اپنے شریکوں کو ساتھ ملا کر ایک فیصلہ پر متفق ہو جاؤ جس کا کوئی پہلو تم سے پوشیدہ نہ رہے پھر جو کچھ میرے ساتھ کرنا ہو کر گزرو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو، پھر تم اگر (میری نصیحت سے) اعراض کرتے ہو تو میں تم سے کوئی مزدوری تو نہیں مانگتا (جو بند ہو جائے گی) میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبردار بن کر رہوں۔" (یونس:۷۱،۷۲)

غمہ کا معنی غم اور تنگی ہے، امام مجاہد نے کہا کہ "اقضوا الی" کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے پورا کر ڈالو یعنی میرا قصہ تمام کر دو چنانچہ "افرق" (المائدہ:۲۵) کا معنی بھی فیصلہ کر دے ہے یعنی ہمارے اور نافرمانوں کے درمیان جدائی ڈال دے۔

ارشاد باری تعالیٰ "اگر ان مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دیجئے تا آنکہ وہ (اطمینان سے) اللہ کا کلام سن لے پھر اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو۔ (التوبہ:٦) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام مجاہد نے فرمایا کہ اگر کوئی کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کا کلام اور جو کچھ آپ پر اترا ہے، اس کو سننے کے لیے آئے تو وہ شخص امن وامان میں ہے تا آنکہ وہ اپنے امن کے مقام پر پہنچ جائے جہاں سے آیا تھا،

النبأ العظیم (النباء:۲) اس سے مراد قرآن کریم ہے اور صوابًا (النباء:۳۸) اس سے مراد حق بات کہنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

وضاحت: امام بخاری نے اس عنوان میں پیش کردہ آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے افعال وصفات اور بندے کے افعال وصفات کے درمیان فرق واضح کیا ہے اور جو لوگ لفظ اور ملفوظ کے درمیان فرق نہیں کرتے ان کی تردید کی ہے، جب کوئی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو الفاظ وحروف جو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے یہ بندے کا فعل اور مخلوق ہے اور جس کلام کو اپنے الفاظ سے ادا کرتا ہے وہ اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے جیسا کہ تلاوت اور متلو میں فرق ہے تلاوت

بندے کا فعل ہے اور متلو اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے، امام بخاری نے اس فرق کو بیان کرنے کے لیے بایں طور تمہید اٹھائی ہے کہ ذکر اللہ اور ذکر العباد کے درمیان فرق واضح کیا ہے، اللہ تعالیٰ جب بندے کو یاد کرتا ہے تو اس سے مراد اسے شرعی احکام دنیا ہے اور بندہ جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس سے مراد عاجزی اور بے بسی کا اظہار اور اللہ کے احکام کی تبلیغ ہے، اس فرق کی وضاحت کے لیے آیت کریمہ کا حوالہ دیا ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، یعنی تم مجھے عاجزی، انکساری اور میرے حکام کی تبلیغ کے ذریعے یاد کرو، اس کے نتیجہ میں میں تمہیں بخشش، نصرت اور شرعی احکام دے کر یاد کروں گا چنانچہ امام بخاری نے حضرت نوحؑ کی کارکردگی سے متعلقہ آیات کا حوالہ دیا ہے، ان میں یہ واضح بیان ہے کہ حضرت نوحؑ نے اللہ کی آیات کی تبلیغ اور اس کے احکام کی اشاعت سے اللہ کو یاد کیا ہے، اس طرح مشرکین کو پناہ دینے کا مسئلہ ہے جب وہ کلام اللہ کو سننے کے لیے آئے ہوں، اللہ کی کلام کو جب پڑھا جاتا ہے تو الفاظ وحروف تو قاری کے ہوتے ہیں جو مخلوق اور بندے کا فعل ہیں، اور ان کے الفاظ وحروف سے جو کلام ادا ہوتی ہے وہ اللہ کی کلام اور غیر مخلوق ہے۔

امام بخاری کی عادت ہے کہ بعض اوقات وہ کسی حدیث کا حوالہ دیئے بغیر صرف آیات پر اکتفاء کرتے ہیں، جیسا کہ اس عنوان سے پتہ چلتا ہے، ہمیں ان حضرات کے موقف اتفاق نہیں کہ جن کا کہنا ہے کہ امام بخاری نامکمل کتاب چھوڑ گئے ہیں، وہ احادیث ذکر کرنا چاہتے تھے لیکن اس کی تکمیل سے پہلے اللہ کی طرف سے بلاوا آ گیا، یہ موقف مبنی بر حقیقت نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

(٤٠) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا﴾ [٢/ البقرة: ٢٢] وَقَوْلِهِ: ﴿وَتَجْعَلُوْنَ لَهُ أَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾ [٤١/ فصلت: ٩] وَقَوْلِهِ: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ﴾ [٢٥/ الفرقان: ٦٨] ﴿وَلَقَدْ أُوْحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ﴾ [٣٩/ الزمر: ٦٦، ٦٥]

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ [۱۲/ يوسف: ۱۰۶] ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ﴾ [۴۳/ الزخرف: ۸۷] وَ ﴿مَنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ﴾ [۳۱/ لقمان: ۲۵] فَذٰلِكَ إِيْمَانُهُمْ وَهُمْ يَعْبُدُونَ غَيْرَهُ وَمَا ذُكِرَ فِي خَلْقِ أَفْعَالِ الْعِبَادِ وَاكْتِسَابِهِمْ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ [۲۵/ الفرقان: ۲] وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مَا تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ [۱۵/ الحجر: ۸] بِالرِّسَالَةِ وَالْعَذَابِ ﴿لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ﴾ الْمُبَلِّغِيْنَ الْمُؤَدِّيْنَ مِنَ الرُّسُلِ ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [۱۵/ الحجر: ۹] عِنْدَنَا . ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ﴾ [۳۹/ الزمر: ۳۳] الْقُرْآنُ ﴿وَصَدَّقَ بِهِ﴾ [۳۹/ الزمر: ۳۳] الْمُؤْمِنُ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰذَا الَّذِي أَعْطَيْتَنِي عَمِلْتُ بِمَا فِيهِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ۔" (۲/البقرہ:۲۲)

نیز فرمان الٰہی ہے "تم اللہ تعالیٰ شریک ٹھہراتے ہو حالانکہ وہ تو تمام دنیا کا مالک ہے (حم السجدہ:۹) فرمان باری تعالیٰ "اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے (الفرقان:۶۸) نیز فرمایا اور بلاشبہ آپ پر اور آپ سے پہلے رسولوں پر وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے شرک کیا تو آپ کا عمل غارت ہو جائے گا اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے بلکہ آپ صرف اللہ کی عبادت کریں اور شکر گزار بندوں کی روش اپنائیں۔ (الزمر:۶۵:۶۶) ارشاد باری تعالیٰ ہے اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں مگر (ساتھ ہی ساتھ) شرک بھی کرتے رہتے ہیں۔ (یوسف: ۱۰۶)

نیز فرمایا کہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے۔ (الزخرف:۸۷) اور آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو جواب دیں گے یہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں۔

حضرت عکرمہ نے ان آیات کے متعلق فرمایا کہ ان آیات میں مشرکین کا ایمان واقرار

بیان ہوا ہے لیکن اس کے باوجود وہ عبادت غیر اللہ کی کرتے تھے۔

اس عنوان میں یہ بھی بیان ہے کہ بندے کے افعال، ان کا کسب ہیں مگر سب مخلوق الٰہی ہیں، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اسی پروردگار نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا صحیح صحیح اندازہ لگایا ہے۔(الفرقان: ٤)

فرمان الٰہی ہے ''ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ نازل کرتے ہیں۔'' (الحجر: ٨)

حضرت مجاہد نے آیت بالا کی تفسیر میں فرمایا کہ فرشتے رسالت اور عذاب لے کر نازل ہوئے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے ''تا کہ سچے لوگوں کو ان کی سچائی کے متعلق سوال کرے (الاحزاب: ٨) ان سے مراد اللہ کے پیغمبر ہیں جو اللہ کے احکام پہنچانے والے اور انہیں ادا کرنے والے ہیں۔

نیز فرمایا کہ ہم قرآن کریم کے نگہبان ہیں (الحجر: ٩) یعنی اپنے پاس سے حفاظت کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی۔'' (الزمر: ٣٣) صدق سے مراد قرآن ہے اور تصدیق کرنے والا مؤمن ہے جو قیامت کے دن پروردگار سے عرض کرے گا تو نے مجھے قرآن دیا تھا تو میں نے اس پر عمل کیا۔

٧٥٢٠ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيْلَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) قُلْتُ: إِنَّ ذٰلِكَ لَعَظِيْمٌ قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ((ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ)) قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ((ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ)). [راجع: ٤٤٧٧]

٧٥٢٠: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا تیرا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا یہ تو واقعی بہت بڑا گناہ ہے میں نے پھر عرض کیا اس کے بعد کونسا گناہ عظیم تر ہے؟ فرمایا تیرا اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائیں گے میں نے عرض کیا پھر کونسا؟

فرمایا تیرا اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔

فوائد: امام بخاری کے دور میں کئی ایک فتنوں نے جنم لیا، ان میں سے ایک فتنہ خلق قرآن تھا، کچھ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مخلوق ہے، اس کے برعکس ردعمل کے طور پر بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا کہ قرآن ہی غیر مخلوق نہیں بلکہ قرآن کی تلاوت کرتے وقت قاری کی آواز اور حروف بھی غیر مخلوق ہیں حتی کہ اس حد تک مبالغہ کیا گیا کہ کتابت قرآن کے لیے جو سیاہی اور کاغذ استعمال ہوا ہے وہ بھی غیر مخلوق ہے، محدثین کرام نے یہ موقف اختیار کیا کہ قاری کی آواز اور ادا ہونے والے حروف تو مخلوق ہیں البتہ تلاوت کی جانے والی کلام غیر مخلوق ہے کیونکہ تلاوت بندے کا فعل ہے اور اس کا کسب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہے، پھر اسی بنیاد پر مسئلہ خلق افعال العباد پیدا ہوا امام بخاری نے اس کے متعلق مستقل ایک رسالہ لکھا جس میں دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا کہ بندوں کے افعال ان کا کسب ہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں، وہ افعال اچھے ہوں یا بُرے بہر حال انہیں پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جبکہ معتزلہ اور جہمیہ نے اس موقف کو اختیار کیا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اللہ تعالیٰ تمہیں اور جو تم عمل کرتے ہو انہیں پیدا کرنے والا ہے۔ (الصافات: ۹٦) لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اللہ کے مقابلہ میں ہمسر ٹھہرانے کے مترادف ہے۔ یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔ اگر انسان کی موت اس عقیدہ پر ہوئی تو ایسے مشرک پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کیا ہے قرآن مجید میں شرک کی قباحت و شناعت بیان ہوئی ہے امام بخاری نے بھی ان آیات کا انتخاب کیا ہے جن میں شرک کی سنگینی کو بیان کیا گیا ہے، پیش کردہ حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ بندہ اپنے فعل کا خالق نہیں، یہ عقیدہ رکھنا کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے ایک شرک پر مبنی عقیدہ ہے وہ ایسا ہے گویا اس نے اللہ کا شریک بنایا اور اس کے متعلق سخت وعید ہے احادیث میں شرک کو اکبر الکبائر سے تعبیر کیا گیا ہے، اس بنا پر یہ عقیدہ رکھنا حرام ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ واللہ اعلم

(٤١) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَی:

﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ

﴿وَلَكِنْ ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ﴾ [٤١/ فصلت: ٢٢]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور (گناہ کرتے وقت) تم اس بات سے نہیں چھپتے کہ کہیں تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری جلدیں ہی تمہارے خلاف گواہی نہ دے دیں بلکہ تم تو یہ خیال کرتے تھے کہ جو کچھ تم کرتے ہو ان میں اکثر باتوں کو اللہ جانتا ہی نہیں۔''

(حم السجدہ: ٢٢)

٧٥٢١۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: اجْتَمَعَ عِنْدَ الْبَيْتِ ثَقَفِيَّانِ وَقُرَشِيٌّ أَوْ قُرَشِيَّانِ وَثَقَفِيٌّ كَثِيرَةٌ شَحْمُ بُطُونِهِمْ قَلِيلَةٌ فِقْهُ قُلُوبِهِمْ فَقَالَ أَحَدُهُمْ: أَتَرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ مَا نَقُولُ؟ قَالَ الْآخَرُ: يَسْمَعُ إِنْ جَهَرْنَا وَلَا يَسْمَعُ إِنْ أَخْفَيْنَا وَقَالَ الْآخَرُ: إِنْ كَانَ يَسْمَعُ إِذَا جَهَرْنَا فَإِنَّهُ يَسْمَعُ إِذَا أَخْفَيْنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ﴾ الْآيَةَ [٤١/ فصلت: ٢٢].[راجع: ٤٨١٦]

٧٥٢١: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ حرم کعبہ میں دو قریشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی اکٹھے ہوئے، یہ تینوں خوب موٹے تازے تھے تو ندیں نکلی ہوئی تھیں مگر ان کے دل سمجھ بوجھ سے کورے تھے ان میں سے ایک نے کہا تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سن سکتا ہے؟ دوسرا بولا اگر اونچی آواز سے باتیں کریں تب تو سن لیتا ہے اور اگر آہستہ آہستہ آواز سے چپکے چپکے بات کریں تو پھر نہیں سنتا تیسرا کہنے لگا اگر وہ اونچی آواز سے سن لیتا ہے تو آہستہ آواز والی بات بھی سن سکتا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''تم جو دنیا میں چھپ کر گناہ کرتے تھے تو اس ڈر سے نہیں کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری جلدیں تمہارے خلاف قیامت کے دن گواہی

دیں گے الی آخرہ۔"

فوائد: بدعقیدگی اور بدعملی میں مبتلا کفار ومشرکین کے حاشیہ خیال میں یہ بات نہ آسکتی تھی کہ ان کے خلاف گواہی دینے والے ان کے اپنے اعضاء بھی ہو سکتے ہیں لہٰذا ان گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے، اگر وہ یہ سوچ لیتے تو ان سے گناہ اور نافرمانی کا سرزد ہونا ہی ناممکن تھا کیونکہ نہ وہ خود اپنے اعضاء سے چھپ سکتے تھے اور نہ ہی ان سے گناہ کو چھپا سکتے تھے اور نہ ہی ان کے بغیر گناہ کا کام کر سکتے تھے۔

ابن بطال نے لکھا ہے کہ اس عنوان سے امام بخاری کی غرض اللہ تعالیٰ کے لیے صفت سمع کا اثبات ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ کے لیے صفت کلام ثابت کرنا ہے کہ وہ جب چاہے کلام کرنے پر قادر ہے۔(فتح الباری، ص٦٠٦ ج١٣)

لیکن ہمارے رجحان کے مطابق امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ بندوں کے اعمال ان کے اختیار سے واقع ہوتے ہیں اور کلام اسی کی صفت ہوتی ہے جو اسے ادا کرتا ہے، انسان کے اعضاء قیامت کے دن جب اس کے خلاف گواہی دیں گے تو ان کی گفتگو اور گواہی کو مبنی بر حقیقت قرار دیا جائے گا اس وقت ان کی کلام اعضاء کی طرف منسوب ہوگی، اس طرح ہر متکلم کی کلام اس کا فعل اور اس کی صفت ہے اس کے برعکس جو کسی دوسرے کی کلام نقل کرتا ہے وہ اس کی کلام نہیں بلکہ وہ اس کا ناقل ہے البتہ ہونٹوں اور زبان کی حرکت نیز اس کی آواز نقل کنندہ کی شمار ہوگی اور الفاظ وحروف سے جو کلام ادا ہو رہی ہے۔ اس کی نسبت اس غیر کی طرف ہوگی جس کی کلام نقل کی جا رہی ہے، جیسا کہ مشہور مقولہ ہے:

"آواز تو قاری کی ہوتی ہے البتہ کلام ذات باری کی شمار کی جائے گی۔"

بعض حضرات کو شبہ لاحق ہوا ہے کہ آیت کریمہ میں "تعملون" کی نسبت انسانوں کی طرف ہے لہٰذا وہ اپنے افعال کے خالق ہیں، امام بخاری نے اس شبہ کا ازالہ بایں طور کیا ہے کہ آیت کریمہ میں عمل کی نسبت بندوں کی طرف باعتبار کسب اور ارتکاب کے ہے البتہ بحیثیت تخلیق اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی۔ واللہ اعلم

(٤٢) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ [٥٥/ الرحمن: ٢٩] وَ ﴿مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ﴾ [٢١/ الانبياء: ٢] وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا﴾ [٦٥/ الطلاق: ١] وَأَنَّ حَدَثَهُ لَا يُشْبِهُ حَدَثَ الْمَخْلُوْقِيْنَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [٤٢/ الشورى: ١١] وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهِ مَا يَشَاءُ وَإِنَّ مِمَّا أَحْدَثَ أَنْ لَا تَكَلَّمُوْا فِي الصَّلَاةِ)).

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔'' (الرحمٰن:۲۹)

نیز فرمایا ''جب بھی ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے سن تو لیتے ہیں مگر کھیل میں پڑے رہتے ہیں۔'' (الانبیاء:۲۹)

ارشاد باری تعالیٰ ہے ''شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد (موافقت کی) کوئی نئی صورت پیدا کردے۔'' (الطلاق:۱) اللہ تعالیٰ کا کوئی نیا کام کرنا مخلوق کے نئے کام سے مشابہت نہیں رکھتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ بہت سننے والا اور بہت دیکھنے والا ہے۔'' (الشوریٰ:۱۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے نیا حکم دیتا ہے اور نئے احکام سے ہے کہ نماز میں کلام نہ کرو۔

٧٥٢٢۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: كَيْفَ تَسْأَلُوْنَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ كُتُبِهِمْ وَعِنْدَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ أَقْرَبُ

۷۵۲۲: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ''تم اہل کتاب سے ان کی کتابوں کے متعلق کیوں دریافت کرتے ہو؟ حالانکہ تمہارے پاس تو خود اللہ کی کتاب موجود ہے جو زمانہ کے اعتبار سے اللہ کی

الْكُتُبِ عَهْدًا بِاللَّهِ تَقْرَءُونَهُ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ؟ [راجع: ٢٦٨٥]

طرف سے نئی نئی آئی ہے، تم اسے پڑھتے ہو، وہ خالص ہے، اس میں کوئی ملاوٹ نہیں۔

٧٥٢٣ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِاللَّهِ أَنَّ عَبْدَاللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ وَكِتَابُكُمُ الَّذِي أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى نَبِيِّكُمْ ﷺ أَحْدَثُ الْأَخْبَارِ بِاللَّهِ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ وَقَدْ حَدَّثَكُمُ اللَّهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ بَدَّلُوا مِنْ كُتُبِ اللَّهِ وَغَيَّرُوا فَكَتَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكُتُبَ قَالُوا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِذَلِكَ ثَمَنًا قَلِيلًا أَوَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مَسْأَلَتِهِمْ فَلَا وَاللَّهِ! مَا رَأَيْنَا رَجُلًا مِنْهُمْ يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ. [راجع: ٢٦٨٥]

٧٥٢٣: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے انہوں نے فرمایا اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی مسئلہ کے متعلق کیوں پوچھتے ہو، تمہاری کتاب جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر نازل کی ہے وہ اللہ کے ہاں سے بالکل تازہ آئی ہے، وہ خالص ہے، اس میں کوئی آمیزش نہیں ہے نیز اللہ تعالیٰ نے تمہیں خود بتا دیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتابوں کو تبدیل اور متغیر کر دیا ہے چنانچہ وہ اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب لکھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے ذریعے تھوڑی سی پونجی حاصل کر لیں۔ کیا تمہارے پاس جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوال کرنے کے متعلق منع نہیں کرتا، اللہ کی قسم! ہم تو ان کے کسی آدمی کو نہیں دیکھتے جو تم سے اس کے متعلق دریافت کرے جو تم پر نازل ہوا ہے۔

فوائد: اللہ تعالیٰ کی صفات دو اقسام پر مشتمل ہیں۔ ا۔ ذاتیہ ٢۔ فعلیہ

صفات ذاتیہ وہ صفات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا جیسے العلم، القدرۃ، السمع اور البصر وغیرہ

صفات فعلیہ وہ صفات ہیں جن کا تعلق اللہ کی مشیت اور چاہت کے ساتھ ہے وہ

چاہے کرے اور چاہے تو نہ کرے مثلاً رزق دنیا، آسمان دنیا پر نزول فرمانا

اللہ کی صفت کلام کے دو پہلو ہیں، اصل کے اعتبار سے صفت ذاتیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہے اور ہمیشہ متکلم رہے گا لیکن کلام کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے یہ صفت فعلیہ ہے کیونکہ اس کا کلام فرمانا اس کی مشیت کے تابع ہے، معتزلہ نے صفات فعلیہ کا اس لیے انکار کیا ہے کہ مخلوق سے تعلق کی بناء پر وہ حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ حوادث کا محل نہیں ہوسکتا، نیز وہ کہتے ہیں کہ قرآن محدث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اسے ذکر محدث کہا ہے، امام بخاری نے اس عنوان اور پیش کردہ احادیث میں اسی موقف کی تردید کی ہے، کیونکہ قرآن مجید کو اللہ کی طرف سے تازہ تازہ نازل ہونے کے اعتبار سے محدث کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے کہ وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔ ہر روز ایک نئی شان میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے، کوئی اس سے کھانے کو مانگ رہا ہے، کوئی پینے کو کوئی تندرستی کے لیے دعا کر رہا ہے اور کوئی اولاد کے لیے نیز کوئی گناہوں سے مغفرت اور رفع درجات کے لیے اور وہ سب مخلوق کی سنتا اور ان کی فریاد رسی کر رہا ہے اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر آن یہ کام کر رہا ہے، علاوہ ازیں وہ ہر وقت نئی سے نئی مخلوق وجود میں لا رہا ہے، جس طرح انسانوں کی پیدائش بڑھ رہی ہے، اسی طرح ہر ذی حیات کی نسل میں اضافہ ہو رہا ہے، الغرض ہر روز اس کی ایک نئی آن اور نئی شان ہوتی ہے بہر حال امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صفات فعلیہ سے بھی متصف ہے جیسے کلام کرنا، زندہ کرنا، مارنا، پیدا کرنا اور اترنا وغیرہ اس قسم کے افعال وانتظامات ہر ساعت نئے نئے نمودار ہوتے رہے ہیں اور جن لوگوں نے صفات فعلیہ کا اس بناء پر انکار کیا ہے کہ وہ حادث ہیں اور حوادث ذات باری تعالیٰ کے شایان شان نہیں وہ علم سے کورے اور عقل سے فارغ ہیں۔ واللہ اعلم

(٤٣) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ﴾ [٧٥/ القيامة: ١٦] وَفِعْلِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ.

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى أَنَا مَعَ عَبْدِي حَيْثُ مَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ)).

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(اے نبی!) اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے۔ (القیامۃ:۱۶)

رسول اللہ ﷺ اس آیت کے اترنے سے پہلے نزول وحی کے وقت ایسا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میری یاد میں اپنے ہونٹ ہلاتا ہے۔

٧٥٢٤۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ﴾ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً وَكَانَ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ فَقَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ: فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكَ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُحَرِّكُهُمَا فَقَالَ سَعِيدٌ: أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُحَرِّكُهُمَا فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ قَالَ: جَمْعُهُ فِي صَدْرِكَ ثُمَّ تَقْرَؤُهُ ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ قَالَ: فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ ثُمَّ

۷۵۲۴: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے ''لا تحرك به لسانك'' کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی کے وقت شدت محسوس کرتے تھے راوی حدیث حضرت سعید بن جبیر نے کہا میں اپنے ہونٹ ہلاتا ہوں جیسے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ہونٹ ہلاتے دیکھا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے دونوں ہونٹ ہلائے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اس وحی کو یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں، اس وحی کو آپ کے دل میں جمع کرنا اور زبان سے پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے (القیامۃ:۱۷) یعنی تمہارے سینے میں قرآن کا جما دینا اور اس کو پڑھا دینا ہمارا کام ہے،

إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ قَالَ: فَكَانَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيْلُ علیہ السلام اسْتَمَعَ فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيْلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ ﷺ كَمَا أَقْرَأَهُ. [راجع: ٥]

جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو اس وقت پڑھے ہوئے کی اتباع کریں مطلب یہ ہے کہ جبرئیل کے وقت پڑھتے وقت کان لگا کر سنتے رہو اور خاموش رہو، یہ ہمارا ذمہ ہے کہ آپ قرآن اس طرح پڑھیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس آیت کے اترنے کے بعد جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے تو آپ کان لگا کر سنتے، جب حضرت جبرئیل چلے جاتے تو آپ لوگوں کو اسی طرح پڑھ کر سنا دیتے جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پڑھ کر سنایا تھا۔

فوائد: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ قرآنی الفاظ جو ہمارے منہ سے نکلتے ہیں یہ ہمارا فعل ہے جو مخلوق ہے اور قرآن جسے پڑھا جا رہا ہے وہ اللہ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے یعنی تلاوت اور متلو میں فرق واضح کیا ہے اس سے ان لوگوں کی تردید کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ قاری کی قراءت بھی قدیم ہے امام بخاری نے وضاحت فرمائی کہ قرآن کے ساتھ زبان کی حرکت قاری کا فعل ہے جو مخلوق اور حادث ہے اور جو پڑھا گیا ہے وہ اللہ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے جیسا کہ اللہ کا ذکر کرتے وقت زبان کا حرکت کرنا بندے کا فعل ہے اور حادث ہے اور جس کا ذکر کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدیم ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم ہیں، آئندہ تراجم میں بھی اسی مقصد کو بیان کیا جائے گا۔ (فتح الباری، ص ٦١٢ ج ١٣)

(٤٤) بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى:

﴿وَأَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوْا بِهِ إِنَّهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ [٦٧/ الملك: ١٤، ١٣] ﴿يَتَخَافَتُوْنَ﴾ [٢٠/ طه: ١٠٣] يَتَسَارُّوْنَ.

ارشادباری تعالیٰ ہے:

''اورتم خواہ چپکے سے بات کرو یا اونچی آواز سے، وہ تو دلوں کے راز تک جانتا ہے، بھلا وہ نہ جانے گا جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے وہ باریک بین اور ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔'' (الملک:۱۳،۱۴)

یتخافتون کے معنی وہ چپکے چپکے باتیں کرتے تھے۔ (القلم:۲۳)

٧٥٢٥ـ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ عَنْ هُشَيْمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ قَالَ: نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ فَكَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ فَإِذَا سَمِعَهُ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ فَقَالَ اللَّهُ لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ أَيْ بِقِرَاءَتِكَ فَيَسْمَعَ الْمُشْرِكُونَ فَيَسُبُّوا الْقُرْآنَ ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ عَنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسْمِعُهُمْ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾. [راجع: ٤٧٢٢]

۷۵۲۵: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کے متعلق فرمایا ''اور آپ اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بالکل پست آواز سے۔'' (الاسراء:۱۱۰) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں کافروں سے چھپے رہتے تھے۔ جب آپ صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرآن پڑھتے، جب مشرکین قرآن سنتے تو قرآن، صاحب قرآن اور قرآن لانے والے (حضرت جبرئیل) سب کو برا بھلا کہتے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ نماز میں باآواز بلند قرآن نہ پڑھیں کہ مشرکین قرآن کو بُرا بھلا کہیں اور نہ ہی اس قدر آہستہ پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی راستہ اختیار کریں۔

٧٥٢٦ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ

۷۵۲۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے

حَـدَّثَنَا أَبُـو أُسَـامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَـنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَـالَـتْ: نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَلَا تَـجْهَـرْ بِـصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ فِـي الدُّعَاءِ. [راجع: ٤٧٢٣] [مسلم: ١٠٠٣]

انہوں نے درج ذیل آیت کے متعلق فرمایا: اور آپ اپنی نماز کو نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بالکل پست آواز سے۔'' یہ دعا کے متعلق نازل ہوئی یعنی دعا نہ تو چلا کر مانگی جائے اور نہ بالکل پست آواز سے کی جائے۔

فوائد: شارح بخاری ابن بطال نے لکھا ہے کہ اس عنوان سے مقصود اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علم کا ثابت کرنا ہے کیونکہ اللہ کے ہاں آواز کا بلند یا پست ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، وہ تو دل کی باتوں کو جانتا ہے، لیکن اس مقصد کی نشاندہی پیش کردہ احادیث سے نہیں ہوتی، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں قول سے مراد عام ہے، اگر اس سے مراد قرآن کریم ہے تو وہ اللہ کی کلام غیر مخلوق ہے اور اللہ کی ذاتی صفت ہے جیسا کہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے اور اگر اس سے مراد عام گفتگو ہے تو وہ بندے کا فعل ہے جو مخلوق ہے جیسا کہ آیت کے آخری حصہ میں ہے ''کیا وہ اپنے مخلوق کے متعلق معلومات نہیں رکھتا۔'' (فتح الباری، ص ٦١٣، ج ١٣)

ابن المنیر نے امام بخاری کے مقصد کو بایں الفاظ بیان ہے کہ بندے کی تلاوت بلند اور آہستہ ہوتی ہے جو بندے کا فعل ہے اور مخلوق ہے البتہ جو چیز پڑھی جاتی ہے وہ اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے چونکہ امام بخاری مسئلہ خلق قرآن کے متعلق آزمائش بھی ڈالے گئے تھے اس لیے اس مسئلہ کو مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں۔ (فتح الباری، ص ٦١٤ ج ١٣)

ہمارے رجحان کے مطابق آخری مؤقف ہی مبنی بر حقیقت اور امام بخاری کے فکر کی ترجمانی کرتا ہے اور پیش کردہ احادیث سے بھی اس کی نشاندہی ہوتی ہے واللہ المستعان۔

٧٥٢٧۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُـو عَاصِمٍ قَالَ: أَخْبَـرَنَـا ابْنُ جُرَيْجٍ قَـالَ: أَخْبَـرَنَـا ابْـنُ شِهَـابٍ عَنْ أَبِي سَلَـمَةَ عَـنْ أَبِي هُـرَيْرَةَ قَـالَ: قَـالَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ

٧٥٢٧: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص خوبصورت آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے وہ ہم سے نہیں۔ مذکورہ راوی حدیث کے علاوہ دوسرے لوگوں نے

يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ)) وَزَادَ غَيْرُهُ يَجْهَرُ بِهِ. اس حدیث میں یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ جو اسے باآواز بلند نہ پڑھے۔

فوائد: مذکورہ حدیث مختلف الفاظ سے بیان ہوئی ہے، روایت کے آخر میں باآواز بلند تلاوت کرنے کا اضافہ راوی حدیث محمد بن ابراہیم التیمی کا بیان کردہ ہے۔

(فتح الباری، ص٦١٤، ج١٣)

حدیث میں آمدہ وعید کا مطلب یہ نہیں کہ ایسا انسان دین سے خارج ہے بلکہ قرآن مجید کو خوبصورت آواز سے نہ پڑھنے والا رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خوش الحانی اور باآواز بلند قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ ہمارے منہ سے جو قرآن کے الفاظ نکلتے ہیں وہ غیر مخلوق مگر ہماری زبان کا حرکت کرنا اوران الفاظ کا ادا کرنا ہمارا فعل ہے اور یہ فعل مخلوق ہے، گویا آپ نے تلاوت اور متلو میں فرق کو واضح کیا ہے کہ قرآنی الفاظ کو خوبصورت انداز سے پڑھتا اور باآواز بلند ادا کرنا یہ ہمارا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، ہم اس کے خالق نہیں ہیں۔

(٤٥) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ:

((رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ يَقُولُ: لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هَذَا فَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ)) فَبَيَّنَ أَنَّ قِيَامَهُ بِالْكِتَابِ هُوَ فِعْلُهُ وَقَالَ: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ﴾ وَقَالَ: ﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [٢٢/ الحج: ٧٧]

فرمان نبوی ہے:

”ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم جیسی نعمت عطا کی، وہ دن رات اس میں مشغول رہتا ہے۔“

اور وہ شخص جو کہتا ہے اگر مجھے اس جیسا دیا جائے جو اس کو دیا گیا ہے تو میں بھی وہ کروں جو وہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ اس قرآن کے ساتھ "قیام" یہ بندے کا فعل ہے نیز فرمان الٰہی ہے "اس کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کا پیدا کرنا، تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا ہے۔ (الروم:۲۲)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اچھے کام کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" (الحج:۷۷)

۷۵۲۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا تَحَاسُدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هَذَا لَفَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ فِي حَقِّهِ فَيَقُولُ: لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ عَمِلْتُ فِيهِ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ)). [راجع: ٥٠٢٦]

۷۵۲۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قابل رشک دو صرف آدمی ہیں، ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ قرآن دیا ہو اور وہ اس کی دن رات تلاوت کرتا رہتا ہو تو ایک دیکھنے والا کہتا ہے کہ کاش مجھے بھی اس جیسا قرآن دیا جائے تو میں بھی اس کی بایں طور تلاوت کروں جس طرح وہ کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اسے کما حقہ خرچ کرتا ہے اسے دیکھ کر ایک شخص کہتا ہے کاش مجھے بھی اللہ تعالیٰ مال دیتا تو میں بھی اسی طرح خرچ کرتا جیسے یہ کرتا ہے۔

۷۵۲۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ

۷۵۲۹: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: رشک کے قابل تو دو ہی آدمی ہیں، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا اور وہ دن رات اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا

يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ)) سَمِعْتُ سُفْيَانَ مِرَارًا لَمْ أَسْمَعْهُ يَذْكُرُ الْخَبَرَ وَهُوَ مِنْ صَحِيحِ حَدِيثِهِ. [راجع: ٥٠٢٥]

ہو تو وہ اسے دن رات خرچ کرتا ہے۔ علی بن مدینی نے کہا میں نے اس حدیث کو سفیان بن عیینہ سے کئی مرتبہ سنا ہے لیکن حدیث صحیح اور متصل ہونے کے باوجود وہ ''اخبرنا'' کے الفاظ سے اسے بیان نہیں کرتے۔

فوائد: عنوان میں ذکر کردہ پہلی آیت کے مطابق زبانوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے، مختلف زبانوں میں ہر قسم کی کلام آ جاتی ہے، ان میں قرآن کریم کی تلاوت بھی ہے جو بندے کا فعل ہے اور اللہ کی تخلیق ہے، اسی طرح دوسری آیت میں اچھے کام کرنے کی تلقین ہے، ان میں قراءت قرآن، ذکر الٰہی اور دعا کرنا بھی ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے قراءت کرنا قاری کا فعل ہے، جو اس کا کسب اور اللہ کا پیدا کردہ ہے، ذکر کردہ احادیث میں قاری کی قراءت اور اس کے قیام کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو اس کا فعل ہے، امام بخاری کا محل استدلال یہی ہے کہ قاری کی زبان کا حرکت کرنا، اس کے ہونٹوں کا ہلنا پھر اس کا قراءت کرنا سب اس کا فعل اور کسب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، البتہ جو کچھ پڑھا جا رہا ہے وہ اللہ کا کلام ہے دوسرے الفاظ میں اسے یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ ''الصوت صوت القاری والکلام کلام الباری'' یعنی آواز تو قاری کی ہے اور اس کے ذریعے پڑھا جانے والا کلام اللہ رب العزت کا کلام ہے، وللہ الحمد۔

(٤٦) بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: مِنَ اللَّهِ الرِّسَالَةُ وَعَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا التَّسْلِيمُ وَقَالَ [اللَّهُ تَعَالَى]: ﴿لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ﴾ [٧٢/ الجن: ٢٨] وَقَالَ ﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي﴾ [٧/ الاعراف: ٦٢] وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ حِينَ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ﴿فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ [٩/ التوبه: ٩٤] وَقَالَتْ

عَائِشَةُ: إِذَا أَعْجَبَكَ حُسْنُ عَمَلِ امْرِئٍ فَقُلْ: ﴿اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ [۹/ التوبه: ۱۰۵] وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ أَحَدٌ وَقَالَ مَعْمَرٌ: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ﴾ [۲/ البقرة: ۲] هَذَا الْقُرْآنُ ﴿هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾ [۲/ البقرة: ۲] بَيَانٌ وَدِلَالَةٌ كَقَوْلِهِ ﴿ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ﴾ [۶۰/ الممتحنة: ۱۰] هَذَا حُكْمُ اللَّهِ ﴿لَا رَيْبَ﴾ لَا شَكَّ ﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ﴾ يَعْنِي هَذِهِ أَعْلَامُ الْقُرْآنِ وَمِثْلُهُ ﴿حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ﴾ [۱۰/ يونس: ۲۲] يَعْنِي بِكُمْ وَقَالَ أَنَسٌ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَالَهُ حَرَامًا إِلَى قَوْمِهِ وَقَالَ: أَتُؤْمِنُونِي أُبَلِّغْ رِسَالَةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَجَعَلَ يُحَدِّثُهُمْ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے رسول! آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر جو نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجئے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پیغام الٰہی پہنچانے کا حق ادا نہ کیا۔“

(المائدہ: ٦٧)

امام زہری نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے رسالت ہے، رسول اللہ ﷺ کے ذمے اس پیغام کا آگے پہنچانا اور ہم پر اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے تا کہ رسول کو معلوم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے اللہ کے پیغامات صحیح صحیح پہنچا دیے ہیں۔(الجن:۲۸)

نیز فرمایا: ”میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔“ (الاعراف:٦٨)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا جب وہ (جنگ تبوک میں) رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔

عنقریب اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ تمہارا عمل دیکھ لیں گے۔“ (التوبۃ:۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب تجھے کسی کا کام اچھا لگے تو یوں کہو،

عمل کیے جاؤ، اللہ اس کا رسول اور اہل ایمان تمہارا عمل دیکھ لیں گے۔(التوبہ:۱۰۵)

کسی کا نیک عمل تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے

ارشاد باری تعالیٰ کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں (البقرہ:۲) حضرت معمر نے کہا کتاب سے مراد قرآن مجید ہے" اہل ایمان کے لیے ذریعہ ہدایت ہے (البقرہ:۲) یعنی بیان اور دلالت کے ذریعے ہدایت کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" یہ اللہ کا حکم ہے" (الممتحنۃ:۱۰) ذالکم سے مراد ھذا ہے۔

"لا ریب فیہ" (البقرۃ:۲) اس کا معنی اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے" یہ اللہ کی نشانیاں ہیں" (لقمان:۲) اس آیت میں تلک سے مراد ھذا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" حتی کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور کشتیاں بادِ موافق سے انہیں لے کر چلتی ہیں (یونس:۲۲) اس آیت کریمہ میں بھم سے مراد بکم ہے یعنی تمہیں لے کر چلتی ہیں،

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا گیا کہ تم مجھے امن دیتے ہو کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچاؤں، اس کے بعد انہوں نے پیغام پہنچانا شروع کر دیا اور ان سے باتیں کرنے لگے۔

وضاحت: مذکورہ عنوان سے مقصود یہ ہے کہ رسول کریم کی طرف سے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا، یہ ان کا فعل اور عمل ہے، جس پر انہیں اللہ کی طرف سے جزا اور ثواب دیا جائے گا اور جو پیغام پہنچانا ہے وہ اللہ کی کلام ہے اور وہ غیر مخلوق ہے یعنی رسالت اور ابلاغ دو الگ الگ چیزیں ہیں، رسالت اللہ کی طرف سے ہے جو اس کے پیغامات اوامر اور نواہی پر مشتمل ہے اور ابلاغ رسول کی ذمہ داری ہے جو اس کا فعل اور عمل ہے۔

حضرت معمر کے حوالہ سے جو بیان ہوا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ دلالت کی مختلف اقسام ہیں، بعض اوقات کسی فنی نکتہ کی وجہ سے اشارہ قریب کے مقام پر اشارہ بعید استعمال ہوتا ہے اور ضمیرِ خطاب کی جگہ پر ضمیر غائب استعمال ہوتی ہے، اس کی متعدد مثالیں پیش کی گئی ہیں، واضح رہے کہ رسالت میں چار چیزیں ہوتی ہیں ایک مرسل بھیجنے والا دوسرا مرسل الیہ

معنی جس کی طرف بھیجا گیا تیسرا رسول پیغام لانے والا اور نفس رسالت وہ پیغام جو بھیجا گیا ہے، ان میں سے ہر ایک کے لیے امر ہے مرسل کے لیے ارسال ہے، رسول کے لیے ابلاغ اور مرسل الیہ کے لیے قبول وتسلیم ہے، رسالت سے مراد وہ احکام اوامر ہیں جنہیں دوسروں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا جو اللہ کی طرف سے رسول کریم کو بھیجا گیا تھا امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ رسالت اللہ کا پیغام جو اس کی کلام پر مشتمل ہوتا ہے وہ غیر مخلوق ہے اور ابلاغ یعنی اس پیغام کا آگے قوم کو پہنچانا یہ رسول کریم کا عمل اور فعل ہے، ان دونوں میں فرق واضح ہے، اس طرح تلاوت قاری کا عمل ہے اور متلو اللہ کا کلام ہے واللہ اعلم

۷۵۳۰۔ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِاللَّهِ الْمُزَنِيُّ وَزِيَادُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ قَالَ الْمُغِيرَةُ: أَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا ﷺ عَنْ رِسَالَةِ رَبِّنَا أَنَّهُ مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ. [راجع: ۳۱۵۹]

۷۵۳۰: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا "ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں اپنے رب کے پیغامات میں سے یہ پیغام پہنچایا کہ ہم میں سے جو کوئی (اللہ کے راستہ میں) قتل کیا جائے گا وہ جنت میں جائے گا۔

فوائد: یہ حدیث ایک طویل حدیث کا حصہ ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایرانی فوج کے سامنے پرجوش تقریر کی تھی، جب ایرانی کمانڈر نے پوچھا تھا کہ تم کون ہو اور تمہارا کیا مقصد ہے؟ مذکورہ اقتباس اس تقریر سے ہے جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کی تھی۔ (صحيح بخاری، الجزية والموادعة: ۳۱۵۹)

امام بخاری کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے جو

امر، نہی، وعدہ، وعید اور گزشتہ اقوام کے حالات و واقعات آئے وہ آپ نے اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے کما حقہ ہم تک پہنچا دیئے، پیغامات کا پہنچانا یہ رسول کریم کا فعل اور عمل ہے اور یہ رسالت کے علاوہ ہے اور ابلاغ مخلوق ہے جبکہ رسالت اللہ کے امر و نہی پر مشتمل ہے وہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

٧٥٣١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ كَتَمَ شَيْئًا؟ ح وَقَالَ مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَتَمَ شَيْئًا مِنَ الْوَحْيِ فَلَا تُصَدِّقْهُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾.

[٥/ المائدة: ٦٧][راجع: ٣٢٣٤]

٧٥٣١: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا اگر کوئی تم سے یہ بیان کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحی الٰہی سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس کی تصدیق مت کرنا (کیونکہ وہ جھوٹا ہے) اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ ”اے رسول! آپ کے پروردگار کی طرف سے جو پیغام آپ کی طرف اتارا گیا ہے اسے لوگوں کو پہنچا دیجئے اگر آپ نے یہ کام نہ کیا تو گویا آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔“ (المائدہ: ٦٧)

فوائد: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ تبلیغ رسالت حضرت انبیاء علیہم السلام کی ذمہ داری تھی اور انہوں نے اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، پھر قرآن کی تلاوت اور اس کی وضاحت کے ساتھ تبلیغ کرنا ان کا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، البتہ جو پیغام انہوں نے پہنچایا ہے وہ اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے امام بخاری کے ہاں اس سلسلہ میں جتنے بھی دلائل ہیں، ان پر الگ الگ عنوان قائم کیا ہے جیسا کہ آئندہ تراجم سے معلوم ہوتا ہے، دراصل امام بخاری ان

مسائل کی وجہ سے بہت آزمائش میں ڈالے گئے تھے، اس لئے آپ نے اپنے موقف کی تائید میں دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ فجزاه الله خير الجزاء۔

٧٥٣٢۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيْلَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللَّهِ! أَيُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ: ((أَنْ تَدْعُوَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ((ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ؟)) قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ((أَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ)) فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَصْدِيقَهَا: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾ [٢٥/ الفرقان: ٦٨، ٦٩] الْآيَةَ.

٧٥٣٢: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کونسا جرم اللہ کے ہاں سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے، عرض کیا پھر کونسا؟ فرمایا کہ تو اپنے بچوں کو اس خوف کی بنا پر مار ڈالو کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائیں گے، عرض کیا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق بایں طور نازل فرمائی: "(اللہ کے بندے وہ ہیں) جو اللہ کے ساتھ کسی اور اللہ کو نہیں پکارتے اور نہ ہی اللہ کی حرام کردہ کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ ہی زنا کرتے ہیں اور جو شخص ایسے کام کرے گا وہ ان کی سزا پا کر رہے گا۔" (الفرقان: ٦٨)

فوائد: اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ابلاغ دو قسم کا تھا، ایک تو خاص جو قرآنی آیات نازل ہوئیں وہ آپ لوگوں کو سناتے اور ان پر عمل کرنے کی تلقین کرتے دوسرے وہ باتیں جن کا استنباط قرآن سے کرتے اور اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے، بعض اوقات اللہ تعالیٰ آپ کی باتوں کی تصدیق اپنی کتاب میں اتارتا تاکہ کوئی انسان ان کی صداقت میں شک وشبہ نہ کرے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کی کلام یا رسول کریم ﷺ کے ابلاغ میں ہمیں اس عقیدہ کا سراغ نہیں ملتا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے، قرآن وحدیث کے مطابق یہ عقیدہ شرک پر مبنی ہے کیونکہ خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور صفت خلق میں کسی دوسرے کو شریک کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا جرم ہے جسے شریعت نے اکبرالکبائر قرار دیا ہے۔ اگر اس عقیدہ سے توبہ کے بغیر موت آئی تو ایسے انسان کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے عقائد سے محفوظ رکھے۔ (آمین یا رب العالمین)

(٤٧) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا﴾ [٣/ آل عمران: ٩٣] وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: ((أُعْطِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوْا بِهَا وَأُعْطِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ الْإِنْجِيْلَ فَعَمِلُوْا بِهِ وَأُعْطِيْتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ)) وَقَالَ أَبُو رَزِيْنٍ: ﴿يَتْلُوْنَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ﴾ [البقرة: ١٢١] يَتَّبِعُوْنَهُ وَيَعْمَلُوْنَ بِهِ حَقَّ عَمَلِهِ يُقَالُ: ﴿يُتْلَى﴾ يُقْرَأُ حَسَنُ التِّلَاوَةِ حَسَنُ الْقِرَاءَةِ لِلْقُرْآنِ ﴿لَا يَمَسُّهُ﴾ [٥٦/ الواقعه: ٧٩] لَا يَجِدُ طَعْمَهُ وَنَفْعَهُ إِلَّا مَنْ آمَنَ بِالْقُرْآنِ وَلَا يَحْمِلُهُ بِحَقِّهِ إِلَّا الْمُوْقِنُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ﴾ [٦٢/ الجمعة: ٥] وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الْإِسْلَامَ وَالْإِيْمَانَ وَالصَّلَاةَ عَمَلًا قَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِبِلَالٍ: ((أَخْبِرْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ)) قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ إِلَّا صَلَّيْتُ. وَسُئِلَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ((إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ الْجِهَادُ ثُمَّ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ)).

ارشاد باری تعالیٰ:

کہہ دیجئے! اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ۔ (آل عمران: ۹۳)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اہل تورات کو تورات دی گئی تو انہوں نے اس پر عمل کیا؟ اور اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انہوں نے بھی اس پر عمل کر کے دکھایا اور تمہیں قرآن کریم دیا گیا تم نے بھی اس پر عمل کیا،

ابوزرین نے یتلونه حق تلاوته (البقرہ:۱۲۱) کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس کی اتباع کرتے ہیں اور اس پر جیسا عمل کرنا چاہئے تو ایسا ہی عمل کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ یتلی یعنی پڑھا جاتا ہے، حسن التلاوة اسے کہا جاتا ہے جس کا قرآن کریم پڑھنا عمدہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لا يمسه إلا المطهرون" (الواقعہ:۷۹) قرآن کریم کا مزہ وہی پائیں گے اور اس کا فائدہ وہی اٹھائیں گے جو کفر کی آلائش سے پاک ہوں یعنی وہ قرآن پر ایمان لائے، اس قرآن کو حق کے ساتھ وہی اٹھاتا ہے جو اس پر یقین رکھتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> "جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا پھر انہوں نے یہ بار نہ اٹھایا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو، بُری مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کی راہنمائی نہیں کرتا۔"

(الجمعۃ:۵)

رسول اللہ ﷺ نے ایمان، اسلام اور نماز کو عمل کہا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے اس پُر امید عمل کی خبر دو جو تم نے اسلام لانے کے بعد کیا ہو تو انہوں نے عرض کیا، میرا پُر امید عمل یہ ہے کہ میں نے جب بھی وضو کیا تو اس کے بعد دو رکعت ضرور پڑھیں، رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کونسا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا "اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پھر وہ حج جس کے بعد گناہ نہ ہو۔

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ تلاوت تورات سے مراد اس کی قراءت کرنا ہے اور پیش کردہ معلق روایت میں تلاوت کی تفسیر عمل سے کی گئی ہے کیونکہ اس میں تورات وانجیل پر عمل کرنے کا ذکر ہے اور عمل کا عموم تلاوت کو بھی شامل ہے، اور عمل،

عامل کا فعل ہے جو اللہ کا پیدا کردہ ہے، اس کے علاوہ جس کلام کو پڑھا جاتا ہے وہ اللہ کا کلام ہے جو قاری کی آواز و حروف سے سنی جاتی ہے، امام بخاری نے اس معلق روایت کو شاید آیت میں تلاوتِ تورات کی تفسیر کے لیے ہی پیش کیا ہے، اس کے علاوہ ابورزین کے اثر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت سے مراد اس کے مطابق عمل کرنا ہے جس کی نسبت بندوں کی طرف ہے اور بندوں کے اعمال تو اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔

امام بخاری نے درج ذیل آیت کریمہ کی بھی وضاحت کی ہے۔

کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے (العنکبوت:۵۱) اس آیت کریمہ میں لفظ ''نیکی'' سے مراد قراءت ہے اور قراءت کو بہترین اور اچھے نہ ہونے سے موصوف کیا جاسکتا ہے جبکہ متلو یعنی قرآن کو اچھے نہ ہونے سے متصف نہیں کیا جاسکتا، اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت اور متلو میں نمایاں فرق ہے۔

''ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اسے پاکیزہ لوگ چھوتے ہیں۔'' (الواقعہ:۷۹)

اس سے مراد بھی یہ ہے کہ ایماندار ہی اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اور اس کا ذائقہ چکھ سکتا ہے اور اس پر یقین رکھنے والا اس کا متحمل ہوسکتا ہے جیسا کہ آیت جمعہ میں اس کی وضاحت ہے، امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ کسی چیز کا ذائقہ پانا یا اس کا متحمل ہونا مختلف ہوتا ہے اس سے مراد عمل اور قراءت دونوں ہیں، معلوم ہوا کہ عمل اور قراءت بندے کا کسب ہے کیونکہ یہ دونوں بندے کی طرف منسوب ہیں،

پیش کردہ معلق احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام اور ایمان ایک عمل ہے اور نماز بھی ایک عمل ہے جو قراءت قرآن پر مشتمل ہوتی ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کو عمل قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ قراءت قرآن بھی ایک عمل ہے جو بندے کا فعل اور مخلوق ہے اور قرآن جسے پڑھا جاتا ہے یہ اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔

۷۵۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ	۷۵۳۳: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''گزشتہ

الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيْمَنْ سَلَفَ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوْبِ الشَّمْسِ أُوْتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوْا بِهَا حَتَّى انْتَصَفَ النَّهَارُ ثُمَّ عَجَزُوْا فَأُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا ثُمَّ أُوْتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ الْإِنْجِيْلَ فَعَمِلُوْا بِهِ حَتَّى صُلِّيَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ عَجَزُوْا فَأُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا ثُمَّ أُوْتِيْتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأُعْطِيْتُمْ قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابِ: هٰؤُلَاءِ أَقَلُّ مِنَّا عَمَلًا وَأَكْثَرُ أَجْرًا قَالَ اللّٰهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا؟ قَالُوْا: لَا قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي أُوْتِيْهِ مَنْ أَشَاءُ)).

[راجع: ۵۵۷]

امتوں کے مقابلہ میں تمہاری بقا صرف اس قدر ہے جتنا عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت، اہل تورات کو تورات دی گئی تو انہوں نے اس پر عمل کیا تا آنکہ دن آدھا ہو گیا اور وہ عاجز ہو گئے انہیں اجرت کے طور پر ایک ایک قیراط دیا گیا پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انہوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک عصر کی نماز کا وقت ہو گیا پھر وہ عاجز ہو گئے تو انہیں بھی ایک قیراط دیا گیا پھر تمہیں قرآن دیا گیا تو تم نے اس پر عمل کیا تا آنکہ مغرب کا وقت ہو گیا، تمہیں دو، دو قیراط اجرت دی گئی، اہل کتاب نے کہا ان لوگوں نے تھوڑا وقت کام کیا ہے لیکن انہیں اجرت زیادہ دی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہارے حق سے کچھ کم تو نہیں کیا؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں دوں۔

فوائد: تورات وانجیل پر عمل کرنے میں ان دونوں کتابوں کی قراءت بھی شامل ہے، اس سے ثابت ہوا کہ قراءت ایک عمل ہے جو بندے کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ ہے امام بخاری نے اس حدیث سے یہی ثابت کیا ہے کہ تلاوت بندے کا فعل ہے اور متلو یعنی جسے پڑھا گیا ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔ واللہ اعلم

(۴۹) بَابٌ وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الصَّلَاةَ عَمَلًا

وَقَالَ: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))

رسول اللہ ﷺ نے نماز کو عمل کا نام دیا ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

وضاحت: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز کو عمل کہا ہے اور نماز فاتحہ کے بغیر نہیں ہوئی اور قراءت فاتحہ گویا نماز کا جزو اعظم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قراءت بھی عمل ہے جو بندے کا فعل اور اللہ کا تخلیق کردہ ہے۔

٧٥٣٤۔ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْوَلِيْدِ ح وَ حَدَّثَنِي عَبَّادُ بْنُ يَعْقُوبَ الْأَسَدِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ الْعَيْزَارِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ((الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ ثُمَّ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ)). [راجع: ٥٢٧]

٧٥٣٤: حضرت عبداللہ بن بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا ''بر وقت نماز پڑھنا، والدین سے حسن سلوک کرنا پھر اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

فوائد: رسول اللہ ﷺ نے نماز کو افضل عمل قرار دیا ہے اور نماز میں قراءت بھی ہوتی ہے بلکہ اسے نماز کا جزو اعظم کہنا چاہیے اور یہ قراءت نمازی کا عمل ہے اور اس کا کسب ہے جبکہ قرآن جس کی قراءت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک اتارا ہے، امام بخاری نے اس سے یہی ثابت کیا ہے کہ تلاوت و قراءت اور متلو ومقروء میں نمایاں فرق ہے۔ واللہ اعلم

(٤٩) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ [٧٠/ المعارج: ٢١، ١٩].

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انسان تھڑ دلا پیدا کیا گیا ہے، جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے مال ملتا ہے، تو بخیل بن جاتا ہے۔(المعارج: ۱۹، ۲۰، ۲۱)

ہلوع کا معنی بے صبری کا اظہار کرنے والا ہے۔

۷۵۳۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ مَالٌ فَأَعْطَى قَوْمًا وَمَنَعَ آخَرِينَ فَبَلَغَهُ أَنَّهُمْ عَتَبُوْا فَقَالَ: ((إِنِّي أُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي، أُعْطِي أَقْوَامًا لِمَا فِي قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْغِنَى وَالْخَيْرِ مِنْهُمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ)) فَقَالَ عَمْرٌو: مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ. [راجع: ۹۲۳]

۷۵۳۵: حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مال آیا تو آپ نے اس میں سے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ کو نہ دیا، اس کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ اس تقسیم پر کچھ لوگ ناراض ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں ایک شخص کو دیتا ہوں اور دوسرے کو چھوڑ دیتا ہوں اور جسے میں نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ عزیز ہوتا ہے جسے دیتا ہوں، جن لوگوں کو دیتا ہوں وہ اس لیے کہ ان کے دلوں میں گھبراہٹ اور بے چینی ہوتی ہے جبکہ دوسرے لوگوں پر اعتماد کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو بے نیازی اور بھلائی عطا فرمائی ہے، ان میں عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ بھی ہیں، یہ سن کر حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس کلمہ تحسین کے مقابلہ میں مجھے سرخ اونٹ بھی ملتے تو میں انہیں ہرگز پسند نہ کرتا۔

فوائد: اس عنوان سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے،

اس کی صفات واخلاق اور کردار کا بھی پیدا کرنے والا ہے، جب وہ صفات واخلاق کا خالق ہے تو اس کے افعال واعمال کا بھی وہی خالق ہوگا، قراءت قرآن جو قاری کا عمل ہے وہ اللہ کا تخلیق کردہ ہے جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا خود خالق ہے، اس اعتبار سے یہ حضرات اللہ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہیں، پیش کردہ آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مال کی کثرت سے انسان کی طبیعت میں فیاضی پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کے بخل میں مزید اضافہ ہوتا ہے، اس کی بے ثباتی، بے قراری اور گھبراہٹ کو زائل کرنے کا فطری طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے چنانچہ اگلی آٹھ آیات میں ایسے اعمال کا ذکر ہے جن سے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اہل ایمان کی طبیعت میں اطمینان وسکون اور استقرار وٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ واللہ المستعان۔

(۵۰) بَابُ ذِكْرِ النَّبِيِّ ﷺ وَرِوَايَتِهِ عَنْ رَبِّهِ.

نبی کریم ﷺ کا بیان اور آپ کا اپنے پروردگار سے روایت کرنا

اس عنوان کے تحت چند ایک احادیث قدسیہ کا بیان ہوگا تاکہ روایت اور مروی کے درمیان فرق ہو جائے۔

۷۵۳۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو زَيْدٍ سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ الْهَرَوِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ: ((إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِذَا أَتَانِي مَشْيًا أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً)).

۷۵۳۶: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ اپنے پروردگار سے روایت کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور جب بندہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس کے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جب وہ میرے پاس پیدل چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ

کرآتا ہوں۔

٧٥٣٧ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: رُبَّمَا ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ مِنِّي شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا أَوْ بُوعًا)). [راجع: ٧٤٠٥] [مسلم: ٦٨٣٠، ٦٨٣١]

۷۵۳۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا بسا اوقات رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے جب بندہ مجھ ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ ایک ہاتھ قریب آتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔

وَقَالَ مُعْتَمِرٌ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ.

راوی حدیث معمر نے کہا میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں۔

فوائد: بندہ جب اللہ کے قریب ہوتا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے بدن کی حرکت سے اللہ کے قریب ہوتا ہو بلکہ وہ انابت، رجوع إلی اللہ دل کی توجہ اور اللہ کی فرمانبرداری کے ذریعے اللہ کے قریب ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ بحالت سجدہ اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ کا بندے کے قریب ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے نیچے اتر کر بندے کے قریب ہوتا ہے بلکہ وہ عرش پر مستوی رہتے ہوئے اپنے بندے کے قریب ہوتا ہے۔ وما ذالك على الله بعزيز

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی کلام کو روایت کیا ہے، خواہ یہ کلام حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے تھی یا براہ راست رسول اللہ ﷺ پر اس کا القا ہوا، صحابہ کرام نے اس کلام کو رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سماعت کیا اور اس امر کی تصدیق کی کہ واقعی یہ اللہ کی کلام ہے جسے رسول اللہ ﷺ بیان کر رہے ہیں، اس وضاحت سے روایت اور مروی نیز تلاوت اور متلو میں فرق واضح ہوا۔ وھو المقصود

٧٥٣٨ـ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّكُمْ قَالَ: ((لِكُلِّ عَمَلٍ كَفَّارَةٌ وَالصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ)). [راجع: ١٨٩٤]

۷۵۳۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ تمہارے رب سے روایت کرتے ہیں پروردگار نے فرمایا ہر عمل کا کفارہ ہے اور روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا نیز روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بڑھ کر ہے۔

فوائد: گناہ کے کفارہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ پر پردہ ڈالتا ہے اور اسے معاف کر دیتا ہے، اگرچہ ہر عمل کی جزا اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے تاہم اکثر طور پر اعمال کی جزاء فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے لیکن روزے کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی جزاء فرشتوں کے حوالے کرنے کے بجائے وہ خود دیتا ہے کیونکہ روزہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں رکھا جاتا اور نہ ہی اس میں کوئی ریا اور نمود و نمائش کا پہلو ہوتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ روایت اور مروی میں فرق ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٥٣٩ـ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ ح وَ قَالَ لِي خَلِيفَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ: ((لَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ إِنَّهُ خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى)) وَنَسَبَهُ إِلَى أَبِيهِ. [راجع: ٣٣٩٥]

۷۵۳۹: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے اپنے پروردگار کے حوالہ سے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ یوں کہے "آپ حضرت یونس بن متی سے بہتر ہیں۔" اور آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے باپ کی طرف منسوب کیا تھا۔

فوائد: حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی تواضع اور انکساری پر محمول ہے، آپ نے یہ وضاحت اس لیے کی کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اپنے رب کے حکم کی بناء پر صبر کریں اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں۔" (القلم:۴۸)
تا کہ اس آیت کے نزول کی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق کسی قسم کی ذلت اور کمزوری کا وہم نہ کیا جائے امام بخاری کا مقصود واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بیان کیا، اس لیے آپ کے بیان اور اللہ کے کلام میں فرق ثابت ہوا جیسا کہ تلاوت اور متلو میں فرق ہے، رسول اللہ ﷺ کا بیان مخلوق اور اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور روایت، رسول اللہ ﷺ کا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٥٤٠ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي سُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شَبَابَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْفَتْحِ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفَتْحِ أَوْ مِنْ سُورَةِ الْفَتْحِ قَالَ: فَرَجَّعَ فِيهَا قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ مُعَاوِيَةُ يَحْكِي قِرَاءَةَ ابْنِ مُغَفَّلٍ وَقَالَ: لَوْلَا أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيْكُمْ لَرَجَّعْتُ كَمَا رَجَّعَ ابْنُ مُغَفَّلٍ يَحْكِي النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ لِمُعَاوِيَةَ: كَيْفَ كَانَ تَرْجِيعُهُ؟ قَالَ آآآ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

۷۵۴۰: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو اونٹنی پر سوار دیکھا آپ سورۃ "الفتح" یا اس کی کچھ آیات پڑھ رہے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تلاوت کرتے وقت ترجیع فرمائی، راوی حدیث معاویہ بن قرہ نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی قراءت کی حکایت کرتے ہوئے کہا اگر لوگ تم پر ہجوم نہ کریں تو میں ترجیع کروں جیسے ابن مغفل رضی اللہ عنہ نے ترجیع کی تھی، وہ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی نقل کرتے تھے شعبہ نے کہا میں نے معاویہ سے پوچھا کہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ کیونکر ترجیع کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا آآآ تین بار مد کے ساتھ آواز دھراتے تھے۔

فوائد: آواز کو بار بار دھرا کر پہلے پست پھر بلند آواز سے پڑھنا ترجیع کہلاتا ہے رسول اللہ ﷺ کا اس انداز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا اونٹنی پر بیٹھنے کی وجہ سے اضطراری نہیں

بلکہ آپ نے ارادہ اور اختیار سے خوش الحانی کے طور پر اس انداز کو اپنایا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے علاوہ بھی قرآن مجید کی تلاوت اس انداز سے فرمائی ہے چنانچہ حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے اندازِ قرآن خوانی کو ملاحظہ کیا، میں اپنے بستر پر سوئی ہوئی تھی اور آپ ترجیع کے ساتھ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔

(شرح کتاب التوحید، ص ۵۸۱ ج ۲)

امام بخاری نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت ترجیع کو اختیار کرنا رسول اللہ ﷺ کا اختیار کردہ اپنا انداز اور فعل تھا، آپ اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے کر اپنی آواز کو گلے میں بار بار پھیرتے اور کلام باری تعالیٰ کو دھراتے، اس انداز سے آپ نے اپنی امت کو اپنے رب کلام پہنچایا، آواز کو رسول اللہ ﷺ کی تھی جو اللہ کی تخلیق ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کا تھا جو غیر مخلوق ہے۔

(۵۱) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ تَفْسِيرِ التَّوْرَاةِ وَغَيْرِهَا مِنْ كُتُبِ اللَّهِ بِالْعَرَبِيَّةِ وَغَيْرِهَا

لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

[۳/ آل عمران: ۹۳]

کتب الٰہیہ تورات وغیرہ کی عربی اور دیگر زبانوں میں تفسیر کرنے کا جواز

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”آپ کہہ دیں کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ۔“ (آل عمران: ۹۳)

۷۵۴۱۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا تَرْجُمَانَهُ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَرَأَهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ

۷۵۴۱: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مجھے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ شاہ روم ہرقل نے اپنے ترجمان کو بلایا پھر رسول اللہ ﷺ کے نامہ مبارک منگوایا اور

الـرَّحِيـمِ مِـنْ مُـحَـمَّـدٍ عَبْـدِ اللّٰـهِ وَرَسُـوْلِـهِ إِلَـى هِـرَقْلَ وَ ﴿يَـا أَهْـلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ الْآيَةَ. [٣/ آل عمران: ٦٤]

[راجع: ٧]

اسے پڑھا: "شروع اللہ کے نام سے جو بہت رحم کرنے والا انتہائی مہربان ہے، اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہرقل کے نام اس میں یہ آیت لکھی تھی: اے اہل کتاب! ایسے کلمہ کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان قدر مشترک ہے۔" (آل عمران:۶۴)

فوائد: آیت کریمہ میں تورات لانے اور اسے پڑھ کر سنانے کا حکم ہے حالانکہ تورات عبرانی زبان میں تھی اور جنہیں پڑھ کر سنانا تھا وہ عبرانی زبان نہیں جانتے تھے، اس سے خود بخود تورات کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ تورات اللہ کا کلام ہے اور اسے عربی میں ترجمہ کرنا یہ مترجم کا فعل ہے اور بندے کا یہ فعل اختیاری لیکن اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ ہے جبکہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے شاہ روم ہرقل کو عربی زبان میں خط لکھا اور اس نے ترجمان کے ذریعے اسے اپنی زبان میں سنا، یہ خط ایک آیت کریمہ پر مشتمل تھا، اس کا بھی ترجمہ کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے کلام کی تفسیر وتوضیح اور اس کا ترجمہ، مفسر اور مترجم کا اپنا فعل تھا اور مکتوب آیت کریمہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، امام بخاری نے اس مقصد کے پیش نظر مذکورہ عنوان قائم کیا ہے اور احادیث ذکر کی ہیں۔

٧٥٤٢ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَـدَّثَنَا عُثْـمَـانُ بْـنُ عُمَرَ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْـمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيـرٍ عَـنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَـالَ: كَـانَ أَهْـلُ الْكِتَـابِ يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ

۷۵۴۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی میں کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی تصدیق وتکذیب نہ کرو بلکہ یوں کہو: "ہم تو اللہ پر

لِأَهْلِ الإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تُصَدِّقُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا: ﴿آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ﴾)) الآيَةَ.

[راجع: ٤٤٨٥]

ایمان لائے اور اس چیز کو مانتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی۔'' (آل عمران:۸۴)

فوائد: اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں اور ان کی مذہبی کتاب تورات عبرانی زبان میں تھی، انہوں نے اپنی خواہشات اور مفادات کے پیش نظر اس میں ردو بدل کر دیا تھا ایسے حالات میں ان کے ترجمہ اور تفسیر کا کیونکر اعتبار کیا جاتا، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے جو اہل اسلام پر تعلیمات قرآن اور اپنے رسول کے فرمان کی صورت میں اتاری تھیں، ان کی موجودگی میں اس کی ضرورت بھی نہ تھی، امام بخاری کا مقصد اس حقیقت کا اظہار ہے کہ جب اللہ کے کلام کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے تو اس ترجمے کو اللہ کا کلام نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ وہ تو مترجم کی کاوش اور اس کا فعل ہے اور بندے کا فعل مخلوق اور اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، اس سے اشاعرہ کی تردید مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام جس زبان میں بھی ترجمہ کیا جائے وہ اللہ کا کلام ہی رہتا ہے، حالانکہ دلائل کے اعتبار سے یہ موقف محل نظر ہے۔ واللہ اعلم

٧٥٤٣ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ وَامْرَأَةٍ مِنَ الْيَهُوْدِ قَدْ زَنَيَا فَقَالَ لِلْيَهُوْدِ: ((مَا تَصْنَعُوْنَ بِهِمَا؟)) قَالُوا: نُسَخِّمُ وُجُوْهَهُمَا وَنُخْزِيْهِمَا قَالَ: ﴿فَأْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ فَجَاءُوْا فَقَالُوْا لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَرْضَوْنَ: يَا أَعْوَرُ! اقْرَأْ فَقَرَأَ

۷۵۴۳: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو لایا گیا جو آپس میں زنا کے مرتکب تھے، رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا کہ تم ایسے جرم پیشہ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کا منہ کالا کر کے انہیں ذلیل ورسوا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا ''اگر تم اس بات میں سچے ہو تو تورات لاؤ اور

حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَوْضِعٍ مِنْهَا فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ قَالَ: ارْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ يَدَهُ فَإِذَا فِيهِ آيَةُ الرَّجْمِ تَلُوحُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ عَلَيْهِمَا الرَّجْمَ وَلَكِنَّا نُكَاتِمُهُ بَيْنَنَا فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا فَرَأَيْتُهُ يُجَانِئُ عَلَيْهَا الْحِجَارَةَ. [راجع: ١٣٢٩] [مسلم: ٤٤٣٧]

اسے پڑھ کر سناؤ۔" چنانچہ وہ تورات لائے اور ایک آدمی سے جس پر وہ مطمئن تھے کہا "اے اعور! اسے پڑھو، اس نے پڑھنا شروع کیا تا آنکہ ایک مقام پر پہنچ کر اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنا ہاتھ اٹھاؤ، جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم واضح طور پر موجود تھی، اس نے کہا اے محمد! ان دونوں کے لیے رجم کا حکم تو واقعی ہے لیکن ہم اس حکم کو آپس میں چھپایا کرتے ہیں چنانچہ ان دونوں کو رجم کیا گیا میں نے دیکھا کہ زانی مرد اپنی داشتہ کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس پر جھکا پڑتا تھا۔

فوائد: رسول اللہ ﷺ عبرانی زبان نہیں جانتے تھے جبکہ آپ نے انہیں تورات لانے کا حکم دیا اور وہ عبرانی زبان میں تھی گویا آپ نے انہیں کلام اللہ کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کی اجازت دی اب دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تورات پڑھنے والا عبرانی زبان میں پڑھتا پھر اس کا عربی میں ترجمہ کرتا اس صورت میں آیت رجم پر ہاتھ رکھنے کا مطلب یہ تھا کہ صحابہ کرام میں سے جو عبرانی زبان جانتے تھے انہیں اس امر کا پتہ نہ چل سکے کہ تورات میں رجم کرنے کا حکم موجود ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ اسے عربی میں پڑھتا، اس صورت میں آیت رجم پر اس لیے ہاتھ رکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس حکم کو چھپایا جائے، بالآخر یہ چوری پکڑی گئی اور بدکاری کے مرتکب مرد، عورت دونوں کو رجم کر دیا گیا امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ ترجمہ اور اصل میں فرق واضح ہے کہ اصل اللہ کا کلام ہے اور ترجمہ انسانی کاوش اور بندے کا فعل ہے، بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں جبکہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔

(۵۲) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ:

((الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ)) وَ((زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ)).

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

قرآن کریم کی مہارت رکھنے والا قیامت کے دن کراما کاتبین کے ساتھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے انتہائی فرمانبردار ہیں۔

نیز فرمایا قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔

وضاحت: قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کے ساتھ جاننے، الفاظ کے ساتھ اس کے معانی سمجھنے اور اسی طرح رقت آمیز آواز سے اس کی تلاوت کرنے والا قرآن کا ماہر کہلاتا ہے، اسی طرح اپنی آوازوں سے قرآن کو مزین کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو مد اور ترتیل سے بایں طور پڑھا جائے کہ حد موسیقی کو نہ پہنچے، امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ تلاوت اور حفظ کئی طرح سے ہوتا ہے کوئی جید، کوئی غیر جید، کوئی خوش آواز اور کوئی اس کے برعکس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت اور حفظ قاری کی صفت ہے اور یہ مخلوق ہے جبکہ اللہ کا کلام جید ہی ہے اور اسے خوش الحانی سے پڑھنے کا حکم ہے نیز اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

۷۵۴۴۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ يَزِيدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَا أَذِنَ اللَّهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ)). [راجع: ۵۰۲۳]

۷۵۴۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جس قدر رسول اللہ ﷺ کے قرآن پڑھنے کو سنتا ہے جب وہ اسے بلند آواز سے پڑھتا ہے۔

فوائد: اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آواز کو سنتا ہے لیکن اس کی کتاب پڑھنے والے کی خوش الحانی کو پسند کرتا ہے، اسے توجہ سے سنتا ہے، اس حدیث میں خوش الحانی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف

منسوب کیا گیا ہے کیونکہ یہ آپ کا فعل اور عمل ہے اور یہ خوش الحانی اللہ کو مطلوب اور اسے انتہائی پسند ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ تلاوت اور آواز کی اچھا ہونا، اسے باآواز بلند پڑھنا یا آیت تلاوت کرنا یہ سب بندے افعال ہیں اور بندہ اپنے اعمال وافعال کے سمیت اللہ کی تخلیق ہے جبکہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

٧٥٤٥۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ: حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ قَالَتْ: فَاضْطَجَعْتُ عَلَى فِرَاشِي وَأَنَا حِينَئِذٍ أَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ يُبَرِّئُنِي وَلَكِنِّي وَاللَّهِ! مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللَّهَ يُنْزِلُ فِي شَأْنِي وَحْيًا يُتْلَى وَلَشَأْنِي فِي نَفْسِي كَانَ أَحْقَرَ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللَّهُ فِيَّ بِأَمْرٍ يُتْلَى وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾ [٢٤/ النور: ١١، ٢٠] الْعَشْرَ الْآيَاتِ كُلَّهَا. [راجع: ٢٥٩٣]

۷۵۴۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، ان پر جب بہتان لگا تو انہوں نے فرمایا میں اللہ کی قسم! مجھے یہ گمان نہ تھا کہ میرے متعلق قرآنی آیات نازل ہوں گی جن کی ہمیشہ تلاوت کی جاتی رہے گی، میرے خیال کے مطابق میری حیثیت اس سے کمتر تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسا کلام نازل فرمائے جس کی تلاوت ہو آخر کار اللہ تعالیٰ میرے متعلق یہ دس آیات نازل فرمائیں: ''بلاشبہ وہ لوگ جنہوں تہمت لگائی......'' آخر تک

(النور: ۱۱ تا ۲۰)

فوائد: امام بخاری نے درج ذیل الفاظ سے عنوان ثابت کیا ہے۔

''میرے بارے میں ایسی وحی نازل ہوگی جس کی تلاوت ہوتی رہے گی۔''

علامہ عینی نے لکھا ہے ''مجالس ومحاریب میں خوش الحانی سے تلاوت ہوتی رہے گی''

یعنی تلاوت بندوں کا فعل ہے۔ (عمدة القاری ص ۷۲۵، ج ۱۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلاوت اور متلو میں واضح فرق ہے کیونکہ تلاوت قاری کا فعل ہے جبکہ انزال، ایحاء اور تکلم اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جیسا کہ امام بخاری نے خود لکھا ہے کہ انزالِ وحی اللہ کی طرف سے ہے اور لوگ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

(خلق افعال العباد، ص ٨٦)

٧٥٤٦۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ أُرَاهُ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ: ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا أَوْ قِرَاءَةً مِنْهُ. [راجع:٧٦٧]

۷۵۴۶: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ نماز عشاء میں "والتین والزیتون" پڑھ رہے تھے، میں آپ سے زیادہ بہترین آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں سنا۔

فوائد: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں دوران جماعت امام کو چاہئے کہ وہ خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کرے اور تجوید کے قواعد کے مطابق اسے پڑھے، ہمارے علماء کرام کو اس طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے رسول اللہ ﷺ بلند آواز اور خوش الحانی سے قرآن پڑھتے تھے امام بخاری نے اس سے ثابت کیا ہے آواز اور تلاوت بندے کا فعل ہے جو اللہ کی طرف سے پیدا کردہ ہے جبکہ جسے پڑھا جا رہا ہے وہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، چونکہ امام بخاری خلق قرآن کے حوالہ سے سخت آزمائش سے گزرنا پڑا تھا، اس لیے اس مسئلہ کو دلائل و براھینِ سے بیان کیا ہے اور ہر دلیل پر عنوان بندی بھی کرتے ہیں، جیسا کہ آئندہ ابواب سے ظاہر ہے۔

٧٥٤٧۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مُتَوَارِيًا بِمَكَّةَ وَكَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَإِذَا سَمِعَ

۷۵۴۷: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں چھپ کر تبلیغ کرتے تو قرآن کریم بآواز بلند پڑھتے تھے۔ اسے جب مشرکین سنتے تو قرآن اور اس کے لانے

الْمُشْرِكُوْنَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ جَاءَ بِهِ فَقَالَ اللَّهُ لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ [١٧/ الاسراء: ١١٠] [راجع: ٤٧٢٢]

والے کو برا بھلا کہتے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: ''اپنی نماز میں نہ آواز بلند کرو اور نہ ہی بالکل پست رکھو۔'' (الاسراء:)

فوائد: یہ حدیث پہلی کئی مرتبہ گزر چکی ہے، اس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بآواز بلند قرآن کی تلاوت کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آواز کی نسبت قاری کی طرف ہوگی جیسا کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی طرف بلند آواز کی نسبت کی گئی ہے، گویا آپ کا فعل ہے، قاری قرآن پڑھتے وقت اپنی آواز کو اونچا یا پست کرسکتا ہے، کیونکہ یہ اس کے اختیار میں ہے البتہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ ہے لیکن وہ قرآن جسے بلند یا پست آواز سے پڑھا جاتا ہے یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے۔

٧٥٤٨۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رضی اللہ عنہ قَالَ لَهُ: إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ لِلصَّلَاةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ فَإِنَّهُ: ((لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. [راجع: ٦٠٩]

۷۵۴۸: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے کہا، میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل کو بہت پسند کرتے ہو، جب تک تم اپنی بکریوں یا جنگل میں رہو تو بلند آواز سے اذان کہو کیونکہ موذن کی آذان جہاں تک پہنچے گی اور اسے جن دانس اور دوسری جو چیزیں بھی سنیں گی وہ قیامت اس کی گواہی دیں گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

فوائد: اس حدیث میں بلند آواز سے اذان دینے کا بیان ہے، امام بخاری نے اس سے ثابت کیا ہے کہ قراءت اور چیز ہے اور قرآن چیزے دیگر است، کیونکہ قراءت ہی بلند اور پست جیسی صفات سے متصف ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ قاری کی صفت اور مخلوق ہے جبکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت اور غیر مخلوق ہے، بہر حال بندوں کی آواز ان کا فعل ہے جس پر انہیں جزا یا سزا دی جائے گی، قراءت وتلاوت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے وہ قاری اور پڑھنے والے کا فعل ہے جس پر اسے ثواب کا حقدار ٹھہرایا جائے گا جبکہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

٧٥٤٩۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَرَأْسُهُ فِي حَجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ. [راجع: ٢٩٧]

٧٥٤٩: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت بھی قرآن پڑھتے، جب آپ کا سر مبارک میری گود میں ہوتا اور میں حالت حیض سے ہوتی تھی۔

فوائد: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قراءت، قرآن کے علاوہ ہے کیونکہ اگر قراءت سے مراد قرآن ہوتا تو اسے عورت کی گود میں نہ رکھا جاتا جبکہ وہ حیض کی حالت میں ہو، اس سے ثابت ہوا کہ قراءت، قاری کا فعل ہے اور یہ مکانی اور زمانی ظروف سے متعلق ہے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس سے امام بخاری نے خوش الحانی سے قرآن پڑھنا ثابت کیا ہے، حالانکہ امام بخاری کا قطعاً یہ مدعا نہیں ہے اور نہ ہی اس مقام پر اس کا کوئی محل ہے۔

(٥٣) بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى:

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ [٧٣/ المزمل: ٢٠]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔“ (المزمل:٢٠)

٧٥٥٠۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ

٧٥٥٠: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ہشام

شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدٍ الْقَارِيَّ حَدَّثَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوْفٍ كَثِيْرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَتَصَبَّرْتُ حَتّٰى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَقُلْتُ: مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ؟ قَالَ: أَقْرَأَنِيهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ: كَذَبْتَ أَقْرَأَنِيهَا عَلَى غَيْرِ مَا قَرَأْتَ فَانْطَلَقْتُ بِهِ أَقُوْدُهُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ: إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوْفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا فَقَالَ: ((أَرْسِلْهُ اقْرَأْ يَا هِشَامُ)) فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ)) ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اقْرَأْ يَا عُمَرُ)) فَقَرَأْتُ الَّتِي أَقْرَأَنِي فَقَالَ: ((كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ

بن حکیم رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سورۃ الفرقان پڑھتے سنا، میں نے ان کی قراءت کی طرف کان لگایا تو وہ قرآن مجید بہت سے ایسے طریقوں سے پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے، قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر دیتا لیکن میں نے صبر سے کام لیا اور جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال دیا اور کہا کہ تمہیں یہ سورت اس طرح کس نے پڑھائی ہے؟ جسے میں نے ابھی ابھی تم سے سنا ہے انہوں نے کہا مجھے اس طرح رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو مجھے تو رسول اللہ ﷺ یہ سورت اس نہیں پڑھائی چنانچہ میں انہیں کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اس شخص کو سورت فرقان ایسے حروف پر پڑھتے سنا ہے جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو، ھشام! تم پڑھ کر سناؤ، تو اس نے وہی قراءت پڑھی جو میں نے اس سے سنی تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر رسول

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ))۔ [راجع: ٢٤١٩]

اللہ ﷺ نے فرمایا اے عمر! اب تم پڑھو، میں نے اس قراءت کے مطابق پڑھا جو آپ نے مجھے سکھائی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس طرح بھی نازل ہوئی ہے، یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اس لیے تمہیں جس قراءت میں سہولت ہو اس کے مطابق پڑھ لیا کرو۔

فوائد: امام بخاری نے حدیث کے آخری حصہ سے عنوان ثابت کیا ہے کہ جس قراءت میں سہولت ہو اس کے مطابق پڑھو، رسول اللہ ﷺ نے ''پڑھنے'' کو صحابہ کی طرف منسوب کیا ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن پڑھنا ان کا فعل ہے کیونکہ اس میں سہولت کا وصف پایا جاتا ہے، لوگ اس میں مختلف ہوتے ہیں، قراءت میں اختلاف ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت ھشام رضی اللہ عنہما کی قراءت میں ہوا مگر قرآن کریم اختلاف کا محل نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ کا کلام ہے اور قرآن مجید سہولت کے مطابق پڑھنا بندوں کا فعل ہے جو مخلوق ہے یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ جہاں سے قرآن یاد ہو وہاں سے قراءت کر سکتے ہیں اور جس قدر آسانی سے پڑھا جائے اتنا ہی پڑھنا چاہیے البتہ امام کو ہدایت ہے کہ وہ قراءت کرتے وقت اپنے مقتدیوں کا ضرور خیال رکھے۔

انتہائی ضروری نوٹ:

حروف سبعہ کی تعیین میں بہت اختلاف ہے، بعض لوگوں نے اس سے سات لغات مراد لی ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر اور حضرت ھشام رضی اللہ عنہما دونوں قریشی تھے، ان کی لغت ایک تھی اس کے باوجود ان کا اختلاف ہوا، یہ کوئی معقول بات نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ہی آدمی کو قرآن مجید ایسی لغت میں سکھائیں جو اس کی لغت نہ ہو، بعض نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد ایک معنی کو مختلف حروف والفاظ سے ادا کرنا ہے اگرچہ ایک ہی لغت سے ہو، کیونکہ حضرت عمر اور حضرت ھشام رضی اللہ عنہما کی ایک ہی لغت تھی لیکن اس کے باوجود

ان کی قراءت میں اختلاف ہوا، اس سلسلہ میں دو باتوں پر اتفاق ہے۔

☆ قرآن کریم کو سبعہ حروف سے پڑھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کریم کے ہر لفظ کو سات طریقوں سے پڑھنا جائز ہے کیونکہ چند ایک کلمات کے علاوہ بیشتر کلمات اس اصول کے تحت نہیں آتے۔

☆ سبعہ حروف سے مراد ان سات ائمہ کی قراءت ہرگز نہیں ہے جو اس سلسلہ میں مشہور ہوئے ہیں کیونکہ پہلا پہلا شخص جس نے ان سات قراءت کو جمع کرنے کا اہتمام کیا وہ ابن مجاہد ہے۔ جس کا تعلق چوتھی صدی سے ہے امام جزری فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو بہت مشکل خیال کرتا تھا حتی کہ میں نے تیس سے زیادہ سال، اس پر غور و فکر کیا، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قراءت کا اختلاف سات وجوہ سے باہر نہیں ہے وہ حسب ذیل ہیں

1 معنی اور صورت خطی میں تبدیلی کے بغیر صرف حرکات میں اختلاف ہوگا جیسا کہ بخل کو چار اور کلمہ یحسب کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔

2 صورت خطی میں اختلاف کے بجائے صرف معنی میں اختلاف ہوگا جیسا کہ فتلقی آدم من ربہ کلمات کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے 1۔آدم کی رفعی اور کلمات کی نصبی حالت 2۔آدم کی نصبی اور کلمات کی رفعی حالت۔

3 صورت خطی کے بجائے حروف میں تبدیلی ہوگی جس سے معنی بھی بدل جائے، جیسا کہ تبلو کو تتلوا پڑھا گیا ہے۔

4 صورت خطی کے بجائے حروف میں تبدیلی ہوگی لیکن اس سے معنی نہیں تبدیل ہوگا جیسا کہ بصطۃ کو بسطۃ اور الصراط السراط پڑھا گیا ہے۔

5 صورت خطی اور حروف دونوں کی تبدیلی ہوگی جس سے معنی بھی تبدیل ہو جائے گا اشد منکم کو اشد منھم پڑھا گیا ہے۔

6 تقدیم وتاخیر کا اختلاف ہوگا جیسا کہ فیقتلون ویقتلون میں ہے، اس میں پہلا معروف اور دوسرا مجہول ہے اسے یوں پڑھا گیا ہے ویقتلون فیقتلون،

7 حروف کی کمی وبیشی میں اختلاف ہوگا جیسا کہ واوصی کو ووصّی پڑھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اظہار وادغام، روم واشمام، تفخیم وترقیق، مدوقصر، امالہ وفتح، تخفیف وتسھیل اور ابدال ونقل وغیرہ جسے فن قراءت میں اصول کا نام دیا جاتا ہے، یہ ایسا اختلاف نہیں ہے جس سے معنی یا لفظ میں تبدیل آتی ہو۔ (النشر: ص ۲۶ ج ۱)

دور حاضر میں بعض اہل علم کی طرف سے دعوی کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک ہی قراءت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے، اس کے علاوہ جو قراءت مدارس میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں وہ سب فتنہ عجم کی باقیات ہیں، ہمارے رجحان کے مطابق مذکورہ دعوی بلا دلیل ہے کیونکہ یہ قراءت صحابہ وتابعین سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور رسم عثمانی کی حدود کے اندر اور اس کے مطابق ہیں نیز یہ اجماع امت سے ثابت ہیں، جس طرح ہمارے ہاں روایت حفص کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کئے جاتے ہیں، اسی طرح شمالی افریقہ اور بعض دوسرے ممالک میں روایت ورش وغیرہ کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کیے جاتے ہیں اور وہاں کی حکومتیں بھی سرکاری اہتمام کے ساتھ انہیں شائع کرتی ہیں، میری ذاتی لائبریری میں روایت ورش کا مصحف موجود ہے، حال ہی میں سعودی عرب کے مجمع الملک فہد (مدینہ طیبہ) نے بھی لاکھوں کی تعداد میں روایت ورش، روایت دوری اور روایت قالون کے مطابق مصاحف ان مسلم ممالک کے لیے طبع کئے ہیں جن میں ان کے مطابق قراءت کی جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے متن میں تمام قراءت متواترہ کی گنجائش موجود ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ موجودہ مصاحف کے قرآنی الفاظ رسم عثمانی کے مطابق لکھے گئے ہیں اس رسم الخط کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تمام قراءت متواترہ کے پڑھنے کا امکان موجود ہے اور یہ ساری قراءت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اطراف عالم میں بھیجے ہوئے نسخوں کے رسم الخط میں سما جاتی ہیں۔

واضح رہے کہ قرآن کریم میں کسی بھی قراءت کے مستند ہونے کے لیے درج ذیل قاعدہ ہے۔

”جو قراءت قواعد عربیہ کے مطابق ہو اگرچہ یہ موافقت بوجہ ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو خواہ یہ مطابقت احتمالاً ہو نیز وہ صحیح متواتر سند سے

ثابت ہو۔''

اس اصول کے مطابق جو بھی قراءت ہوگی وہ قراءت صحیحہ اور ان حروف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا، مسلمانوں کو اس کا قبول کرنا واجب ہے اور اگر تینوں شرائط میں سے کسی شرط میں خلل آجائے تو وہ قراءت شاذہ، ضعیف یا باطل ہوگی۔(النشر ص ۹ ج ۱)

یہ بات کہ تمام قراءت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف میں سما جاتی ہیں ہم اس کی وضاحت ایک مثال سے کرتے ہیں، سورۃ فاتحہ کی آیت ''مالک یوم الدین'' اس آیت میں ملک کو ملک اور مالک دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے اور یہ دونوں قراءت متواترہ ہیں، روایت حفص میں اسے مالک میم پر کھڑا زبر اور روایت ورش میں اسے ملک میم پر زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں، حجاز میں یہ دونوں الفاظ ایک ہی مفہوم کے لیے استعمال ہوتے ہیں یعنی روز جزا کا مالک یا روز جزا کا بادشاہ، جو کسی علاقے کا بادشاہ ہوتا ہے وہ اس کا مالک بھی ہوتا ہے، لیکن جس مقام میں اختلاف قراءت کے متعلق متواتر سند نہ ہو وہاں رسم الخط میں گنجائش کے باوجود دوسری قراءت پڑھنا ناجائز اور حرام ہے مثلاً سورۃ الناس کی دوسری آیت رسم عثمانی کے مطابق اس طرح ہے، ''ملک الناس'' اسے مقام پر تمام قراء ملک الناس ہی پڑھتے ہیں اسے کوئی بھی ملک الناس کھڑے زبر کے ساتھ نہیں پڑھتا کیونکہ یہاں اختلاف قراءت منقول نہیں ہے در اصل قراءت متواترہ کا اختلاف سے قرآن کریم میں کوئی ایسا ردوبدل نہیں ہوتا جس سے اس کے مفہوم اور معنی تبدیل ہو جائیں یا حلال حرام ہو جائے بلکہ اختلاف قراءت کے باوجود بھی قرآن، قرآن ہی رہتا ہے اور اس کے نفس مضمون میں کسی قسم کا کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، بہر حال قراءت متواترہ جنہیں احادیث میں احرف سبعہ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ آج بھی موجود ہیں اور اس کے انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

(٥٤) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ [٥٤/ القمر: ١٧] وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ)) يُقَالُ: مُيَسَّرٌ مُهَيَّأٌ وَقَالَ مُجَاهِدٌ: يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ بِلِسَانِكَ هَوَّنَّا قِرَاءَتَهُ عَلَيْكَ وَقَالَ مَطَرٌ

الْوَرَّاقُ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ قَالَ هَلْ مِنْ طَالِبِ عِلْمٍ فَيُعَانَ عَلَيْهِ؟.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔'' (البقرہ:۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس عمل کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے، ''میسر'' کا معنی تیار کیا گیا یعنی آسان کیا گیا ہے مجاہد نے کہا ''یسرنا القرآن بلسانك'' کا معنی یہ ہے کہ آپ پر اس کی قراءت آسان کر دی ہے، مطر الوراق نے کہا ''ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدّکر'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی علمِ قرآن کا طالب ہے جس کی اس کے متعلق مدد کی جائے؟

وضاحت: علامہ عینی نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کا معنی لکھا ہے کہ ہم نے قرآن کو یاد کرنے اور نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ (عمدۃ القاری، ص ۲۷۷، ج ۱۶) امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کا حفظ کرنا، اس کا سمجھنا اور اس سے نصیحت حاصل کرنا نیز اس کی تلاوت اور قراءت یہ سب بندے کے افعال ہیں، وہ اپنے رب سے ان کے لیے مدد طلب کرتا ہے کہ وہ اس کے لیے آسان کر دے اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا اس آیت کریمہ میں وعدہ کیا ہے البتہ جسے سمجھا جائے یا یاد کیا جائے یا پڑھا جائے وہ بندے کا فعل نہیں بلکہ وہ اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے۔ (شرح کتاب التوحید، ص ۶۲۵ ج ۲)

۷۵۵۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ قَالَ يَزِيدُ: حَدَّثَنِي مُطَرِّفُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! فِيمَا يَعْمَلُ الْعَامِلُونَ قَالَ: ((كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ)). [راجع: ٦٥٩٦]

۷۵۵۱: حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگ عمل کس لیے کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہر شخص کے لیے اس عمل میں آسانی پیدا کر دی گئی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔

٧٥٥٢۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ سَمِعَا سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَلِيٍّ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ عُوْدًا فَجَعَلَ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ فَقَالَ: ((مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ)) قَالُوا: أَلَا نَتَّكِلُ قَالَ: ((اعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى﴾)) الْآيَةَ. [راجع: ١٣٦٢]

٧٥٥٢: حضرت علی ؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک جنازہ میں شریک تھے، آپ نے وہاں ایک لکڑی پکڑی اور اس سے زمین کھودنے لگے پھر آپ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کی جگہ دوزخ یا جنت میں لکھ دی گئی ہے، صحابہ نے عرض کیا پھر ہم اسی پر بھروسہ نہ کر لیں تو آپ نے فرمایا تم عمل کرتے رہو، ہر عمل آسان کر دیا گیا ہے۔ (جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''جس شخص نے اللہ کی راہ میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا الی آخرہٖ'' (اللیل:۵)

فوائد: ہمارے اکثر لوگ نوشتہ تقدیر کو بہانہ بنا کر بد عملی کا شکار ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو قدرت کے ہاتھ محض کھلونے کی حیثیت رکھتے ہیں مشیت تو اللہ کی پوری ہوتی ہے پھر ہمیں سزا کیوں ملے؟ مشرکین مکہ بھی اپنے اختیاری شرک کے لیے اللہ کی مشیت کو پیش کرتے تھے چنانچہ قرآن میں ہے ''یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اللہ کے علاوہ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کرتے (النحل:۳۵) آج میں کج فہم قسم کے مجرم اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے اکثر مشیت الٰہیہ کا ہی بہانہ پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے نتیجہ کے متعلق پیشگی علم ہونا یا اس کا علم غیب کسی انسان کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ وہی کچھ کرے جو اللہ کے علم یا اس کی مشیت یا تقدیر میں لکھا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ انسان اپنے پورے ارادہ اور اختیار سے کرنے والا ہوتا ہے اللہ کو اس کا پہلے سے علم ہوتا ہے، قیامت کے دن انسان کو اپنے ارادہ و اختیار کے استعمال پر جزا یا سزا ملے گی، یہ لوگ فراہمی رزق یا طلب اولاد یا بیماری سے شفایابی کے لیے کبھی تقدیر کا سہارا نہیں لیتے کہ جو کچھ ہمارے مقدر

میں ہے وہ عمل کر رہے گا بلکہ وہ حصول رزق کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، طلب اولاد کے لیے شادی رچاتے ہیں اور حصول شفاء کے لیے حکیم یا ڈاکٹر کے پاس بھی جاتے ہیں لیکن نماز روزہ کے اہتمام سے پہلو تہی کرنے کے لیے تقدیر کو بہانا بنا لیتے ہیں، امام بخاری نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ انسان کو اس کے اختیاری عمل کی وجہ سے جزا و سزا دی جائے گی جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے بندہ درحقیقت اپنے اعمال کا فاعل ہے وہ اسی بناء پر مؤمن یا کافر ہے اسی طرح قاری جب اللہ کی کتاب کو پڑھتا ہے تو قراءت اس کا فعل اور کسب ہے اور جسے پڑھا گیا ہے وہ اللہ کی کتاب اور اس کی صفت ہے جسے اس نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے، جب قاری اسے پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس عمل کی نسبت انسان کی طرف ہوگی اور اسی کے مطابق اسے جزا دی جائے گی۔

(٥٥) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ﴾ [٨٥/ البروج: ٢٢، ٢١] ﴿وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَسْطُوْرٍ﴾ [٥٢/ الطور: ٢، ١] قَالَ قَتَادَةُ مَكْتُوْبٌ ﴿يَسْطُرُوْنَ﴾ يَخُطُّوْنَ ﴿فِي أُمِّ الْكِتَابِ﴾ جُمْلَةِ الْكِتَابِ وَأَصْلِهِ ﴿مَا يَلْفِظُ﴾ مَا يَتَكَلَّمُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا كُتِبَ عَلَيْهِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يُكْتَبُ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ ﴿يُحَرِّفُوْنَ﴾ يُزِيْلُوْنَ وَلَيْسَ أَحَدٌ يُزِيْلُ لَفْظَ كِتَابٍ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلَكِنَّهُمْ يُحَرِّفُوْنَهُ يَتَأَوَّلُوْنَهُ عَلَى غَيْرِ تَأْوِيْلِهِ دِرَاسَتُهُمْ تِلَاوَتُهُمْ ﴿وَاعِيَةٌ﴾ حَافِظَةٌ ﴿وَتَعِيَهَا﴾ تَحْفَظُهَا ﴿وَأُوْحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ﴾ يَعْنِي أَهْلَ مَكَّةَ ﴿وَمَنْ بَلَغَ﴾ هَذَا الْقُرْآنُ فَهُوَ لَهُ نَذِيْرٌ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے جو لوح محفوظ میں (درج ہے)۔" (البروج:۲۱،۲۲)

نیز فرمایا:

''کوہ طور کی قسم! اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے صفحات میں لکھی ہوئی ہے۔''

(الطور:۲،۳)

قتادہ نے کہا ''مسطور'' کا معنی مکتوب یعنی لکھی ہوئی ہے، یسطرون (قلم:۱) کا معنی وہ لکھتے ہیں، ''فی ام الکتاب'' (الزخرف:۴) اس سے مراد جملہ کتاب اور اس کا اصل ہے، ''ما یلفظ من قول'' (ق:۱۸) یعنی جو کچھ کلام کرے گا وہ لکھ لیا جائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ خیر اور شر لکھی جاتی ہے ''یحرفون'' (النساء:۴۶) اس سے مراد وہ زائل کرتے ہیں اللہ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا لفظ کوئی بھی زائل نہیں کرسکتا لیکن وہ اس کی خلاف واقع تاویلیں کرتے ہیں۔ دراستھم (الانعام:۱۵۶) کے معنی ہیں ان کا تلاوت کرنا واعیة (الحاقہ:۱۲) کا معنی حفاظت کرنے والے ہیں، اسی طرح تعیھا (الحاقہ:۱۲) اس کی حفاظت کرتی ہے۔

واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ (الانعام:۱۹) اور مجھے یہ قرآن وحی کیا گیا تاکہ میں اس کے ذریعے اہل مکہ کو خبردار کروں ومن بلغ (الانعام:۱۹) سے مراد دوسرے تمام جہان کے لوگ ہیں، ان سب کو یہ قرآن ڈرانے والا ہے۔

وضاحت: امام بخاری کے دور میں فتنہ خلق قرآن نے سر اٹھایا اور بہت سے علماء راسخین اس سے دوچار ہوئے خود امام بخاری کو بھی اس ابتلاء سے گزرنا پڑا، اس آپ نے فتنہ کی سرکوبی کے لیے دلائل وبراھین کے انبار لگا دیئے، امام بخاری کے قائم کردہ عناوین جو خاموش لیکن بہت ٹھوس ہوتے ہیں، انہیں سمجھنے کے لیے بھی دقت فہم اور باریک بینی کی ضرورت ہے چنانچہ مذکورہ بالا عنوان میں متعدد دلائل اس امر کے اثبات کے لیے دیئے ہیں کہ تلاوت یا قراءت اسی طرح قرآن لکھا جاتا ہے تو قلم، سیاہی اور کاغذ وغیرہ مخلوق ہیں البتہ جو چیز پڑھی یا لکھی گئی ہے وہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، اس عنوان میں کتب سابقہ میں تحریف کا بھی ذکر ہے چنانچہ ہمارے ہاں تحریف کے متعلق چار موقف حسب ذیل ہیں:

1. تمام کتب سابقہ کو یکسر بدل دیا گیا ہے لیکن اس اطلاق کو اکثر پر محمول کرنا چاہیے کیونکہ ان کی متعدد آیات ایسی ہیں جن میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔

2 اکثر طور پر تحریف وتبدیل واقع ہوئی ہے، اس کے متعلق متعدد دلائل ہیں، پہلا قول بھی اسی پر محمول کرنا چاہیے۔

3 ان کتابوں میں بہت کم تحریف ہوئی ہے اور اکثر حصہ اپنی اصلیت پر باقی ہے حافظ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''الجواب الصحیح'' میں اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔

4 تحریف الفاظ میں نہیں بلکہ معانی میں ہوئی ہے، الفاظ اپنی جگہ پر ہیں البتہ ان کی غلط تاویلات کی گئی ہے، اس آخری موقف کو امام بخاری نے اختیار کیا ہے جس کی صراحت انہوں نے مذکورہ عنوان میں کی ہے۔

ہمارے نزدیک تورات وانجیل میں تحریف صرف معانی کی صورت میں ہی نہیں بلکہ اہل کتاب نے ان کے الفاظ بھی بدل ڈالے ہیں، واللہ اعلم

آخر میں امام بخاری نے ایک آیت کا حوالہ دیا ہے جس میں قرآن اور اس کے ذریعے لوگوں کو ڈرانے کا ذکر ہے آپ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے جبکہ انذار رسول اللہ ﷺ کا فعل مخلوق ہے وہ انذار قراءت سے ہے اور قراءت آپ کا فعل ہے اسی طرح قرآن کو دوسروں کو پہنچانے کا ذکر بھی ہے، اس سے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ جو بندہ اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے اس کا ابلاغ اور آواز وقراءت مبلغ کا فعل ہے جو مخلوق ہے اور جو چیز انہیں پہنچائی گئی ہے وہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، یہ آیت جہم اور اس کے اتباع پر بہت سخت ہے، اس کے متعلق ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

(شرح كتاب التوحيد: ٦٥٠، ج٢)

٧٥٥٣۔ و قَالَ لِي خَلِيفَةُ بْنُ خَيَّاطٍ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَمَّا قَضَى اللَّهُ الْخَلْقَ كَتَبَ كِتَابًا عِنْدَهُ غَلَبَتْ أَوْ قَالَ: سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي فَهُوَ

٧٥٥٣: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اس نے عرش کے اوپر ایک کتاب لکھ کر رکھی، اس میں یہ بھی ہے کہ میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے یا میرے غصے سے

عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ)). [راجع: ٣١٩٤]

آگے بڑھ چکی ہے۔

٧٥٥٤ـ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي غَالِبٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُوْلُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ أَبَا رَافِعٍ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللَّهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي فَهُوَ مَكْتُوْبٌ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ)). [راجع: ٣١٩٤]

۷۵۵۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک نوشتہ تحریر کیا کہ میری رحمت میرے غضب سے بڑھ کر ہے چنانچہ یہ نوشتہ عرش کے اوپر اس کے پاس لکھا ہوا ہے۔

فوائد: ان دونوں روایات میں بظاہر تضاد ہے ایک میں ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد نوشتہ لکھا اور دوسری میں ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اسے تحریر کیا، اس کا جواب بایں طور دیا گیا ہے کہ قضی الخلق کا مطلب یہ ہے کہ اس نے پہلے خلق کا پیدا کرنا ٹھان لیا اگر اس سے مراد یہ ہو کہ وہ پیدا کر چکا تھا تو موافقت کی صورت یہ ہوگی کہ خلقت کی تخلیق سے پہلے تحریر لکھنے سے مراد کتاب لکھنے کا ارادہ کرنا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ازل میں کر چکا تھا اور خلقت کی تخلیق سے پہلے وہ ارادہ موجود تھا۔ واللہ اعلم

امام بخاری نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے جیسا کہ اللہ کا نام مصاحف میں لکھا ہوتا ہے، قرآن اللہ کی کلام ہے اور کلام متکلم کی ایسی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے، اس سے الگ نہیں ہوتی، کلام کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ وہ ذات سے الگ ہو کر کسی دوسری چیز میں حلول کر گئی ہے، مخلوق میں سے جب کوئی کلام کرتا ہے تو وہ بھی ذات سے الگ نہیں ہوتی اور کسی دوسری چیز میں حلول نہیں کرتی چہ جائیکہ کلام الٰہی کے متعلق یہ تصور کیا جائے کہ وہ ذات باری تعالیٰ سے الگ ہو کر کسی دوسری چیز میں حلول ہوئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”وہ بہت بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے، جو کچھ وہ کہتے ہیں سراسر جھوٹ ہے۔“ (الکہف:۵)

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بھاری بات ان کے منہ سے نکلتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی ذات سے الگ نہیں ہوئی، پیش کردہ احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کچھ ایسی فعلی صفات بھی ہیں جو اصل کے اعتبار سے وہ قدیم ہوتی ہیں لیکن مخلوق سے تعلق حادث ہوتا ہے جیسا کہ غضب اور رحمت ہے، حدیث میں سبقت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کا تعلق اس کے غضب کے تعلق سے مقدم ہے، اگر یہ معنی نہ کیا جائے تو رحمت کا غضب سے سبقت لے جانا متصور نہیں ہوتا کیونکہ غضب صفت قدیم ہے، اور قدیم وہ ہوتا ہے جو مسبوق بالعدم نہ ہو اور نہ ہی کوئی اس کے آگے ہو اسی طرح کلام الٰہی قدیم ہے لیکن اس کا لوح محفوظ سے تعلق حادث ہے، قرآن اللہ کا کلام جو دلوں میں محفوظ کیا جاتا ہے، اسے مصاحف اور اوراق میں لکھا جاتا ہے، اللہ کا کلام قدیم ہونے کے باوجود دلوں سے اور مصاحف سے اس کا تعلق حادث ہے۔ واللہ اعلم

(٥٦) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [٣٧/ الصافات: ٩٦] ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ [٥٤/ القمر: ٤٩] وَيُقَالُ لِلْمُصَوِّرِيْنَ: ((أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ)) ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: بَيَّنَ اللّٰهُ الْخَلْقَ مِنَ الْأَمْرِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الْإِيْمَانَ عَمَلًا قَالَ أَبُو ذَرٍّ وَأَبُو هُرَيْرَةَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ((إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيْلِهِ)) وَقَالَ: ﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ وَقَالَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ لِلنَّبِيِّ ﷺ: مُرْنَا بِجُمَلٍ مِنَ الْأَمْرِ إِنْ عَمِلْنَا بِهَا دَخَلْنَا الْجَنَّةَ

فَأَمَرَهُمْ بِالإِيْمَانِ وَالشَّهَادَةِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ فَجَعَلَ ذٰلِكَ كُلَّهُ عَمَلًا.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور جو تم کام کرتے ہو ان سب کو پیدا کیا ہے۔'' (الصافات:۹۶)

''نیز فرمایا بے شک ہم نے ہر چیز کو مقدار سے پیدا کیا ہے۔ (القمر:۴۹)

قیامت کے دن تصویر بنانے والوں سے کہا جائے گا کہ جو تم نے پیدا کیا ہے، اس میں جان ڈالو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یقیناً تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر اس نے اپنے عرش پر قرار پکڑا وہی رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے، دن رات کے پیچھے دوڑ آتا ہے نیز سورج، چاند اور ستارے سب چیزیں اللہ کے حکم کے تابع ہیں یاد رکھو! اس نے تخلیق کیا ہے تو حکم بھی اسی کا ہے، رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔'' (الاعراف:۵۴)

سفیان بن عیینہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خلق اور امر کو الگ الگ بیان کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''خبردار! اسی کے لیے تخلیق ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے۔'' (الاعراف:۵۴)

رسول اللہ ﷺ نے ایمان کو عمل کا نام دیا ہے جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستہ میں جہاد کرنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے یہ بدلہ ہے اس کا جو وہ کرتے تھے۔ (السجدۃ:۱۷)

وفد عبدالقیس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمیں چند ایسے جامع اعمال بتا دیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم جنت میں داخل ہو جائیں تو آپ نے انہیں ایمان، شہادت، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا اس طرح آپ نے ان تمام چیزوں کو عمل قرار دیا۔

وضاحت: بندوں کے افعال کے سلسلہ میں کیا موقف ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور اللہ کی مخلوقات سے انہیں خارج خیال کرتے ہیں، اس کے برعکس کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بندے اپنے عمل میں مجبور محض ہیں، انہیں اس سلسلہ

میں کوئی اختیار یا قدرت نہیں ہے، لیکن اہل سنت کا موقف ان کے بین بین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے اور انہیں اعمال بجالانے کی قدرت بھی اس نے پیدا کی ہے پھر انہیں اختیار دیا ہے اور وہ اپنے ارادہ اور مشیت سے انہیں کرتے ہیں اور جن کے ترک کا ارادہ کرتے ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہیں، اس مقام پر امام بخاری نے بھی اہل سنت کے موقف کی تائید کی ہے اور بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کے افعال کا خود خالق ہے، اس موقف کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ''خلق افعال العباد'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے دراصل لوگوں کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ کی صفتِ خلق اور مخلوق کے درمیان فرق نہیں کرتے، خلق اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کے ذریعے وہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور مخلوق اس صفتِ خلق کا نتیجہ ہے۔

بہر حال امام بخاری نے اہل سنت کا موقف ثابت کیا ہے کہ بندہ اور اس کے افعال دونوں اللہ کی مخلوق ہیں کیونکہ خالق اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ''کیا اللہ کے علاوہ اور کوئی خالق ہے؟ (فاطر:۳) آپ نے اس عنوان میں معتزلہ اور قدریہ کا رد کیا ہے جو بندے کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔

۷۵۵۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ: كَانَ بَيْنَ هَذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ وَبَيْنَ الْأَشْعَرِيِّينَ وُدٌّ وَإِخَاءٌ فَكُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ الطَّعَامُ فِيهِ لَحْمُ دَجَاجٍ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللَّهِ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِي فَدَعَاهُ إِلَيْهِ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ

۷۵۵۵: حضرت زھدم سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ اس قبیلہ جرم اور قبیلہ اشعری کے درمیان محبت اور بھائی چارے کا معاملہ تھا۔ ایک مرتبہ ہم حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، ان کے ہاں ایک بنی تیم اللہ کا شخص بھی تھا غالبًا وہ عرب کے غلام لوگوں میں سے تھا، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں نے مرغی کو گندگی کھاتے دیکھا ہے، اسی وقت سے قسم اٹھائی ہے کہ اس کا

فَحَلَفْتُ لَا آكُلُهُ فَقَالَ: هَلُمَّ فَلْأُحَدِّثْكَ عَنْ ذَاكَ إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ قَالَ: ((وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ)) فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ: أَيْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِيُّونَ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى ثُمَّ انْطَلَقْنَا قُلْنَا: مَا صَنَعْنَا؟ حَلَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا وَمَا عِنْدَهُ مَا يَحْمِلُنَا ثُمَّ حَمَلَنَا تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَمِينَهُ وَاللّٰهِ! لَا نُفْلِحُ أَبَدًا فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا لَهُ فَقَالَ: ((لَسْتُ أَنَا أَحْمِلُكُمْ وَلَكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ وَإِنِّي وَاللّٰهِ! لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَتَحَلَّلْتُهَا)). [راجع: ۳۱۳۳]

گوشت نہیں کھاؤں گا، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا سنو! میں تمہیں اس کے متعلق ایک حدیث بیان کرتا ہوں، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس قبیلہ اشعری کے چند افراد لے کر حاضر ہوا اور ہم نے آپ سے سواری مانگی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے سواری کا بندوبست نہیں کر سکتا اور نہ ہی میرے کوئی چیز ہے جسے میں تمہیں سواری کے لیے دوں، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس مال غنیمت میں سے کچھ اونٹ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے متعلق دریافت کیا کہ اشعری کہاں ہیں؟ چنانچہ رسول ﷺ نے ہمیں پانچ عمدہ اونٹ دینے کا حکم دیا، جب ہم انہیں لے کر چلے تو اپنے اس عمل کے متعلق سوچا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو قسم اٹھائی تھی کہ وہ ہمیں سواری کے لیے کوئی جانور نہیں دیں گے اور نہ آپ کے پاس کوئی ایسا جانور ہے جو ہمیں سواری کے لیے دیں، اس کے باوجود آپ نے ہمیں سواریاں دی ہیں، ہم نے تو رسول اللہ ﷺ کو آپ کی قسم سے غافل کر دیا ہے اللہ کی قسم! ایسے حالات میں تو ہم کبھی فلاح سے ہمکنار نہ ہوں گے ہم پھر آپ کی طرف

لوٹے اور آپ سے عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں سواریاں نہیں دیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے دی ہیں اللہ کی قسم! جب میں کوئی قسم اٹھاتا ہوں پھر اس کا غیر اس سے بہتر دیکھتا ہوں تو وہ کر گزرتا ہوں جو بہتر ہو، اور قسم کا کفارہ دے کر اس سے خلاصی حاصل کر لیتا ہوں۔

فوائد: امام بخاری نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا کسب کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرتا ہے کیونکہ اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے انہیں سواریاں فراہم کیں اور فرمایا کہ یہ سواریاں میں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے دی ہیں جیسا کہ روزہ دار بھول کر کھالے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے کھلاتا اور پلاتا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت عطا کیا تھا تو درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں اونٹ دیئے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے افعال خالق ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے فعل عطاء کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اسباب کا مہیا کرنے والا اور انہیں پیدا کرنے والا وہ خود ہے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔

اس حدیث میں سواریاں دینے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے حالانکہ وہ تو رسول اللہ ﷺ نے فراہم کی تھیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسباب مہیا کئے تھے، اس لیے آپ نے اس فعل کو اللہ کی طرف منسوب کیا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

"اور جب آپ نے مٹھی پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔" (الانفال: ١٧)، (فتح الباری، ص٦٥٤، ج١٣)

٧٥٥٦ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ الضُّبَعِيُّ

٧٥٥٦: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انہوں نے

قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا: إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ مُضَرَ وَإِنَّا لَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي أَشْهُرٍ حُرُمٍ فَمُرْنَا بِجُمَلٍ مِنَ الْأَمْرِ إِنْ عَمِلْنَا بِهِ دَخَلْنَا الْجَنَّةَ وَنَدْعُو إِلَيْهَا مَنْ وَرَائَنَا قَالَ: ((آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ آمُرُكُمْ بِالْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَهَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ وَتُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ لَا تَشْرَبُوْا فِي الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيْرِ وَالظُّرُوْفِ الْمُزَفَّتَةِ وَالْحَنْتَمَةِ)).

[راجع: ٥٣]

عرض کیا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے مشرکین حائل ہیں اس لیے ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینوں میں آ سکتے ہیں، آپ ہمیں کچھ جامع احکام بتا دیں، ہم جن پر عمل پیرا ہو کر جنت میں چلے جائیں نیز ان احکام کی طرف ان لوگوں کو دعوت دیں جو ہمارے پیچھے ہیں آپ نے فرمایا میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں، میں تمہیں ایمان باللہ کا حکم دیتا ہوں تمہیں معلوم ہے کہ ایمان باللہ کیا ہے؟ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود برحق نہیں ہے، نیز نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور غنیمت میں سے پانچواں حصہ دینے کا حکم دیتا ہوں اور تمہیں چار کاموں سے روکتا ہوں، کدو کے برتن لکڑی کے برتن، تارکول کئے ہوئے برتن اور سبز مٹکوں میں نبیذ بنا کر مت اسے نوش کرو۔

فوائد: اس حدیث میں ہے کہ وفد عبدالقیس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمیں ایسے جامع احکام سے آگاہ کریں، جن پر ہم عمل پیرا ہو کر جنت کے حقدار بن جائیں، یہ اعمال جن کی وجہ سے وہ جنت میں جائیں گے وہ ان کے افعال ہیں، ان کی طرف ہی در حقیقت ان کی نسبت ہو گی کیونکہ وہ انہیں اپنے ارادہ اور اختیار سے بجا لانے والے ہیں حالانکہ ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہی انہیں اور ان کے اعمال کو پیدا کرنے والا ہے جیسا کہ امام بخاری نے ''خلق افعال العباد'' میں ایک حدیث لائے ہیں ''اللہ تعالیٰ ہی ہر

کاریگراور اس کی کارہ گری کو پیدا کرنے والا ہے۔" (خلق افعال العباد ص ٤١)
اس کے معلوم ہوا کہ بندوں کے تمام افعال اللہ کے ارادے اور اس کی مشیت کے تحت رونما ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

٧٥٥٧۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ رَسُوْلَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ: لَهُمْ أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ)).

[راجع: ٢١٠٥]

٧٥٥٧: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تصویریں بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب سے دوچار کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا جو تم نے پیدا کیا ہے ان کو زندہ کرو۔

٧٥٥٨۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ: لَهُمْ أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ)).

[راجع: ٥٩٥١]

٧٥٥٨: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تصاویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے پیدا کیا ہے انہیں زندہ کرو۔

فوائد: ان احادیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں اگر ان کا دعویٰ صحیح ہوتا تو تصاویر بنانے والوں کو اس قدر شرمسار اور ذلیل نہ کیا جاتا، ان کی طرف پیدا کرنے کی نسبت بطور استہزاء ہے دراصل ان کا کسب اور فعل تھا یا ان کے زعم فاسد کی بنیاد پر خلق کا اطلاق کیا گیا ہے۔
بہرحال تصویر بنانا ان کا فعل اور عمل ہے جس کی بنیاد پر انہیں عذاب کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اسے اپنے ارادہ اور اختیار سے بنایا تھا اور یہ ان کا حقیقی فعل تھا جسے اللہ

تعالیٰ نے پیدا کیا تھا، کیونکہ اس نے ہی اس عمل کا راستہ ان کے لیے آسان کیا تھا، چونکہ انہوں نے اپنے ارادہ کو استعمال کرتے ہوئے اسے اختیار کیا اس لیے عذاب کے مستحق ہوئے۔

انتہائی ضروری نوٹ:

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تین قسم کی تصاویر تھیں جنکی تفصیل حسب ذیل ہے:

1 لکڑی اور پتھروں کے بت تھے جنہیں تمثال کیا جاتا تھا، ان کا جسم ہوتا تھا، ان کی عبادت کے لیے انہیں تراشا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس قسم کی مورتیوں کو توڑ دیا جائے۔

2 کپڑوں پر تصاویر کے نقش ہوئے تھے، ان کا الگ کوئی وجود نہ تھا، ان کے متعلق حکم دیا کہ ایسے کپڑوں کو پھاڑ دیا جائے یا انہیں نیچے بچھا کر ان کی توہین کی جائے یا ان کے سر کاٹ کر درختوں کی طرح بنالیا جائے بہر حال ہر قسم کی تصاویر کے متعلق بھی سخت ممانعت ہے۔

3 شیشے پر کسی چیز کا عکس آتا اسے بھی تصویر کا نام دیا جاتا، جب انسان شیشے کے سامنے ہوتا تو وہ تصویر برقرار رہتی، جب اس کے سامنے سے ہٹ جاتا تو تصویر بھی غائب ہو جاتی، اس کے متعلق کوئی وعید نہیں ہے بلکہ اسے دیکھ کر ایک دعا پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

دور حاضر میں دو تصاویر مزید ہمارے سامنے آئی ہیں، ان کا حکم بھی درج بالا تصاویر کے حکم سے ملتا جلتا ہے وہ تصاویر یہ ہیں۔

4 کاغذ پر چھپی ہوئی تصویر جیسا کہ اخبارات میں فوٹو شائع ہوتے ہیں، اس کا وہی حکم ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں کپڑے پر نقش تصویر کا ہے۔

5 ویڈیو کی تصویر جسے لہروں کے ذریعے محفوظ کر لیا جاتا ہے، اس کے متعلق علما کی مختلف آراء ہیں بعض اسے شیشے کی تصویر سے ملحق کر کے اس کے جواز کو ثابت کرتے ہیں اور بعض اسے دوسری تصاویر کے ساتھ ملا کر اس کے متعلق حرمت کا فتوی دیتے ہیں، ہمارے رجحان کے مطابق اسے کپڑے پر نقش تصویر کی طرح قرار دینا مناسب ہے کیونکہ اسے محفوظ کر لیا جاتا ہے، جب بھی ضرورت پڑے اسے دیکھا جا سکتا ہے فتنہ کے سدباب کے لیے اسے ناجائز قرار دینا ہی مناسب ہے ہاں اگر کوئی ضرورت ہو تو اس کے متعلق نرم گوشہ رکھا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٥٥٩ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ: ((قَالَ اللّٰهُ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ شَعِيرَةً)). [راجع: ٥٩٥٣]

۷۵۵۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو میرے پیدا کرنے کی مانند پیدا کرنا چاہتا ہے، اگر ان میں ہمت ہے تو وہ چھوٹی سی چیونٹی پیدا کر دکھائیں یا اس کے علاوہ دانہ یا جو پیدا کریں۔

فوائد: اس حدیث میں اشارہ ہے کہ حیوان بنانا تو بہت مشکل ہے، نباتات کی قسم سے کوئی دانہ یا جو پیدا کر دیں جب وہ نباتات نہیں بنا سکتے تو حیوانات کیا بنائیں گے؟ اس سے مقصد انہیں کبھی تو حیوان پیدا کرنے کے ساتھ عاجز کرنا ہے کہ وہ چیونٹی پیدا کریں اور کبھی جامد چیز کی پیدائش سے انہیں عاجز کرنا ہے کہ وہ ایک جو ہی پیدا کر دکھائیں، امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ ان کی طرف خلق کی نسبت کرنا انہیں عاجز کرنے کے لیے ہے حالانکہ وہ تو خود مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں پیدا کرنے والا ہے بلکہ ان کے افعال و کردار کا بھی وہی خالق ہے، چونکہ وہ اپنے افعال اپنے اختیار سے بجالاتے ہیں اس بناء پر وہ جزاء و سزا کے حقدار ہیں۔ واللہ اعلم

(٥٧) بَابُ قِرَاءَةِ الْفَاجِرِ وَالْمُنَافِقِ وَأَصْوَاتُهُمْ وَتِلَاوَتُهُمْ لَا تُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ.

فاسق اور منافق کی تلاوت کا بیان اور یہ کہ ان کی آواز اور تلاوت ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتی

اس عنوان میں امام بخاری نے حسب سابق واضح کیا ہے کہ تلاوت قرآن، قرآن کریم کے علاوہ ہے یہی وجہ ہے کہ تلاوت، تلاوت میں فرق ہے، مؤمن کی تلاوت سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، جبکہ منافق کی تلاوت اس کے حلق کے نیچے نہیں اترتی، اس لیے

تلاوت بندے کا فعل اور مخلوق ہے جبکہ قرآن، اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔

٧٥٦٠۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنْ أَبِي مُوسَى رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا)). [راجع: ٥٠٢٠]

٧٥٦٠: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "مؤمن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اترنج کی طرح ہے جس کا ذائقہ اچھا اور خوشبو بھی عمدہ ہے اور جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور جیسی ہے کہ اس کا ذائقہ تو اچھا ہے لیکن اس کی خوشبو نہیں ہوتی اور فاجر کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے گل بونہ کی طرح ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور وہ فاجر جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن کی سی ہے کہ اس کا مزہ بھی کڑوا ہے اور اس میں کوئی خوشبو بھی نہیں ہے۔

فوائد: اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ قرآن اور تلاوت میں فرق واضح کیا جائے اور یہ بتایا جائے قرآن اللہ کا کلام ہے اور تلاوت بندے کا فعل ہے یہی وجہ ہے کہ بندے کے فعل کی وجہ سے تلاوت، تلاوت میں فرق ہے ایک عامل مؤمن کا تلاوت کرنا اترنج کی طرح ہے جو بے شمار فوائد کا حامل ہے اور بدکردار کی تلاوت سے ماحول معطر نہیں ہوتا اور اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس بناء پر قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق، اور مؤمن ومنافق کا تلاوت کرنا ان کا ذاتی فعل ہے اور فعل ہونے کے اعتبار سے وہ اللہ کی پیدا کردہ ہے بہرحال بندوں کے افعال سب مخلوق ہیں، جنکا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

٧٥٦١۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ

٧٥٦١: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الـزُّهْـرِيِّ ح وَ حَـدَّثَـنِـي أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يُـونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَـحْيَـى بْـنُ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْـنَ الـزُّبَيْـرِ قَـالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا: سَـأَلَ أُنَاسٌ النَّبِيَّ ﷺ عَـنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ: ((إِنَّهُمْ لَيْسُوا بِشَيْءٍ)) فَقَالُوا: يَا رَسُـوْلَ اللّٰهِ! فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُوْنَ بِالشَّيْءِ يَـكُـوْنُ حَـقًّـا قَـالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيُقَرْقِرُهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ كَقَرْقَرَةِ الدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُوْنَ فِيْهِ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ)). [راجع: ٣٢١٧]

سے کاہنوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان کی کسی بات کا اعتبار نہیں ہے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ لوگ بعض اوقات ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ان کی صحیح بات وہ ہوتی ہے جو شیطان، فرشتوں سے سن کر یاد کر لیتا ہے پھر وہ مرغی کے کٹ کٹ کرنے کی طرح اپنے دوست کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے، وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ بھی ملا دیتے ہیں۔

فوائد: کاہن، زمانہ مستقبل کی خبریں دینے کا دعویٰ کرتے ہیں اور غیب جاننے کے مدعی ہوتے ہیں، حدیث میں اس کی نفی مقصود ہے، اس حدیث کی عنوان سے مناسبت بایں طور ہے کہ کاہن کبھی شیطان کے ذریعے اللہ کا کلام اڑا لیتا ہے لیکن اس کا بیان کرنا یعنی اسے تلاوت کرنا منافق کی طرح بہت برا ہے، اسی طرح شیاطین جب اللہ کا کلام پڑھ کر کاہن کے کان میں ڈالتے ہیں تو ان کا کردار انتہائی گھناونا ہوتا ہے جبکہ فرشتوں کا تلاوت کرنا بہت اچھا اور قابل تعریف ہے، اس سے معلوم ہوا ہے کہ تلاوت، بندوں کا فعل ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے اور تلاوت، قرآن سے مغائیر ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔

''امام بخاری کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ منافق کی تلاوت بھی مؤمن کی تلاوت کی طرح ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے دونوں میں بہت فرق ہے حالانکہ متلو یعنی قرآن کریم تو ایک ہے، اگر تلاوت اور متلو یعنی قرآن ایک ہوتا تو اس قدر تفاوت نہ ہوتا،

اسی طرح کاہن کا معاملہ ہے کہ شیاطین، فرشتے سے اللہ کا کلام چھین کر اسے سناتے ہیں، اب فرشتے کے پڑھنے اور شیطان کے پڑھنے میں بہت فرق ہے، اس اعتبار سے بھی تلاوت اور قرآن دو مختلف حقیقتیں ہیں۔" (فتح الباری ص، ج ۱۳)

ہم اس بات کو ذرا آگے بڑھاتے ہیں کہ مذکورہ تفاوت اس امر کی دلیل ہے کہ تلاوت کرنا ان کا ایک عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جبکہ اللہ کی کلام غیر مخلوق ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

٧٥٦٢۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ يُحَدِّثُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((يَخْرُجُ نَاسٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ثُمَّ لَا يَعُودُونَ فِيهِ حَتَّى يَعُودَ السَّهْمُ إِلَى فُوقِهِ)) قِيلَ: مَا سِيمَاهُمْ؟ قَالَ: ((سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ أَوْ قَالَ: التَّسْبِيدُ)).

٧٥٦٢: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کچھ لوگ مشرق کی طرف سے رونما ہوں گے، وہ قرآن تو پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر وہ واپس دین میں نہیں لوٹیں گے تا آنکہ تیر اپنی جگہ پر واپس آ جائے، عرض کیا گیا، ان کی علامت کیا ہو گی فرمایا ان کی علامت سر کو منڈوانا ہے یا فرمایا کہ بالوں کا جڑ سے نیست و نابود کرنا ہے۔

فوائد: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے مشرق کی طرف اشارہ کیا، اس سے مراد سرزمین عراق ہے جو تاریخی طور پر زمانہ ماضی اور حال میں فتنوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسی سرزمین میں آزمائش و امتحان سے دو چار کیا گیا تھا، موجودہ دور میں بھی عراق کی فتنہ انگیزی ڈھکی چھپی نہیں ہے حدیث اور اہل حدیث کے خلاف اہل رائے کا فتنہ بھی اسی پر آشوب مٹی سے ابھرا تھا، امام بخاری کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے

کہ مشرق سے خروج کرنے والے فتنہ گروں کی تلاوت ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی یعنی قرآن ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہوگا باوجود یکہ وہ قرآن کو یاد کرنے والے اور اس کی باقاعدہ تلاوت کرنے والے ہوں گے، اس کے برعکس اہل ایمان کا معاملہ جداگانہ ہے وہ جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ تلاوت کا یہ تفاوت ان کے اعمال کا نتیجہ ہے، اس میں قرآن جو اللہ کی کلام ہے، اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

(٥٨) بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ [٢١/ الانبيا: ٤٧] وَأَنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْقُسْطَاسُ: الْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ وَيُقَالُ: الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَهُوَ الْعَادِلُ وَأَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ہم قیامت کے دن عدل وانصاف پر مبنی ترازو قائم کریں گے۔(الانبیاء:۴۷)

اور لوگوں کے اعمال واقوال کو تولا جائے گا، امام مجاہد نے کہا ہے ”قسطاس“ رومی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی عدل وانصاف ہے، مقسط کا مصدر قسط ہے جس کا معنی عادل اور منصف ہے اور قاسط کا معنی ظالم اور گنہگار ہے۔

٧٥٦٣۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي

٧٥٦٣: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو رحمان کو بہت پسند اور زبان پر بڑے ہلکے پھلکے (لیکن قیامت کے دن) ترازو میں بھاری اور وزنی ہوں گے وہ یہ ہیں: ”سبحان اللہ وبحمدہ“ پاک ہے اللہ اپنی

الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ)). [راجع: ٦٤٠٦]

حمد کے ساتھ "سبحان اللہ العظیم" پاک ہے اللہ جو عظمت والا ہے۔

فوائد: امام بخاری کا اس حدیث سے اصل مقصد یہ ہے کہ اولاد آدم کے اعمال واقوال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور انہی اقوال واعمال کو قیامت کے دن میزان عدل میں رکھا جائے گا پھر اس پر جزاوسزا مرتب ہوگی، اس طرح قرآن کریم کی قراءت بھی انسان کا ذاتی عمل ہے اگرچہ قرآن جو اللہ کی کلام ہے وہ غیر مخلوق ہے تاہم انسانی نطق اور تلفظ غیر مخلوق نہیں ہے بلکہ یہ بندے کا کسب اور اللہ کا پیدا کردہ ہے، اس طرح تسبیح وتحمید اور دیگر اذکار واوراد بھی جب انسان کی زبان سے ادا ہوں گے تو انہیں ترازو میں تولا جائے گا تاکہ تعداد کے بجائے معیار کی اہمیت اجاگر کیا جائے، چونکہ حدیث میں ہے کہ مجالس کو تسبیح سے ختم کیا جائے اس لیے امام بخاری نے بھی اپنی مجلس علم کو اللہ کی تسبیح سے ختم کیا ہے۔

واضح رہے کہ دو گروہوں کے اعمال واقوال کا وزن نہیں کیا جائے گا ایک وہ کفار جن کی سرے سے کوئی نیکی نہ ہوگی جن میں ایمان برسر فہرست ہے وہ بلا حساب ومیزان جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے قرآن کریم میں ہے

"یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اس سے ملاقات کا انکار کیا لہٰذا ان کے اعمال برباد ہوجائیں گے اور قیامت کے دن ہم ان کے لیے میزان ہی نہیں رکھیں گے۔"

(الکهف: ١٠٥)

دوسرے وہ اہل ایمان جن کی برائیاں نہیں ہوں گی اور بے شمار نیکیاں لے کر اللہ کے حضور پیش ہوں گے انہیں بھی حساب وکتاب کے بغیر جنت میں داخل کردیا جائے گا۔

(صحیح بخاری، الرقاق: ٦٥٤١)

چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا محور توحید باری تعالیٰ ہے اس لیے امام بخاری نے بھی کتاب التوحید پر اپنی الجامع الصحیح کو ختم کیا ہے اور دنیا میں اخلاص نیت کے ساتھ اعمال کا اعتبار کیا جاتا ہے اس لیے آپ نے "حدیث" "انما الاعمال بالنیات" سے اس کتاب کا آغاز فرمایا اور آخرت میں اعمال کا وزن کیا جائے گا اور اس پر کامیابی کا دارومدار ہوگا اس لیے

حدیث میزان کو آخر کتاب میں بیان فرمایا نیز تنبیہ فرمائی کہ قیامت کے دن ایسے اعمال کا وزن ہوگا جو اخلاص نیت پر مبنی ہوں گے اور جنکی بنیاد ''حق'' ہوگی ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اس دن وزن حق کا ہوگا۔'' (الاعراف: ۸)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اور قیامت کے دن ہماری نیکیوں کا پلڑا بھاری کر دے ''جس دن نہ مال کوئی فائدہ دے گا اور نہ اولاد کام آئے گی۔ مگر یہ کہ قلب سلیم لے کر اللہ کے ہاں حاضر ہو۔'' (الشعراء: ۸۸، ۸۹)

"سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا إله إلا انت استغفرك واتوب إليك"

وصلى الله على نبيه محمدٍ وآله واصحابه واتباعه واخوانه اجمعين

ابو محمد عبد الستار الحماد

مرکز الدراسات الاسلامیہ

میاں چنوں پاکستان

www.KitaboSunnat.com

فتاوٰی

اصحاب الحدیث

تالیف

فضیلۃ الشیخ
ابو محمد حافظ عبدالستار الحماد

▫ ہفت روزہ اہل حدیث میں شائع ہونے والے فضیلۃ الشیخ ابو محمد حافظ عبدالستار الحماد کے فتاوی کی جلد اول چھپ چکی ہے۔ ▫ کتاب وسنت کی روشنی میں جدید مسائل کا حل، ▫ تمام مسائل کی جزئیات پر تفصیلی ومدلل بحث، ▫ شستہ وشگفتہ انداز بیان، ▫ عام فہم طرز استدلال، ▫ استنباط مسائل کا ایسا محدثانہ انداز جس سے قارئین کو اطمینان قلب وشرح صدر ہو۔

مکتبہ اسلامیہ

لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7244973

فیصل آباد بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون: 041-2631204

صحیح مسلم

مع مختصر شرح نووی

تالیف

ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری رحمہ اللہ

ترجمہ

علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ تعالیٰ

تخریج

فضیلۃ الشیخ احمد زھوۃ

فضیلۃ الشیخ احمد عنایۃ

(۱) آیات کریمہ کی تخریج (۲) احادیث مبارکہ کی تخریج اور حدیث نمبر کے ذریعے دیگر کتب احادیث کی طرف رہنمائی (۳) اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی رسم الخط (۴) مختلف معتبر نسخہ جات سے تقابل اور موازنہ (۵) تین مختلف ایڈیشن (۶) اعلیٰ طباعت اور معیاری کاغذ (۷) خوبصورت جلد بندی اور دیدہ ذیب سرورق (۸) مناسب قیمت

مکتبہ اسلامیہ

لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7244973

فیصل آباد بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون: 041-2631204

الہیات ، اللہ

تفسیر ابن کثیر

امام المفسرین حافظ عماد الدین

ابو الفدا اسمٰعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

المتوفی ۷۷۴ھ

ترجمہ

امام العصر مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ

تخریج
کامران طاہر

تحقیق ونظر ثانی
حافظ زبیر علی زئی

تقریظ
ابو الحسن مبشر احمد ربانی
حافظ صلاح الدین یوسف

مکتبہ اسلامیہ

لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7244973

فیصل آباد بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون: 041-2631204

کتابُ التوحید

قارئین کرام کے ہاتھوں میں اس کتاب

التوحید کا ترجمہ اور شرح ہے جو برادر گرامی قدر محترم مولانا حافظ

عبدالستار حماد ﷾ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے ۔ترجمہ نہایت شستہ، رواں اور

سلیس ہے ۔جس سے ہمارا اردو دان طبقہ بسہولت استفادہ کرسکتا ہے ۔شرح کیلئے مترجم

وشارح موصوف کی نظر انتخاب قابل داد ہے ۔فضیلۃ الشیخ الفاضل الجلیل محترم عبداللہ

غنیمان ﷾ کی شرح سے انہوں نے نہایت عمدہ فوائد منتخب فرمائے ہیں ۔مترجم اور شارح دونوں

ہی سلفی العقیدہ اور ایمانیات کے دقیق مسائل کی گتھیاں سلجھانے کی بہترین صلاحیت رکھتے ہیں ۔جس کا

عکس کتاب میں نظر آتا ہے ۔

مترجم ﷾ کی شخصیت علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ،بالخصوص جماعت اہل حدیث میں

انہیں نہایت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ۔برس ہابرس سے ان کے فتاویٰ دینی و جماعتی مجلات

وجرائد میں اشاعت پذیر ہورہے ہیں ۔لوگ ان سے بھرپور استفادہ کررہے ہیں ۔انکا شمار ان

معدودے چند اہل علم اور مفتیان کرام میں ہوتا ہے جنہیں کتاب وسنت کی روشنی میں توجیہ وارشاد

کیلئے مرجع کی حیثیت حاصل ہے ۔ان کے قلم سے اس شرح سے قبل متعدد کتب وتراجم شائع

ہوکر داد تحسین حاصل کرچکی ہیں ۔مختصر صحیح بخاری کا ترجمہ تو ہر لائبریری کی زینت ہے ۔

اللہ تعالیٰ ان کو اس عظیم الشان علمی خدمت پر بہترین اجر

سے نوازے ۔ آمین!

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر